يؤتي الحكمة من يشاء ومن يؤت الحكمة فقد أوتي خيرا كثيرا

فقہائے ہند

محمد اسحاق بھٹی

www.KitaboSunnat.com

2

دار النوادر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب .....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com
www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

فقہائے ہند

نویں صدی ہجری

محمد اسحاق بھٹی

محمد اسحاق بھٹی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

بہ اشتراک

دار النوادر

الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور فون: ۸۸۹۸۶۳۹ ۰۳۰۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ
۲۰۱۳ء/۱۴۳۴ھ

نام کتاب: _____ فقہائے ہند

مصنف: _____ محمد اسحاق بھٹی

اہتمام: _____ محمد اسحاق بھٹی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
بہ اشتراک دار النوادر

مطبع: _____ شفیق پریس

حروف خوانی: _____ محمد رفیع الدین حجازی

صفحات: _____ ۱۸۸

جلد ساز: _____ بنیامین

سرورق: _____ ضیاء الرحمٰن

کمپوزنگ: _____ محمود فرید

ڈسٹری بیوٹرز

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز،
مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور فون: 37320318، 37239884
ای میل: Kitabsaray@hotmail.com

نفیس اکیڈمی
فضلی بک سپر مارکیٹ
اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 32212991-32629724

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترتیب

♦	مقدمہ	۲۵۹
♦	امیر تیمور لنگ	۲۶۰
♦	تیمور کی بادشاہت	۲۶۰
♦	ہندوستان پر حملہ	۲۶۱
♦	دہلی پر قبضہ اور قتل عام	۲۶۲
♦	شیخ احمد تھانیسری تیمور کے دربار میں	۲۶۲
♦	دہلی سے ہردوار تک	۲۶۳
♦	سمرقند کو واپسی اور بایزید یلدرم سے جنگ	۲۶۳
♦	ہندوستان پر حملے کے دو مقصد	۲۶۴
♦	تیمور کی زندگی کا ایک اور پہلو	۲۶۴
♦	تیموری سلاطین کی علم پروری اور ادب نوازی	۲۶۴
♦	علوم دینیہ کی ترویج	۲۶۵
♦	علما و مشائخ کی قدردانی	۲۶۵
♦	علماء و فضلا کا مرتبہ	۲۶۵
♦	بادشاہوں کے فرائض	۲۶۶
♦	علما و صلحا کی توقیر	۲۶۶
♦	مشائخ اور درویشوں کے لیے وظائف	۲۶۷
♦	محدثین اور ارباب اخبار و قصص	۲۶۷
♦	سادات و علما کی تعظیم	۲۶۷
♦	سفر و حضر میں علما و فقہا کی صحبت	۲۶۸
♦	اصحاب علم میدانِ جنگ میں بھی ساتھ تھے	۲۶۹
♦	علما و سادات کے لیے انعامات	۲۶۹
♦	پابندی نماز	۲۶۹
♦	قرآن مجید سے شغف	۲۶۹
♦	عہدِ تیمور کے علمائے کرام	۲۷۰
♦	وفات	۲۷۰
♦	شرقی سلاطین	۲۷۰
♦	ملک الشرق سرور خواجہ جہاں	۲۷۰
♦	ایک سوال اور اس کا جواب	۲۷۲
♦	مبارک شاہ شرقی	۲۷۳
♦	سلطان ابراہیم شرقی	۲۷۴
♦	جون پور مرکز اصحاب علما و مشائخ	۲۷۵
♦	قاضی شہاب الدین سے عقیدت	۲۷۵
♦	حصول علم کا شوق	۲۷۵
♦	عدل و انصاف	۲۷۶
♦	راتوں کو گشت	۲۷۶
♦	رحم دلی	۲۷۶
♦	دینی مدارس	۲۷۷
♦	انتظام مساجد	۲۷۷
♦	چہرہ نویسی	۲۷۷
♦	شیخ اشرف جہاں گیر سے عقیدت	۲۷۷
♦	وفات	۲۷۸
♦	سلطان محمود شاہ شرقی	۲۷۸

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان محمد شاہ شرقی	۲۷۹
سلطان حسین شاہ شرقی	۲۷۹
سلطان بہلول لودھی	۲۷۹
ابتدائی حالات	۲۸۰
ایک بزرگ کی خدمت میں	۲۸۱
پابندیٔ مذہب	۲۸۱
ایک بدعت کا خاتمہ	۲۸۲
حلم اور بردباری	۲۸۲
علما سے عقیدت مندانہ تعلقات	۲۸۲
مشائخ سے محبت اور ان کی مدد	۲۸۳
شیخ سماء الدین سہروردی سے عقیدت	۲۸۴
سلاطین گجرات	۲۸۷
سلطنت گجرات	۲۸۷
سلطان احمد شاہ گجراتی	۲۸۸
سلطنت بہمنیہ	۲۹۱
حسن بہمنی	۲۹۱
دکن کو روانگی	۲۹۲
حسن کی بادشاہت	۲۹۳
حکومت میں علمائے کرام کی شمولیت	۲۹۳
رسالہ نصائح الملوک	۲۹۳
عدالت	۲۹۴
اشاعت علم کا اہتمام	۲۹۴
قدردانیٔ علم و ہنر	۲۹۵
سلطان محمد شاہ بہمنی	۲۹۶
شیخ زین الدین کا بیعت سے انکار	۲۹۶
علما کی قدر و منزلت	۲۹۸
وفات	۲۹۸
سلطان مجاہد شاہ بہمنی	۲۹۸
داؤد شاہ بن حسن شاہ بہمنی	۲۹۹
محمود شاہ بہمنی	۲۹۹
فقہی مسائل پر نظر	۳۰۰
شعر و شاعری	۳۰۰
حافظ شیرازی کا قصد ہند	۳۰۱
فقہا و محدثین کا احترام	۳۰۲
وفات	۳۰۲
سلطان فیروز شاہ بہمنی	۳۰۲
لوگوں سے ربط و تعلق	۳۰۳
درس و تدریس	۳۰۳
کتب خانہ	۳۰۴
کیا مملکت کو ورثا میں تقسیم کرنا جائز ہے؟	۳۰۴
شفقت و رحم دلی	۳۰۵
تیمور کی خدمت میں سفارت	۳۰۶
سید محمد حسینی کے بارے میں فیروز شاہ کی رائے	۳۰۷
وفات	۳۰۷
سلطان احمد شاہ بہمنی	۳۰۷
قبولیت دعا	۳۰۷
مسلمانوں سے لڑائی نہ کی جائے۔ علمائے کرام کی رائے	۳۰۸
علامہ محمد بن ابوبکر مخزومی دمامینی کا عزم دکن	۳۰۸
عہد احمد شاہی کے علمائے کرام	۳۰۹
زوالِ سلطنت کے اسباب..... ملا احمد قزوینی کی تقریر	۳۰۹
وفات	۳۱۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان علاء الدین بہمنی	۳۱۲
حدود شرعیہ کا نفاذ اور عادات واخلاق:	۳۱۲
ایک واقعہ	۳۱۲
بادشاہوں کی تاریخ	۳۱۳
نویں صدی ہجری	۳۱۵
الف	
۱۔ قاضی ابراہیم بن فتح اللہ ملتانی	۳۱۵
۲۔ شیخ ابوالفتح جون پوری	۳۱۵
قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے فقہی بحثیں	۳۱۶
دہلی سے ہجرت اور جون پور میں قیام	۳۱۶
ان کے جد امجد قاضی عبدالمقتدر	۳۱۷
۳۔ شیخ ابوالفتح قریشی کالپوی	۳۲۳
۴۔ شیخ احمد بن حسن بلخی	۳۲۴
۵۔ مولانا احمد تھانیسری	۳۲۴
۶۔ شیخ احمد بن محمود نہروالی	۳۲۸
۷۔ شیخ احمد بن یعقوب بھٹی	۳۲۸
۸۔ شیخ احمد کھٹوی	۳۲۹
ایک تاجر کا واقعہ	۳۳۰
تیمور لنگ سے ملاقات	۳۳۰
ایک عجیب وغریب واقعہ	۳۳۱
رسول اللہ ﷺ کا مہمان	۳۳۱
ایک خواب	۳۳۱
سفر کے معمولات	۳۳۲
اونچا ہاتھ	۳۳۲
ایک استاذِ فقہ سے ملاقات	۳۳۳
ایک قابل ذکر واقعہ	۳۳۴
تصنیف	۳۳۴
وفات	۳۳۴
۹۔ قاضی احمد شہاب الدین دولت آبادی	۳۳۵
اساتذہ کرام	۳۳۶
دہلی سے روانگی اور جون پور میں قیام	۳۳۷
جون پور میں علمائے دین کی پذیرائی	۳۳۸
سلطان ابراہیم شرقی	۳۳۹
چند علمائے کرام	۳۳۹
قاضی شہاب الدین کی عزت افزائی	۳۳۹
حسد ورقابت	۳۴۰
تدریس اور تصنیف وتالیف	۳۴۲
تصوف وولایت	۳۴۲
قدر ومنزلت کی انتہا	۳۴۳
تصانیف	۳۴۳
وفات	۳۴۵
اولاد	۳۴۷
تلامذہ	۳۴۸
۱۰۔ قاضی احمد بن محمد جون پوری	۳۴۹
۱۱۔ شیخ احمد بن عمر پنڈوی	۳۵۱
۱۲۔ قاضی اسحاق مالوی	۳۵۱
۱۳۔ قاضی اسماعیل اصفہانی	۳۵۲
۱۴۔ شیخ اسمعیل بن صفی الدین اردلوی	۳۵۲
۱۵۔ سید اشرف جہاں گیر	۳۵۳
والد اور والدہ	۳۵۳
والد کی وفات اور تخت نشینی	۳۵۳
ترک حکومت	۳۵۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عزم ہند	۳۵۴
اوچ میں داخلہ	۳۵۴
دہلی اور بہار کا قصد	۳۵۵
ورود بنگال اور شیخ احمد بن عمر سے استفاضہ	۳۵۵
جون پور کا قصد اور ضلع اعظم گڑھ میں ورود	۳۵۶
قاضی شہاب الدین سے ملاقات	۳۵۷
روحانی فیوض	۳۵۷
سلطان ابراہیم شرقی کی عقیدت	۳۵۸
اشاعت اسلام	۳۵۹
رودولی میں آمد	۳۶۰
قصبہ جائس میں	۳۶۰
شیخ خیر الدین اور قاضی محمد سدھوری سے ملاقات	۳۶۰
ارباب حکومت سے تعلقات	۳۶۱
چار نقصان دہ چیزیں	۳۶۱
بادشاہوں اور حکمرانوں کے لیے نصیحت	۳۶۲
سیاحت	۳۶۳
تصنیفات	۳۶۳
وفات	۳۶۴
۱۶۔ شیخ اعظم ثانی لکھنوی	۳۶۴
ب	
۱۷۔ قاضی برہان الدین مالوی	۳۶۵
۱۸۔ شیخ بڈھن بہرائچی	۳۶۵
ت	
۱۹۔ قاضی تاج الدین نحوی	۳۶۶
۲۰۔ قاضی تاج الدین ظفر آبادی	۳۶۶
۲۱۔ شیخ تاج الدین نہروالی	۳۶۷
ج	
۲۲۔ شیخ جلال الدین مانک پوری	۳۶۷
۲۳۔ مولانا جمال الدین کشمیری	۳۶۸
ح	
۲۴۔ قاضی حماد الدین گجراتی	۳۷۲
خ	
۲۵۔ مولانا خواجگی دہلوی	۳۷۳
۲۶۔ مولانا خواجگی کڑوی	۳۷۳
۲۷۔ مولانا خواجہ مانک پوری	۳۷۵
۲۸۔ شیخ خوندمیر پٹنی	۳۷۶
۲۹۔ شیخ خضر بن حسن بلخی	۳۷۷
د	
۳۰۔ مفتی داؤد بن رکن الدین ناگوری	۳۷۷
ر	
۳۱۔ قاضی رضی الدین ردولوی	۳۷۸
۳۲۔ رکن الدین جون پوری	۳۷۸
۳۳۔ شیخ رکن الدین دہلوی	۳۷۹
۳۴۔ شیخ رکن الدین ظفر آبادی	۳۸۰
۳۵۔ مفتی رکن الدین ناگوری	۳۸۰
ز	
۳۶۔ شیخ زین الدین عربی	۳۸۴
س	
۳۷۔ شیخ سارنگ لکھنوی	۳۷۵
۳۸۔ شیخ سراج الدین کالپوی	۳۸۵
۳۹۔ شیخ سراج الدین گجراتی	۳۸۵
۴۰۔ شیخ سعد الدین خیر آبادی	۳۸۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◆	۴۱۔شیخ سعدالدین لکھنوی	۳۸۷
◆	۴۲۔شیخ سعداللہ کنتوری	۳۸۷
◆	۴۳۔شیخ سلام اللہ مندوی	۳۸۸
◆	۴۴۔قاضی سناالدین غزنوی	۳۸۸
◆	ش	
◆	۴۵۔شیخ شمس الدین اونوی	۳۸۹
◆	۴۶۔شیخ شہاب الدین اودھی	۳۸۹
◆	ص	۳۸۹
◆	۴۷۔مولانا صدر جہان گجراتی	۳۸۹
◆	۴۸۔شیخ صفی الدین ردولوی	۳۹۰
◆	۴۹۔شیخ صلاح الدین گجراتی	۳۹۲
◆	ض	
◆	۵۸۰۔شیخ ضیاءالدین رفاعی	۳۹۳
◆	ع	
◆	۵۱۔شیخ عبدالرحمٰن ہندی	۳۹۳
◆	۵۲۔شیخ عبدالرزاق کچھوچھوی	۳۹۳
◆	۵۳۔مولانا عبدالغنی مندوی	۳۹۴
◆	۵۴۔شیخ عبداللطیف ملتانی پٹنی	۳۹۴
◆	۵۵۔شیخ عبداللطیف گجراتی	۳۹۵
◆	۵۶۔شیخ عبداللہ بن محمود حسینی بخاری	۳۹۵
◆	۵۷۔شیخ عبداللہ ملتانی	۳۹۶
◆	۵۸۔مولانا عبدالملک جون پوری	۳۹۶
◆	۵۹۔شیخ عثمان حسینی گجراتی	۳۹۷
◆	۶۰۔شیخ عزیزاللہ مندوی	۳۹۷
◆	۶۱۔مولانا علاءالدین جون پوری	۳۹۸
◆	۶۲۔شیخ علاءالدین گوالیاری	۳۹۸
◆	۶۳۔شیخ علی بن اسعد دہلوی	۳۹۹
◆	۶۴۔شیخ علی بن احمد مہائمی	۳۹۹
◆	۶۵۔شیخ علی بن احمد زمزمی	۴۰۱
◆	۶۶۔قاضی علم الدین شاطبی	۴۰۱
◆	۶۷۔مولانا عمادالدین غوری	۴۰۲
◆	۶۸۔شیخ عین الدین بیجاپوری	۴۰۳
◆	غ	
◆	۶۹۔شیخ غوث الدین گجراتی	۴۰۳
◆	ف	
◆	۷۰۔شیخ فتح اللہ اودھی	۴۰۴
◆	۷۱۔امیر فضل اللہ شیرازی	۴۰۵
◆	۷۲۔مولانا فخرالدین جون پوری	۴۰۵
◆	۷۳۔قاضی فخرالدین مالاباری	۴۰۶
◆	ق	
◆	۷۴۔شیخ قطب الدین ظفرآبادی	۴۰۶
◆	۷۵۔شیخ قطب الدین بن خضر بلخی	۴۰۷
◆	۷۶۔مولانا قیام الدین ظفرآبادی	۴۰۷
◆	ک	
◆	۷۷۔شیخ کبیرالدین ناگوری	۴۰۸
◆	۷۸۔شیخ کبیرالدین ملتانی	۴۰۸
◆	۷۹۔قاضی کمال الدین ناگوری	۴۰۸
◆	م	
◆	۸۰۔شیخ مبارک بنارسی	۴۰۹
◆	۸۱۔شیخ محمد بن ابوبکر دمامینی	۴۰۹
◆	ورود ہند	۴۱۱
◆	تصنیفات	۴۱۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادبی ذوق اور شعروشاعری	۴۱۳
انتقال	۴۱۷
۸۲۔ شیخ محمد بن ابوالبقاء حسینی نقوی کرمانی	۴۱۷
۸۳۔ شیخ محمد بن احمد حسینی بخاری اوچی	۴۱۸
۸۴۔ شیخ محمد بن حسین پٹنی	۴۲۰
۸۵۔ شیخ محمد حسین ٹھٹھوی	۴۲۱
۸۶۔ شیخ محمد بن رفیع الدین بخاری	۴۲۱
۸۷۔ شیخ محمد بن عبد اللہ حسینی بخاری گجراتی	۴۲۱
۸۸۔ شیخ محمد بن علاء الدین منیری	۴۲۱
۸۹۔ شیخ محمد بن عیسیٰ جون پوری	۴۲۲
۹۰۔ مولانا محمد بن عین الدین بیجاپوری	۴۲۳
۹۱۔ شیخ محمد بن قاسم اودھی	۴۲۳
۹۲۔ شیخ محمد بن قطب الدین لکھنوی	۴۲۳
۹۳۔ شیخ محمد بن یوسف حسینی دہلوی	۴۲۴
خاندان اور ولادت	۴۲۵
دہلی سے دولت آباد	۴۲۵
تعلیم	۴۲۵
پھر دہلی میں	۴۲۶
حصول علم کی تلقین	۴۲۶
گیسودراز لقب کی وجہ	۴۲۶
فقاہت	۴۲۷
افضلیت صحابہ رضوان اللہ علیہم	۴۲۷
تصنیفات	۴۲۸
اولاد	۴۲۹
گلبرگہ میں قیام	۴۳۰
وفات	۴۳۰
۹۴۔ قاضی محمد ساوی	۴۳۱
۹۵۔ شیخ محمد بن ابومحمد دریابادی	۴۳۱
۹۶۔ قاضی محمد اکرم گجراتی	۴۳۱
۹۷۔ شیخ محمود بن عبداللہ بخاری	۴۳۲
۹۸۔ شیخ محمود بن علاء الدین نصیرآبادی	۴۳۲
۹۹۔ شیخ محمود بن محمد دہلوی	۴۳۲
۱۰۰۔ شیخ مودود بن محمد گجراتی	۴۳۳
ــــــ ن ــــــ	
۱۰۱۔ مولانا نجم الدین گلبرگوی	۴۳۳
۱۰۲۔ قاضی نصیرالدین گنبدی	۴۳۳
۱۰۳۔ قاضی نظام الدین غزنوی	۴۳۴
۱۰۴۔ مولانا نورالدین ظفرآبادی	۴۳۵
ــــــ ی ــــــ	
۱۰۵۔ یوسف شاہ بنگالی	۴۳۶
مراجع ومصادر	۴۳۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

سلسلۂ فقہائے ہند کی یہ دوسری جلد ہے جو بتوفیق الٰہی معزز قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ یہ جلد نویں صدی ہجری کے ان لائق احترام فقہا و محدثین کے حالات و سوانح پر مشتمل ہے جو برصغیر میں پیدا ہوئے یا اس سرزمین میں کسی اور ملک سے تشریف لائے اور پھر یہیں اقامت گزین ہو گئے۔

قدیم مورخین کے نزدیک ''ہند'' سے مراد وہ خطۂ ارض ہے جو آج پاکستان ہندوستان اور بنگلہ دیش کے نام سے موسوم ہے اور اس کتاب میں اپنی محدود معلومات کے مطابق ان ہی تین ملکوں سے تعلق رکھنے والے فقہائے کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کو ''فقہائے ہند'' کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ اس خطے کو اسلامی تاریخ میں ہند سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ فقہائے کرام متعدد والیان ہند کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ سو سال کے اس طویل عہد میں بہت سے ملوک و امرا تخت ہند پر متمکن ہوئے۔ اس پر طوائف الملوکی کا دور بھی آیا جس میں یکے بعد دیگرے کئی حکمران آئے اور اپنی حکمرانی کی مدت ختم کر کے اپنے کارناموں کے نقوش تاریخ کے حوالے کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان میں بعض نقوش بہت دھندلے دکھائی دیتے ہیں اور بعض بڑے نمایاں نظر آتے ہیں اور تاریخ کا ایک مستقل باب بن گئے ہیں۔ ایک ہی وقت میں ملک کے مختلف حصوں میں مختلف حکمرانوں نے بھی دادِ حکومت دی' لیکن ہمیں اس موقعے پر تاریخ برصغیر کی اس سرگزشت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ سب باتیں ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ یہاں ہم اختصار کے ساتھ صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کن کن حکمرانوں کے عہد میں کون کون علما و فقہا پیدا ہوئے۔ انھوں نے کیا فقہی اور علمی خدمات انجام دیں' ان فقہا و ملوک کے باہمی تعلقات کی کیا نوعیت تھی۔ یہ حکمران ان کو کس درجہ عزت و احترام کی نظر دیکھتے تھے۔ ان کی باتوں پر کہاں تک عمل پیرا ہوتے تھے' ان سے ان کی عقیدت و مودت کے حدود کتنے وسیع تھے۔ ان کے زمانے میں خالص دینی علم کو کس قدر ترقی ہوئی اور تحریری یا تدریسی طور پر یہ علم کہاں تک آگے بڑھا۔ پھر اس ضمن میں دیگر علوم و فنون کے ارتقا کی کیا کیا صورتیں ظہور میں آئیں' تصنیف و تالیف کے دائرے کہاں تک پھیلے' مشکل و پیچیدہ مسائل کے حل و کشود کی کیا کیا شکلیں نظر و بصر کے سامنے آئیں اور دقیق علمی و فنی مباحث کو علما و فقہا نے کس اسلوب سے سلجھانے کی کوششیں کیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امیر تیمور لنگ

اس ضمن میں ہم سب سے پہلے امیر تیمور لنگ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں اور بتانا چاہتے ہیں کہ یہ مغل حکمران علما وفقہا سے کس قسم کے تعلقات وروابط رکھتا تھا اور اس کے دل میں ان کی کیا قدر ومنزلت تھی۔ تیمور اگرچہ ہندوستان کا باقاعدہ بادشاہ اور حکمران نہ تھا' مگر اس نے اس ملک پر حملہ کر کے اس کے بہت سے حصے کو اپنے زیرِ نگیں کر لیا تھا اور بعض ہندی علما وفقہا سے اس کی ملاقات اور گفتگو بھی ہوئی تھی' لہٰذا مقدمہ کتاب میں اس کے بارے میں چند باتیں بیان کرنا ضروری ہے۔

تیمور' ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی فولاد کے ہیں۔ اس کو لنگ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی صحرائی زندگی کے زمانے میں ایک چرواہے نے تیر مار کر اس کی ٹانگ کو زخمی کر دیا تھا اور یہ لنگڑا ہو گیا تھا۔ یہ ۲۵ شعبان ۷۳۲ھ (۱۲ اپریل ۱۳۳۲ء) کو ''خواجہ ایلغار'' نامی ایک گاؤں میں پیدا ہوا جو اعمال کش یا کس میں واقع ہے اور ماوراء النہر کا ایک سرسبز وشاداب مقام ہے۔ وہ ماں کی طرف سے چنگیز خاں کی اولاد سے تھا۔ اس زمانے میں بلخ اور بلادِ خراسان پر سلطان حسین دادِ حکومت دیتا تھا۔ تیمور کا باپ ترغائی خاں اس بادشاہ کی فوج میں ملازم تھا۔ بعد میں خود تیمور بھی اس کے مقربین ووزرا میں شامل ہو گیا۔ آہستہ آہستہ اس نے سلطان حسین کے دربار میں اس درجہ اثر ورسوخ حاصل کر لیا کہ حسین نے اپنی بیٹی اس کے عقد میں دے دی' جس کی وجہ سے اس کو تیمور گورگان کہا جانے لگا۔ ترکی زبان میں لفظ گورگان کے معنی داماد کے ہیں اور اس کا یہ لقب اس لیے پڑا کہ یہ شاہی خاندان کا داماد تھا۔

تیمور کی بادشاہت:

چالیس آدمی اس کے ابتدائی دور کے دوست اور ساتھی تھے جو بڑے بہادر اور سازشی تھے۔ انھوں نے حسین کی بادشاہت ختم کرنے اور تیمور کو اس کی جگہ بادشاہ بنانے کا خفیہ طور سے ایک منصوبہ بنایا۔ چنانچہ ان لوگوں نے دریائے جیحون عبور کر کے بخشب اور بدخشاں پر قبضہ کر لیا۔ سلطان کو پتا چلا تو جیحون کے کنارے اس کا لشکر مزاحمت کے لیے آگے بڑھا' لیکن ان کی سازش کا سلسلہ بڑا مضبوط اور وسیع تھا۔ انھوں نے کچھ لوگوں کی مدد سے سلطان حسین کی فوج کا باقاعدہ مقابلہ کیا اور اسے شکست دی۔ پھر بلخ پر حملہ کر کے سلطان حسین کو قتل کر دیا اور سمرقند کو دارالسلطنت بنا کر تیمور کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اب ماوراء النہر کے تمام شہروں خوارزم' ہرات' بلادِ خراسان' عراق اور ملک شام کی سرحدوں تک پھیلے ہوئے عجم کے سارے علاقوں پر چند روز میں تیمور کا پرچم اقتدار لہرانے لگا۔ اس کے علاوہ اس نے اور بھی بہت سے علاقے اپنے قبضے میں کر لیے' مگر ہمیں اس کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس نے اپنی عنان توجہ ہندوستان کی طرف بھی مبذول کی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان پر حملہ:

یہ دور ہندوستان میں طوائف الملوکی کا دَور تھا اور فیروز شاہ تغلق (متوفی ۷۹۰ھ۔۱۳۸۸ء) کی وفات کے بعد اس ملک میں کوئی مضبوط حکومت قائم نہ ہو سکی تھی۔ آج ایک حکمران ہے تو کل دوسرا اس کی جگہ لے لیتا تھا۔ اس صورت حال سے اگرچہ تیمور بے خبر نہ تھا' تاہم وہ واقعات کی صحیح تصویر سے مطلع ہونا چاہتا تھا۔ اسی اثنا میں اس نے اپنے وزراو مصاحبین سے مشورہ کیا کہ اسے چین پر حملہ کرنا چاہیے یا ہندوستان پر؟ انھوں نے اس کو ہندوستان کی طرف رخ کرنے سے روکا اور اس کے چار سبب بیان کیے۔

اول: پنجاب کے دشوار گزار دریا۔

دوم: جنگلوں کی کثرت۔

سوم: صحرائی باشندوں کی لوٹ مار۔

چہارم: جنگلی ہاتھیوں سے مقابلہ۔

مشیروں نے کہا کہ ہندوستان پر حملہ کرنا آسان نہیں۔ یہ چار موانع قدم قدم پر بادشاہ کے لیے پریشانی کا موجب بنیں گے۔ لیکن شہزادہ شاہ رخ مرزا' اس مشورے پر عمل کرنے کا حامی نہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ہر صورت میں ہندوستان پر چڑھائی کی جائے۔ اب تیمور نے فوج سے مشورہ کیا تو وہ بھی اس پر آمادہ نہ تھی۔ تیمور چونکہ فتح ہند کا مصمم ارادہ کر چکا تھا اور اس ضمن میں مشیروں اور شہزادوں کا اختلاف اس کے لیے ذہنی پریشانی کا موجب تھا' اس لیے اس نے قرآن مجید کی طرف رجوع کیا اور فال نکالی تو یہ آیت سامنے آئی۔

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ﴾

(اے نبی ﷺ کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو)

یہ آیت سنتے ہی سب نے سر جھکا لیے اور چپ ہو گئے۔ اس کا مطلب ان کی رضامندی اور تیمور کی تائید تھا۔ دوبارہ صلاح و مشورے کے بعد قرار پایا کہ امیر زادہ پیر محمد جہاں گیر کو جو کہ کابل کا حکمران اور تیمور کا پوتا تھا' تیس ہزار سواروں کے ساتھ کوہِ سلیمان کے راستے ہندوستان بھیجا جائے اور وہ صوبہ ملتان پر حملہ کر کے اس کو فتح کرے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

کچھ عرصے کے بعد تیمور کو پیر محمد کا خط ملا' جس نے ربیع الاوّل ۸۰۰ھ (ستمبر ۱۳۹۷ء) میں ہندوستان پر حملہ کیا تھا اور دریائے سندھ عبور کر کے قلعہ اوچ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اس نے تفصیل سے لکھا کہ ہندوستان کے حالات بادشاہ کے لیے نہایت سازگار ہیں۔ یہاں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی ہے اور میں اوچ' اور ملتان فتح کر چکا ہوں۔ یہ بالتاخیر اس ملک پر ہلّہ بول دیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ خط دیکھے ہی تیمور نے ہندوستان پر چڑھائی کر دی اور ۸۰۰ھ (۱۳۹۸ء) کے موسم بہار کے آغاز میں وہ کوہِ ہندوکش سے اُتر کر کابل آیا۔ وہاں سے سرکنڈوں کا پل بنا کر دریائے اٹک اور جہلم کو عبور کیا اور تمام علاقوں کو روندتا اور کچلتا ہوا انتہائی تیزی کے ساتھ دریائے بیاس کے کنارے آ پہنچا۔ پھر ملتان' اجودھن (پاک پٹن) اور مختلف شہروں اور قلعوں کو فتح کر کے سمانہ کے راستے دہلی کی طرف متوجہ ہوا۔ دہلی کا حکمران اس زمانے میں سلطان محمود تھا۔ وہ اس کی آمد کی خبر سن کر وہاں سے فرار ہو گیا۔

دہلی پر قبضہ اور قتل عام:

اب دہلی کا تخت تیمور کا منتظر تھا اور وہ بغیر کسی مزاحمت کے جمادی الاولیٰ ۸۰۱ھ (جنوری ۱۳۹۹ء) میں دہلی پر قابض ہو گیا۔ وہاں اس نے قتل عام شروع کر دیا اور لوگوں کی بہت بڑی تعداد کو قید میں ڈال دیا' جن میں علما و فقہا' امرا و زعما اور متعدد سرکردہ لوگ شامل تھے۔ اس کے بعد وہ جامع مسجد میں گیا اور علما و مشائخ کو جمع کر کے معذرت کی کہ میں تو درحقیقت جہاد کی غرض سے آیا تھا' لوگوں کو قتل کرنا میرا مقصد نہ تھا' مجبور ہو کر یہ اقدام کرنا پڑا۔ بس اللہ کو یہی منظور تھا۔ کہتے ہیں یہ معذرت اس کو اس لیے کرنا پڑی کہ جب وہ دہلی میں داخل ہوا تو باشندگانِ شہر سے بہت سا مال و دولت لے کر ان کو امان دے دی تھی اور امرا و زعما سے بڑے بڑے نذرانے بھی وصول کر لیے تھے۔ اس اثنا میں لشکر تیمور کے چند سپاہیوں کو شہر والوں نے قتل کر دیا۔ یہ چیز تیمور کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ چنانچہ اس نے قتل عام کا حکم دے دیا اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے حوالہ زنداں کر دیا اور ایک بڑی تعداد کو ماوراء النہر بھیج دیا۔

شیخ احمد تھانیسری تیمور کے دربار میں:

ان گرفتار ہونے والوں میں مشہور عالم و فقیہ شیخ احمد تھانیسری بھی تھے۔ ان کے ساتھ اور بھی بہت سے علما و فقہا کو جیل میں محبوس کر دیا گیا تھا۔ رہائی کے بعد تیمور سے ان کی ملاقات ہوئی تو تیمور ان کے علم و فضل سے بہت متاثر ہوا۔ ماوراء النہر سے جو علمائے کرام تیمور کے ساتھ آئے تھے' ان میں صاحبِ ہدایہ شیخ برہان الدین مرغینانی کے پوتے بھی شامل تھے جو سلطنت تیمور میں ماوراء النہر کے شیخ الاسلام تھے۔ دربار تیمور میں ان سے اور ماوراء النہر کے دیگر علما سے بعض فقہی مسائل پر شیخ احمد تھانیسری کی گفتگو ہوئی تو شیخ نے ان سب کو علم اور دلائل کے زور سے لاجواب کر دیا۔ تیمور ان کی گفتگو اور علمیت و فقاہت سے اس درجہ اثر پذیر ہوا کہ اس نے ان سے اپنے ساتھ ماوراء النہر تشریف لے جانے کی استدعا کی' مگر انھوں نے انکار کر دیا اور تیمور سے باقی لوگوں کی رہائی کے لیے درخواست کی' جو اس نے منظور کر لی اور سب قیدیوں کو رہا کر دیا۔ بلاشبہ اہل ہند پر شیخ احمد تھانیسری کا یہ بہت بڑا احسان تھا۔ آئندہ اوراق میں ان کے حالات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دہلی سے ہردوار تک:

تیمور پندرہ روز دہلی میں مقیم رہا۔ اس کے بعد اس نے میرٹھ کا قصد کیا' پھر مختلف قلعوں اور شہروں کو مسخر کرتا ہوا دریائے گنگا کے کنارے جا کر خیمہ زن ہوا۔ وہ ہردوار پہنچ چکا تھا اور ہندوستان کے مشرقی علاقوں کی طرف بڑھنے کا عزم کر رہا تھا کہ وہاں قیصر روم یعنی قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ کا ایلچی اس کا ایک خط لے کر اس کے پاس آیا۔ وہ خط اس مضمون پر مشتمل تھا کہ عثمانی حکمران سلطان بایزید یلدرم ہمارے شہر قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والا ہے اور قسطنطنیہ ہماری ایک پرانی سلطنت ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی قائم تھی۔ پھر خلفاے راشدین کے زمانے میں بھی قائم رہی اور کسی نے اس پر حملہ نہیں کیا۔ اس کے بعد بنواُمیہ اور بنوعباس کے عہد میں بھی اس کو اہل اسلام کی طرف سے کوئی گزند نہیں پہنچا اور سب سے ہماری صلح رہی۔ اب عثمانی بادشاہ سلطان بایزید یلدرم نے اس کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ وہ ہمارے بہت سے علاقے زیر نگیں کر چکا ہے۔ ان علاقوں پر اس کو صبر نہیں آیا تو اب قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی ٹھان لی ہے۔ سلطان احمد جلائر اور قرا یوسف ترکمان بھی اس کے ساتھ ہیں جو آپ کے مفرور باغی ہیں اور بایزید نے ان باغیوں کو بڑی عزت واحترام کے ساتھ اپنے پاس مہمان رکھا ہوا ہے۔ قسطنطنیہ کی طرف اس کی پیش قدمی کو نہ روکا گیا تو آئندہ آپ کے لیے بھی شدید خطرے کا باعث ثابت ہوگا۔

سمرقند کو واپسی اور بایزید یلدرم سے جنگ:

قیصر قسطنطنیہ کا یہ خط پڑھ کر تیمور نے بظاہر اسے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا اور قاصد کو فوراً ہی رخصت کر دیا۔ لیکن اس کے مندرجات نے اندر ہی اندر اس کو بہت متاثر کیا اور وہ ہندوستان کے اس نومفتوحہ ملک کو بلا کسی معقول انتظام کے اسی حالت میں چھوڑ کر ہردوار سے روانہ ہوا اور جلد جلد منزلیں طے کرتا ہوا پنجاب میں داخل ہو کر لاہور پہنچا۔ لاہور فتح کیا اور اپنے معمول کے مطابق اس میں لوٹ مار کی اور سمرقند کی جانب روانہ ہو گیا۔

اس وقت ایک لاکھ ہندوستانی اس کے قبضے میں تھے' جن کو وہ قیدی کی حیثیت سے اپنے ساتھ سمرقند لے جا رہا تھا۔ ان قیدیوں کو اس نے اس طویل سفر میں گراں باری کا موجب گردانا اور راستے ہی میں ان کو قتل کرا دیا اور بہت جلد سمرقند پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے ایک طرف بایزید یلدرم کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ دوسری جانب بایزید کی حلیف سلطنتوں شام اور مصر وغیرہ پر یلغار کر دی اور حلب' دمشق' شام اور مصر پر قبضہ کر لیا۔ بایزید یلدرم اس سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیوں کہ اس کا مقصد کسی مسلمان حکومت سے پنجہ آزمائی کرنا نہ تھا بلکہ اس کی نظریں قسطنطنیہ پر لگی ہوئی تھیں اور دل میں فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ کم سے کم مدت میں اپنے گھوڑے قسطنطنیہ میں باندھے گا' مگر تیمور اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ قسطنطنیہ پر حملہ کرنے سے پیشتر میرے اور تمھارے درمیان یہ فیصلہ ہو جانا چاہیے کہ دنیا کے فاتح تم بننا چاہتے ہو یا میں۔ بایزید اب بھی درگزر سے کام لے رہا تھا اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے ساتھ جنگ سے گریزاں تھا' مگر تیمور قابو سے باہر ہو چکا تھا۔

اس نے بایزید کو مشتعل کرنے کے لیے ایک سرحدی شہر سیواس پر حملہ کر دیا' جہاں اس کا بیٹا ارطغرل خاں بطور والیٔ شہر موجود تھا۔ اس نے ارطغرل خاں اور بہت سے ترک اہل کاروں اور فوجیوں کو نہایت بے دردی سے قتل کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بایزید اشتعال میں آ گیا اور ۱۹ ذی الحجہ ۸۰۴ھ (۲ جولائی ۱۴۰۲ء) کو تیمور اور بایزید کے درمیان انگورہ کے مقام پر نہایت ہولناک جنگ ہوئی اور تیمور نے بایزید کو گرفتار کر کے آہنی پنجرے میں بند کر دیا۔ تیمور اس کو ساتھ ساتھ لیے پھرتا رہا۔ وہ آٹھ مہینے پنجرے میں بند رہا اور اسی حالت میں انتقال کر گیا اور جو کام وہ ۸۰۴ھ (۱۴۰۲ء) میں خود کرنا چاہتا تھا وہ اس کی موت سے ترپن ۵۳ سال بعد ۸۵۷ھ (۱۴۵۳ء) میں اس کے پوتے محمد خاں ثانی نے کیا اور وہ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد تاریخ میں سلطان محمد خاں فاتح قسطنطنیہ کے نام سے معروف ہوا۔

ہندوستان پر حملے کے دو مقاصد:

تیمور اپنے ملفوظات میں ہندوستان پر فوج کشی کے دو مقصد بیان کرتا ہے۔ ایک بت پرست دشمنانِ اسلام سے جنگ' دوسرے ان کے مال و دولت کو لوٹ کر سپاہِ اسلام کے لیے اسباب معیشت کی فراہمی۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ اس کا عمل اس کے بالکل برعکس تھا۔ کیونکہ جس زمانے میں یہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا' اس زمانے میں اس ملک پر مسلمانوں کی حکومت تھی اور اس نے ان ہی سے جنگ لڑی' ان ہی کو قتل کیا' ان ہی کو قید میں ڈالا' ان ہی کے مال و دولت کو لوٹا۔ اس کے بعد مصر' شام' حلب' بغداد وغیرہ میں بھی مسلمان حکومتوں پر یلغار کی اور وہاں کے باشندوں کو تہہ تیغ کیا۔ انگورہ کے میدان میں بھی عثمانی حکمران کو مشق ستم بنایا۔ یعنی جہاں گیا' مسلمانوں کے خلاف لڑا۔

تیمور کی زندگی کا ایک اور پہلو:

بہرحال اس موقعے پر ہم ان واقعات کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے۔ یہاں صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس کی زندگی کا ایک اور پہلو بھی ہمارے سامنے آتا ہے اور وہ ہے علما و فقہا سے اس کے تعلقات و روابط اور علم اور اصحاب علم سے محبت و تودّد کا پہلو۔ اور اس موقعے پر ہم اس کے اسی پہلو کو اپنے معزز قارئین کے علم میں لانا چاہتے ہیں' کیونکہ کہ ہمارا اصل موضوع یہی ہے۔

تیموری سلاطین کی علم پروری اور ادب نوازی:

تیموری سلاطین بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ فاتح اور کشور کشا بھی تھے اور علم پرور اور ادب نواز بھی۔ ان کا دربار ہر فن کے اصحاب کمال اور علما و شعرا کا مرکز تھا۔ اس خاندان کا پہلا حکمران تیمور تھا' جس نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس کی زندگی کا ایک رُخ اگر ظلم وستم اور قتل وغارت گری کا آئینہ دار ہے تو دوسرا رُخ اس کی علم پروری، علما سے مراسم، فقہا سے روابط، بزرگانِ دین سے محبت اور مشائخ کرام سے الفت کا اظہار بھی کرتا ہے۔

علوم دینیہ کی ترویج :

تیمور اپنی تزک میں لکھتا ہے:

میں نے اپنی سلطنت کی بنیاد دین اسلام کے آئین اور قوانین پر رکھی، کیونکہ میں جانتا تھا کہ جس قوم کی بنیاد کسی قسم کی تنظیم، نظم وضبط اور آئین وقوانین پر مبنی نہ ہو وہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ میں نے دین حق کے پھیلانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ تمام مسلمانوں کا ایک صدر مقرر کر دیا جو ان سے اوقات کی پابندی کراتا، متولیان مساجد اور امورِ دین کا تقرر عمل میں لاتا، قاضیوں مفتیوں اور محتسبوں کا تعین کرتا اور علماء ومشائخ کے لیے جاگیریں اور وظیفے مقرر کرتا تھا۔ فوج، رعایا، نیز ہر ملک اور ہر صوبے کے لیے ایک الگ صدر مقرر تھا۔ جو کہ مسلمانوں کو گناہ سے بچنے اور نیکی اختیار کرنے کی دعوت دیتا تھا۔ میں نے تمام شہروں میں مسجدیں اور عبادت گاہیں تعمیر کرائیں۔ اس کے علاوہ ہر شہر میں مدارس کھولے، جن میں قابل اور نامور اساتذہ مسلمانوں کو علوم دینیہ کا درس دیتے تھے ❶۔

علما ومشائخ کی قدر دانی:

آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ میری سلطنت کے مضبوط ومستحکم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اس میں بارہ قسم کے لوگ شامل کیے، جن میں پہلا گروہ علمائے کرام کا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

''اوّل گروہ سادات، علما، مشائخ اور فضلا کا تھا جو اکثر میرے پاس آتے رہتے تھے۔ میں نے ان کو اپنی مجلس کی زینت بنایا، جہاں وہ ہر قسم کے علوم کی تبلیغ کرتے تھے اور میں ان سے مسائل وغیرہ پوچھا کرتا تھا ❷۔

علماء وفضلا کا مرتبہ:

تیمور کے دربار میں علما وفضلا کو ان کے مرتبے کے مطابق جگہ ملتی تھی۔ اس ضمن میں وہ خود رقم طراز ہے:

''انعقادِ دربار کا طریقہ یہ تھا کہ میرے بیٹے، پوتے اور اعزہ واقارب تختِ سلطنت کے اردگرد صف بستہ بیٹھتے تھے۔ علما وفضلا، مشائخ واکابر دائیں طرف اور امرا، سردار، قشونات، تومانات، بیگ باشی، یوز باشی اور اون باشی بائیں طرف مسند نشین ہوتے تھے ❸۔

---

❶ تزک تیموری، ص ۷۷، ۷۸

❷ تزک تیموری، ص ۱۱۶

❸ تزک تیموری، ص ۱۱۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادشاہوں کے فرائض:

وہ قانونِ ملک گیری کی بھی وضاحت کرتا ہے اور اس باب میں بادشاہوں کو اپنے فرائض کی طرف ان الفاظ میں متوجہ کرتا ہے:

''ملک گیری کے لیے بادشاہوں کو لازم ہے کہ وہ ہر ایسے ملک کو فتح کریں، جس میں ظلم وستم عام ہو، مظلوموں کی دادرسی کرنے والا کوئی نہ ہو، عادل کوئی نہ ہو اور حکام ناانصاف ہوں، فسق وفجور کا دَور دورہ ہو، خداوند کریم کا دین اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت کمزور پڑ چکی ہو، جہاں نیک وبد کا امتیاز نہ رہا ہو، رعایا اپنے عمال سے بے زار اور تکلیف میں ہو اور ان سے مطمئن نہ ہو اور جس طرح اللہ کے اپنے بندوں پر کچھ حقوق ہیں، اسی طرح بندوں کے بھی بندوں پر کچھ حقوق ہیں۔

لہٰذا یہ چیز حقوق العباد میں داخل ہے اور ایک بادشاہ پر حقوق العباد کی حیثیت میں جو حقوق فرض ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں کہ جہاں کہیں بھی اللہ کی سرزمین میں ظلم وستم ہوتا دیکھے، یا شر اور فساد کو عام پائے تو ان کا قلع قمع کر کے وہاں کے حالات کو پُرامن بنائے اور لوگوں کو تکلیفوں سے نجات دلائے ❶۔

اس سے آگے وہ بادشاہوں کے فرائض کی روشنی میں مختلف ممالک پر اپنے حملوں کی وجہ جواز پیش کرتا ہے اور ہندوستان پر حملے کے بارے میں لکھتا ہے:

''ہندوستان میں وہاں کے حکام سلطان محمود، ملوخاں اور سارنگ کے ہاتھوں بت خانے عام ہو چکے تھے، کفر وشرک کا دَور دَورہ تھا اور شریعت محمدی ﷺ بالکل کمزور ہو چکی تھی، میں نے ہندوستان پر حملہ کر کے اس کو نااہل حکمرانوں کے قبضے سے نجات دلائی اور کفر وشرک اور بدعت کو ختم کر کے شریعت محمدی ﷺ کو فروغ دیا ❷۔''

علما وصلحا کی توقیر:

وہ قواعد وقوانینِ ملک داری کے تحت علما ومشائخ کی عزت وتوقیر کے بارے میں تحریر کرتا ہے:

''میں جس ملک کو فتح کرتا، وہاں کے معزز لوگوں مثلاً علما وفضلا اور صلحا وغیرہ کی عزت وتوقیر کرتا۔ ان کے بڑوں کو اپنا بھائی اور چھوٹوں کو اپنا فرزند سمجھتا اور ان کے لیے جاگیریں اور وظیفے مقرر کرتا ❸۔''

---

❶ تزک تیموری، ص ۱۱۶، ۱۱۷۔

❷ تزک تیموری، ص ۱۱۷۔

❸ ایضاً، ص ۱۲۰، ۱۲۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشائخ اور درویشوں کے لیے وظائف:

رعایا سے وہ کس قسم کا سلوک روا رکھتا تھا' اس کے بارے میں کہتا ہے:

''اپنے کسی مفتوحہ ملک سے جو لوگ میرے پاس امداد یا پناہ کی غرض سے آتے تھے' ان سب کے لیے میں نے ملازمت اور روزگار کا انتظام کیا۔ ان کو لوٹ مار اور قتل و غارت سے بچایا۔ ان ہی کے ملک سے حاصل شدہ مالِ غنیمت کو ضبطِ تحریر میں لا کر اس میں سے ان کی امداد کی۔ ان کے سادات و مشائخ اور علما و فضلا کی قدر دانی اور عزت افزائی کی۔ نیز ان میں سے جو لوگ ٹیکس وغیرہ دینے کی استطاعت رکھتے تھے' ان سے ان کی مالی حیثیت کے مطابق ٹیکس وصول کیا اور اس ٹیکس کی جمع شدہ آمدنی میں سے ان کے غربا' مساکین' مشائخ' فضلا اور درویشوں کے لیے وظائف مقرر کیے تاکہ وہ تنگ دستی اور در در کی ٹھوکریں کھانے سے محفوظ رہ سکیں [1]۔''

محدثین اور اربابِ اخبار و قصص:

اصحابِ علم و فضل اور اربابِ فن و کمال خلوت و جلوت میں بھی اس کے ساتھ رہتے اور میدانِ جنگ میں بھی۔ اس ضمن میں وہ خود لکھتا ہے:

''محدثین اور اربابِ اخبار و قصص کو میں اپنے پاس بلاتا' ان سے انبیا' اولیا اور سلاطین کے واقعات سنتا' حکمرانوں کے عروج و زوال کی داستانیں معلوم کرتا' ان کے قصوں اور ان کے گفتار و کردار سے تجربے حاصل کرتا اور دنیا کی تواریخ و آثار سے مطلع ہوتا۔ صوفیا و مشائخ اور عارفانِ خدا سے بھی ملتا اور ان کی صحبت سے فوائد اُخروی حاصل کرتا' معرفت کی باتیں سنتا' ان کے خوارقِ عادات و کرامات کا مشاہدہ کرتا اور ان کی مجلس سے سرور حاصل کرتا..... میرا حکم تھا کہ جو لوگ سادات و علما میں سے ہیں ان کا اعزاز و احترام کیا جائے' ان کی ہر ضرورت کو پورا کیا جائے اور ان کے ساتھ پوری رعایت کی جائے [2]۔

سادات و علما کی تعظیم:

اس ضمن میں ملفوظاتِ تیموری کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ وہ کہتا ہے:

''جب میں تلمنبہ پہنچا تو دریا کے ساحل پر خیمہ زن ہوا۔ تلمنبہ ملتان سے تقریباً ستر میل کے فاصلے پر واقع ہے..... میرے وزرا نے تلمنبہ کے باشندوں پر دو لاکھ روپے کا تاوان عائد کیا تھا۔ اس کی وصولی کے لیے عمال بھی مقرر ہو گئے تھے۔ ان باشندوں میں سادات بھی تھے

---

[1] تزک تیموری' ص ۱۲۴۔

[2] تزک تیموری۔ مطبع فتح الکریم بمبئی' ص ۱۱۲' ۱۱۳' ۱۱۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں سے تھے' علمائے اسلام بھی تھے جو وارثِ پیغمبر (ﷺ) کہلاتے ہیں۔ سادات وعلما میرے دربار میں ہمیشہ تعظیم واکرام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں' اس لیے میں نے حکم جاری کیا کہ ان سے تاوان نہ لیا جائے بلکہ میں نے ان کو بلا کر خلعت اور عربی گھوڑے عطا کیے ❶۔''

مذکورہ بالا سطور میں دو کتابوں کے حوالے دیے گئے ہیں' جن میں سے ایک کا نام تزک تیموری ہے اور دوسری کا ملفوظاتِ تیموری۔ تزک تیموری میں ملکی اور جنگی نظم ونسق کے ضوابط وقوانین درج کیے گئے ہیں' جو خود تیمور کی زبان سے بیان ہوئے ہیں۔ ملفوظات تیموری میں' تیمور کی بہادری وکشور کشائی اور جہاں بانی وحکمرانی کی داستان خود اس کی زبانی معرضِ تحریر میں لائی گئی ہے اور اس کے دربار کے اہلِ علم وارباب دانش نے قلم بند کی ہے۔ عین ممکن ہے' ان اقتباسات کو دربارِ تیمور کے اصحابِ قلم کی حاشیہ آرائی سمجھا جائے' لیکن اس سلسلے کی ایک کتاب اور ہے جو ظفر نامہ تیمور کے نام سے موسوم ہے اور شرف الدین یزدی کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب تیمور کی وفات سے تیس سال بعد لکھی گئی' جب کہ نہ تیمور کا رعب ودبدبہ باقی رہا تھا اور نہ اس سے کسی نوع کے لالچ اور حرص کی توقع کی جاسکتی تھی۔ اس میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ امیر تیمور کو علما وفضلا سے بہت تعلق خاطر تھا اور سفر وحضر میں وہ ان سے استفادہ کرتا تھا۔

سفر وحضر میں علما وفقہا کی صحبت:

ظفر نامۂ تیمور کے فارسی الفاظ کا ترجمہ یہ ہے۔

''صاحب قران کے ساتھ سفر وحضر میں برابر سادات' علما' فقہا' اہلِ فضل ودانش بخشیان الفور اور دبیرانِ فارس رہتے تھے۔ فرمانِ شاہی کے مطابق وہ روزمرہ کے واقعات قلم بند کرتے' صاحب قران کے افعال واقوال' ملک وملت کے احوال اور ارکان دولت کے کوائف بڑی تحقیق کے ساتھ حیطۂ تحریر میں لائے جاتے۔ سخت حکم تھا کہ ہر واقعہ بغیر کسی تصرف اور اضافے کے لکھا جائے۔ خصوصاً ذاتی اصابت ونجابت کے بیان میں کسی قسم کی رعایت یا مداہنت نہ ہو۔ صاحبِ قران کی شہامت وشجاعت کے ذکر میں بھی مبالغہ نہ ہو' چنانچہ اس حکم کو سامنے رکھ کر' اصحابِ قلم وبلاغت' واقعات کو نظم ونثر میں مرتب کرتے۔ یہ تحریریں صاحبِ قران کے سامنے پڑھی جاتیں اور وثوق کے ساتھ ان کی تصحیح ہوتی۔ اسی طرح ترکی اور فارسی میں واقعات' نثر اور نظم میں تالیف ہوتے اور بعض وابستگانِ دربار واقعات کی تحقیق وتفتیش میں پوری کوشش کرتے..... ❷

---

❶ بزم تیموریہ ص ۳ بحوالہ ملفوظات تیموری ایسٹ ج ۳' ص ۴۱۴۔

❷ ظفر نامہ ج ۱' ص ۲۴' ۲۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصحابِ علم میدانِ جنگ میں بھی ساتھ تھے:

شرف الدین یزدی کا بیان ہے کہ تیمور جب ہندوستان میں وارد ہوا اور محمود تغلق کے خلاف معرکہ آرا ہوا تو اربابِ کمال اور اصحابِ علم میدانِ جنگ میں بھی اس کے ہمراہ تھے۔ اس کے فارسی الفاظ یہ ہیں:

''در وقتِ تعیین مواضع سروران واعیان مرحمت حضرت صاحبِ قران کہ در ہمہ حال شامل احوال اہل علم وکمال بودی از جمع علماء رفیع مقدار کہ ظفر کردار ملازم رکاب ہمایوں آثار بودند۔ مثل خواجہ افضل پسر مولانا شیخ الاسلام سعید جلال الحق والدین کشی ومولانا عبدالجبار پسر اقضی القضاۃ مولانا نعمان الدین خوارزمی.....[1]

یعنی تیمور صاحبِ قران نے جب (ہندوستان) جانے کا قصد کیا تو وہ سربراہانِ علم وفضل اور معاونینِ سلطنت، جو اپنے فضل وکمال میں بے مثل ویکتا تھے، اس کے ہم رکاب تھے اور ان رفیع المرتبت علما کی معیت اس کے لیے باعثِ سعادت تھی۔ مثلاً خواجہ افضل فرزند مولانا سعید جلال الحق والدین کشی اور مولانا عبدالجبارؒ فرزند قاضی القضاۃ مولانا نعمان الدین خوارزمی.....اس کے رفقائے سفر تھے۔

علما وسادات کے لیے انعامات:

تیمور کا معمول تھا کہ وہ ہر لڑائی کے بعد فتح ونصرت کی خوشی میں علما وسادات کو انعام واکرام سے مالا مال کرتا تھا[2]۔

پابندی نماز:

تزکِ تیموری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز کا سخت پابند تھا اور باجماعت نماز ادا کرنے کا عادی تھا۔ اس کا وہ اپنی تزک میں بار بار ذکر کرتا ہے۔

قرآن مجید سے شغف:

قرآن مجید سے بھی اس کو بہت شغف تھا اور تزکِ تیموری سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اس کی باقاعدہ تلاوت کرتا تھا اور کوئی اہم اور مشکل معاملہ پیش آتا تو فوراً قرآن مجید کی طرف رجوع کرتا اور اس سے فال نکالتا۔ چنانچہ اس نے ہندوستان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو قرآن مجید سے فال نکالی اور یہ آیت کریمہ اس کے سامنے آئی:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ﴾[3]

---

[1] ظفر نامہ، ج ۲، ص ۱۰۱۔

[2] بزم تیموریہ ص ۳ بحوالہ ملفوظات تیموری ایسٹ ج ۳، ص ۴۷۵

[3] تزکِ تیموری، ص ۶۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(یعنی اے نبی ﷺ کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کرو)

یہاں قرآن سے فال نکالنے کے جواز وعدم جواز کی بحث نہیں ہو رہی' ایک واقعہ بیان ہو رہا ہے۔

عہدِ تیمور کے علمائے کرام:

تیمور ۸۰۰ھ (۱۳۹۸ء) میں سمرقند سے عازمِ ہند ہوا اور ۱۲ محرم ۸۰۱ھ (۲۴ ستمبر ۱۳۹۸ء) کو دریائے جہلم عبور کر کے اس ملک میں داخل ہوا۔ اس وقت دہلی اور ملک کے دوسرے علاقوں میں بہت سے علما و فقہا موجود تھے۔ تیمور کے مظالم کی داستانیں چوں کہ پورے ملک میں پھیل چکی تھیں' اس لیے علمائے کرام کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ دہلی کی طرف بڑھ رہا ہے تو بہت سے حضرات اس کی آمد سے قبل ہی چون پور اور کالپی وغیرہ چلے گئے تھے' جن میں شیخ احمد بن محمد تھانیسری' شیخ حسام الدین فتح پوری' مولانا خواجگی دہلوی اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ کچھ علمائے کرام سے دہلی میں اس کی ملاقات بھی ہوئی اور وہ ان کے علم و فضل سے بہت متاثر ہوا' ان میں شیخ احمد کھٹو کا اسمِ گرامی لائقِ تذکرہ ہے۔ بعض ہندی علما سے اس کی ملاقات اس زمانے میں ہوئی جب یہ واپس سمرقند جا چکا تھا۔ ان میں شیخ تقی الدین محمد شیرازی اور مولانا لطف اللہ سبزواری کے اسمائے گرامی کتبِ تاریخ میں مرقوم ہیں۔ شیخ اشرف جہاں گیری سمنانی سے بھی اس کی ملاقات ہوئی اور وہ ان سے بے حد ادب و احترام سے پیش آیا اور بہت ہی عقیدت مندی کا اظہار کیا۔ یہ ملاقات حضرت علی رضا کے مرقد پر ہوئی تھی۔

وفات:

جنگِ انگورہ کے بعد تیمور چین پر حملہ کرنا چاہتا تھا' لیکن موت نے اس کا موقع نہ دیا۔ اس نے ۱۷ شعبان ۸۰۷ھ (۱۸ فروری ۱۴۰۵ء) کو وفات پائی۔

شرقی سلاطین

ملک الشرق سرور خواجہ جہاں:

فیروز شاہ تغلق ہندوستان کا وہ بادشاہ تھا' جس کے اقتدار کا شامیانہ سارے ملک پر تنا ہوا تھا۔ اس کے عہدِ حکومت کے آخری دور کی یہ بات شمس عفیف نے افسوس کے ساتھ بیان کی ہے کہ دہلی میں نمازِ فجر کے لیے ایک درویش جمنا کے کنارے بیٹھا وضو کر رہا تھا' ناگہاں اس کی نظر شاہی محل پر پڑی' اس کی طرف اشارہ کر کے اپنے ساتھی سے کہا:

می دانی دریں کوشک کیست؟..... بلاہائے جملہ عالم زیر پائے اوست۔ آن روز کہ اوازیں جہان برود'

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معلوم جہانیاں شود ❶۔

(تو جانتا ہے کہ اس کوشک کے اندر کون ہے؟..... دنیا کی تمام بلاؤں کو اس میں رہنے والے شخص نے اپنے پاؤں کے نیچے دبا رکھا ہے' جس دن وہ اس جہان سے چلا جائے گا' دنیا والوں کو معلوم ہو جائے گا۔)

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ فیروز شاہ تغلق کے دربار میں ایک شخص ملک سرور کے نام سے موسوم تھا۔ یہ شخص خواجہ سرا تھا' بعد میں اس کو خواجہ سراؤں کا سردار بنا دیا گیا۔ یہ اس زمانے میں بہت بڑا عہدہ تھا جو دربار کے حاکم سے بھی زیادہ اہم تھا۔ کچھ عرصہ بعد اس کو داروغہ فیل خانہ مقرر کیا گیا۔ ناصر الدین محمود شاہ بن فیروز شاہ تغلق تختِ حکومت پر متمکن ہوا تو اس نے اس کو اپنا وزیر مقرر کر لیا۔ یہ شخص بڑا عقل مند' سمجھ دار' سیاست دان' صاحبِ تدبیر' ذہین اور وفادار تھا' اور ان تمام صلاحیتوں سے بہرہ ور تھا جن کا ایک حکمران میں پایا جانا ضروری ہے۔ محمود شاہ چوں کہ ملک سرور جہاں ہی کی کوششوں سے تختِ دہلی کا وارث بنا تھا' اس لیے وہ اس کی بہت قدر کرتا تھا۔ اس نے اس کو متبنیٰ بنا کر ملک الشرق کا خطاب دیا اور قنوج سے لے کر بہار تک کا سارا علاقہ اس کے سپرد کر دیا۔ وہ ماہِ رجب ۸۹۹ھ (مئی ۱۴۹۴ء) میں کول' کھروا' اٹاوا' کنبیلہ اور مضافاتِ قنوج سے ہوتا ہوا جون پور میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ اس وقت اچھی خاصی فوج اور بیس ہاتھی تھے۔ وہ انتظامِ ملکی کی پوری صلاحیت رکھتا تھا۔ اس نے ان بغاوتوں اور شورشوں کو بھی دانشمندی کے ساتھ ختم کر دیا' جن کا سلسلہ ان علاقوں میں مختلف شرارت پسند افراد کی وجہ سے زوروں پر تھا۔ اس نے اپنے علاقے کا نظم و نسق بہترین طریقے سے چلانا شروع کیا' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغیر کسی لڑائی جھگڑے اور فوج کشی کے بہت جلد قنوج' کڑ' سندیلہ' ڈلمو' بہرائچ' بہار اور ترہٹ وغیرہ اس کے قبضے میں آ گئے۔

اس نے اپنا دارالحکومت جون پور کو بنایا یا اور اس کی حکومت شرقی سلطنت کے نام سے موسوم ہوئی۔ جون پور میں بیٹھ کر اس نے ہندوستان کے اس گوشے میں ایک مثالی حکومت قائم کر دی۔ لکھنوتی' سنار پور اور جاج نگر کے حاکم اور راجے اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ اس کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہو گئے۔ انھوں نے جون پور کی شرقی سلطنت سے اپنا الحاق کر لیا اور شاہی رسم و رواج کے مطابق ہر سال جو تحائف اور ہاتھی وہ دہلی بھیجتے تھے' اب جون پور بھیجنے لگے۔

ملک الشرق ملک سرور خواجہ جہاں کی یہ سلطنت ایک آزاد اور خود مختار سلطنت تھی۔ اس کو ''اتابکِ اعظم'' کا خطاب بھی ملا تھا' جو بہت بڑا خطاب تھا اور ایران کے ان بادشاہوں کا خطاب تھا' جن کا پایہ تخت شیراز تھا۔

جون پور کی اس شرقی سلطنت کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے' جس نے آگے چل کر بڑی شہرت حاصل کی اور جس میں بے شمار مشائخ و صلحا' علما و فقہا اور مصنفین و مدرسین نے سکونت اختیار کی اور جس کو بزرگانِ دین نے اپنے لیے ایک مامن اور قلبی و ذہنی اعتبار سے جائے اطمینان قرار دیا۔ آگے چل کر ہماری اس کتاب میں جون پور کے

❶ تاریخ فیروز شاہی۔ از شمس عفیف ص ۳۸۲' ۳۸۳

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت سے علما وفقہا کے اسمائے گرامی قارئین کرام کے مطالعہ میں آئیں گے۔

ملک الشرق سرور خواجہ جہاں نے ان لوگوں کو اپنے وزیر ومشیر اور معاون مقرر کیا' جو فہم وتدبر کے ساتھ ساتھ مخلص اور خیر خواہ بھی تھے' اور وہ تھے سید مبارک شاہ اور سید ابراہیم شاہ۔ یہ دونوں حقیقی بھائی تھے اور ان کو خواجہ جہاں نے اپنے متبنّے اور منھ بولے بیٹے بنالیا تھا۔ پھر اس کی وفات کے بعد یہی سلطنتِ شرقی کے حکمران بنے۔ یہ سید خضر خان کے بھتیجے تھے' جس کو ہندوستان سے سمرقند واپس جاتے وقت امیر تیمور نے دیپال پور اور ملتان وغیرہ علاقوں کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ سید خضر اپنے ان بھتیجوں کا اور ان کی وجہ سے سلطنت جون پور کا بہت بڑا حامی اور مددگار تھا۔

ملک سرور خواجہ جہاں بہت سے اوصاف کا حامل تھا۔ وہ نیک کردار اور متدین شخص تھا اور بزرگانِ دین اور علمائے کرام سے اس کو خاص عقیدت اور محبت تھی۔ منقول ہے کہ علمائے قنوج کو جو خطوط علمائے جون پور کے نام آتے تھے' ان میں والیٔ جون پور خواجہ جہاں کا تذکرہ بہترین الفاظ میں ہوتا تھا اور وہ اس کے تدیّن وصالحیت اور علما سے تعلق وانسلاک پر بہت خوشی کا اظہار کرتے تھے۔ اس کے زمانے میں سید جلال الدین بخاری اوچی مخدوم جہانیاں جہاں گشت بھی ایک مرتبہ جون پور تشریف لے گئے تھے۔ خواجہ جہاں ان کا بے حد معتقد تھا اور اس کے وزیر ابراہیم شرقی نے جو بعد میں جون پور کا حکمران ہوا ان سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔

خواجہ جہاں نے جون پور کو علمی اعتبار سے ایک مثالی شہر بنانے کی کوشش کی' اس کو علما وفضلا کے مرکز کی حیثیت دینے کی طرح ڈالی' علم دین کی سرپرستی کو اپنے لیے ضروری قرار دیا' صوفیا واتقیا کو اس میں آباد کرنے کی سعی کی۔ نیکی کی تبلیغ کے لیے خانقاہیں قائم کیں اور علوم دینی کی تعلیم کو عام کرنے کی غرض سے مدرسے جاری کیے۔ ان مدارس میں فوجی تعلیم کا بھی ایک شعبہ قائم کیا گیا تھا۔

خواجہ جہاں نے ۸۰۲ھ (۱۴۰۰ء) کو وفات پائی اور اسے جون پور میں دفن کیا گیا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں ابراہیم شرقی اور اس کے بڑے بھائی سید مبارک کو متبنّٰی قرار دے لیا تھا اور اپنے بعد مبارک شاہ کو جون پور کا وارثِ تخت مقرر کیا۔ وہ اس کو اس کی قابلیت وصلاحیت اور فراست وتدبّر کی وجہ سے' اس اعزاز کا مستحق گردانتا تھا۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

یہاں ایک سوال سطحِ ذہن پر ابھرتا ہے کہ یہ مبارک شاہ شرقی اور ابراہیم کون تھے اور کس علاقے اور خاندان سے تعلق رکھتے تھے' جنھوں نے شمالی ہند میں ایک عظیم سلطنت کو مستحکم بنیادوں پر چلایا اور اس کو علم وفضل کا گہوارہ' علما وفضلا کا مسکن اور مشائخ وصلحا کا مرکز بنا دیا؟

مؤرخین نے اس سوال کے مختلف جواب دیے ہیں۔ ایک جواب یہ ہے کہ یہ دراصل ایران کے رہنے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والے تھے' خاندان سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت سید زین العابدین سے ملتا ہے۔ یہ لوگ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ۷۸۰ھ (۱۳۷۸ء) میں ہندوستان آئے اور دہلی میں اقامت گزین ہوئے۔ خواجہ جہاں ملک سرور بھی ان کے ساتھ آیا' جو ان کا غلام تھا' لیکن چوں کہ وہ بہت عقل مند' فہیم اور مدبّر و فریس تھا' اس لیے اس کو دربارِ شاہی میں جگہ مل گئی اور پھر فیروز شاہ تغلق کی موت کے بعد طوائف الملوکی کا ایسا دور آیا اور انقلاب و تغیر کی ایسی لہریں اٹھیں کہ خواجہ جہاں نے جون پور میں اپنی حکومت قائم کر لی' جو اس کی موت کے بعد مبارک شاہ اور پھر ابراہیم شرقی کے قبضے میں چلی گئی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ خواجہ جہاں اور مبارک شاہ وغیرہ کا آپس میں کوئی تعلق نہ تھا۔ خواجہ جہاں جون پور کا حکمران ہوا تو اس نے مبارک شاہ اور ابراہیم شاہ کو اپنے وزیر و مشیر مقرر کیا۔ ایک روز اس نے مبارک شاہ سے اس کے خاندان اور وطن کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دینے سے گریز کیا۔ پھر اس نے سختی سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ دراصل ملک ایران کے شہر ہویزا کے حکمران کا بیٹا ہے اور ساداتِ موسوی سے تعلق رکھتا ہے۔ باپ سے کسی معاملے میں ناچاقی ہوگئی اور یہ اپنے بھائی ابراہیم کو ساتھ لے کر ہندوستان آ گیا۔ کچھ روز دونوں بھائی دہلی میں مقیم رہے۔ وہیں خواجہ جہاں سے ملاقات ہوئی۔ وہ ان کی صلاحیتوں سے متاثر ہوا اور اپنے قصبے سرور پور میں لے گیا' جہاں کا وہ پہلے سے حاکم تھا۔ اس نے ان کو اپنے منھ بولے بیٹے بنا لیا۔

جب یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ اس نے خواجہ جہاں کو سنایا تو وہ بڑا حیران ہوا اور واقعہ کی تحقیق کے لیے ایک شخص کو بادشاہ ہویزا کے پاس ایران بھیجا' تو بات صحیح ثابت ہوئی اور ان کا باپ اپنے بیٹوں کی خوش حالی اور ترقی کے بارے میں سن کر بہت خوش ہوا۔

اس طرح ان کے سلسلے میں اور بھی کئی باتیں بیان کی جاتی ہیں' مگر ہمیں ان سے کوئی بحث نہیں۔ ہمارا مقصد اختصار کے ساتھ صرف یہ بتانا ہے کہ ان شرقی حکمرانوں کے دور میں کون کون علما و فقہا جون پور گئے' انھوں نے ان سے کیا سلوک کیا اور علوم و فنون میں کیا ارتقا ہوا۔ اس ضمن میں ہم پہلے سلطان مبارک شاہ کا' اس کے بعد سلطان ابراہیم شرقی کا' پھر اس خاندان کے دیگر حکمرانوں کے عہد کے علمی عروج کا تذکرہ کریں گے۔

مبارک شاہ شرقی:

شرقی سلطنت کے بانی ملک الشرق ملک سرور خواجہ جہاں کی وفات کے بعد ۸۰۲ھ (۱۴۰۰ء) میں اس کا متبنّیٰ اور منھ بولا بیٹا سید مبارک شاہ جون پور کا تخت نشین ہوا۔ یہ پڑھا لکھا' ذہین' متدین' علم پرور' علما کا قدر دان' قوی ہیکل جوان' امورِ سلطنت کا ماہر اور بہادر بادشاہ تھا۔ اس کی تخت نشینی کے موقعے پر جون پور شہر اور پوری سلطنت میں مسرت کا اظہار کیا گیا اور خوشیاں منائی گئیں۔ ارکانِ حکومت اور مصاحبینِ دولت نے مبارک باد دی اور شعرا نے تہنیتی قصاید لکھے۔ اس دَور کے درباری شاعر فراہی نے حسب ذیل قطعہ پیش کیا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کشت چوں بادشہِ مبارک شاہ شادی آمادہ گشت برپا جشن
سالِ تاریخ ایں فجستہ جلوس شد نگہبان ''عالم آرا جشن''
۸۰۲ھ

یعنی جب مبارک شاہ بادشاہ ہوا تو خوشیاں منائی گئیں اور جشن برپا کیے گئے اور اس مبارک جلوس کی تاریخ ''عالم آرا جشن'' ہے۔

جب اس نے جون پور کی عنانِ حکومت ہاتھ میں لی تو سلطان دہلی محمود کو سخت ذہنی کوفت ہوئی اور اس نے اس کے استیصال کے لیے فوج کشی کی اور دیگر حاسدین بھی اس سلسلے میں محمود کی مدد کو آئے' مگر مبارک شاہ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔ وہ نہ صرف اپنی سلطنت کو بچانے میں کامیاب رہا بلکہ اس کے سامنے برابر ترقی کی نئی سے نئی راہیں کھلتی گئیں۔

خواجہ جہاں اپنے نام کا سکہ جاری نہیں کر سکا تھا لیکن مبارک شاہ نے اپنے نام کا سکہ بھی جاری کیا اور خطبے میں بھی اپنا نام شامل کیا۔

جس زمانے میں تیمور ہندوستان پر حملہ آور ہوا تھا اور علما و فقہا نے اس حملے کی خبریں سن کر جون پور کا قصد کیا تھا' اس وقت جون پور میں ملک خواجہ جہاں کی حکومت تھی اور مبارک شاہ اور ابراہیم شاہ شرقی اس کے وزیر اور مشیر تھے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں رہنے والے علمائے کرام نے ان تینوں حکمرانوں کے دور میں اپنے لیے جون پور کو منتخب کیا اور وہاں بہت سی علمی خدمات سرانجام دیں۔

مبارک شاہ نے ایک سال کچھ مہینے حکومت کر کے ۸۰۴ھ (۱۴۰۲ء) میں وفات پائی اور مسندِ حکومت اس کے چھوٹے بھائی ابراہیم شرقی کے سپرد ہوئی۔

سلطان ابراہیم شرقی:

سلطان مبارک شاہ شرقی کی وفات کے بعد ۸۰۴ھ میں اس کا چھوٹا بھائی ابراہیم شرقی جون پور کے تختِ حکومت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ حسن اخلاق' شرافتِ نفس' عزم و ہمت' جودت و کرم' عدل و احسان' عقل و تدبیر' علم و فضل اور دین داری کے اوصاف سے متصف تھا۔ علما و فضلا اور اولیا و مشائخ سے اس کو قلبی لگاؤ تھا۔ سلطنت شرقی کے درباری شاعر فراہی نے اس کی تقریب جلوس کے موقعے پر حسب ذیل قطعہ کہا:

زہے شاہِ بحر سخا عدل گستر باو تاج و تخت و نگین شد مسلّم
بروں آر سالِ جلوسِ ہمایوں زسلطان اہل صف شاہ عالم
۸۰۴ھ

سریر آرائے سلطنت ہوتے ہی اس نے علما و فقہا کی طرف عنانِ توجہ مرتکز کی اور قاضی نصیر الدین گنبدی کو جو علم و فقاہت میں ممتاز اور سلطان مبارک شاہ کے عہد میں عہدۂ قضا پر مامور تھے' مشیر حکومت مقرر کیا۔ قاضی نظام الدین کیکانی (مصنف فتاویٰ ابراہیم شاہیہ) کو منصب قضا پر فائز کیا اور ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آبادی کو قاضی القضاۃ کی مسند جلیلہ پر متمکن کیا۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں کے بعض حکمرانوں نے اس کو پریشان کرنے کی کوشش کی اور کئی مرتبہ اس کے مقابلے کو نکلے مگر یہ ہر موقعے پر ثابت قدم رہا اور اس کی حکومت ہر اعتبار سے مضبوط و مستحکم رہی۔ اس سلسلے کے متعدد واقعات کتب تاریخ میں مسطور ہیں' مگر ہمیں ان سے کوئی تعلق نہیں ہے' وہ ہمارے دائرہ موضوع سے باہر ہیں۔ ان سطور میں ہم فقط اس کی زندگی کے اسی پہلو سے تعرض کریں گے جو اس کی علم پروری' علما و مشائخ سے عقیدت اور اصحابِ علم سے ربط و انسلاک سے متعلق ہے۔

جون پور، مرکز علماء و مشائخ:

سلطان ابراہیم شرقی کی نیک شہرت سے متاثر ہو کر اس کے زمانے میں علمائے کرام' فقہائے عظام اور مشائخ وقت' دہلی وغیرہ سے ترکِ وطن کر کے بہت بڑی تعداد میں جون پور میں آ کر آباد ہو گئے تھے اور یہ شہر مرکز علما کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ منقول ہے کہ اس کے عہد میں بہ یک وقت نو سو چوراسی (۹۸۴) علمائے کرام کی پالکیاں نماز جمعہ اور عیدین کے لیے نکلتی تھیں۔ بعض مورخین نے چودہ سو (۱۴۰۰) پالکیوں کی تعداد رقم کی ہے' جن میں شیخ وجیہ الدین' قاضی نصیر الدین گنبدی' قاضی شہاب الدین دولت آبادی' قاضی نظام الدین کیکانی (یا گیلانی) شیخ شمس الحق' عیسیٰ بن تاج' شیخ حسن طاہر' شیخ اشرف جہاں گیر' سید علاء الدین کے اسمائے گرامی لائق تذکرہ ہیں۔ اس زمانے میں جون پور کو شیراز ہند کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی اور ارباب کمال اور اصحابِ فن کی کثیر تعداد نے اس کو اپنا مسکن قرار دے لیا تھا۔ بادشاہ کا دربار علمی بحثوں اور فقہی مسائل پر تبادلہ خیالات کے لیے مشہور تھا۔ یہ اپنے آپ کو علماء کا خادم ظاہر کرتا اور ان سے بے حد عقیدت کے ساتھ پیش آتا تھا۔

قاضی شہاب الدین سے عقیدت:

قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے تو سلطان ابراہیم شرقی کو انتہائی عقیدت تھی اور وہ ہر اہم معاملے میں ان سے مشورہ کرتا تھا۔ متبرک دنوں میں ان کو اپنے دربار میں نقرئی کرسی پر بٹھاتا اور ان کی تکلیف سے اس کو بے حد تکلیف ہوتی تھی۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ایک مرتبہ وہ کسی مرض میں مبتلا ہوئے تو ان کی عیادت کے لیے گیا اور مزاج پرسی اور اظہارِ شفقت کے بعد ایک کٹورے میں پانی بھر کر ان کے سر کے گرد گھمایا۔ پانی خود پیا اور باندازِ دعا اللہ سے ملتجی ہوا کہ اے خداوند! جس بلا اور بیماری میں یہ گرفتار ہیں اس کو ان سے دور فرما اور وہ مجھے دے دے' انھیں کامل صحت اور مکمل شفا عطا فرما۔

حصولِ علم کا شوق:

ابراہیم شرقی کو حصولِ علم کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے عہد کے دو مشہور عالموں' صدرِ جہاں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجمل اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے حلقہ تلمذ میں باقاعدہ شرکت کی اور ان سے حدیث' فقہ اور منطق کی بعض کتابیں پڑھیں۔ مسائل فقہی میں تو اس درجہ دسترس حاصل کر لی تھی کہ اس کے دربار میں کوئی فقہی مسئلہ زیر بحث آ جاتا تو اس میں دلچسپی لیتا اور اس سے متعلق علما سے گفتگو کرتا۔ دینی معاملات میں علما کی طرف سے جو فتوے جاری ہوتے' ان کو نشر اور نافذ کرنے سے پہلے خود پڑھتا اور ان میں ترمیم و اضافے کے بارے میں رائے دیتا اور مسئلہ زیر بحث کے تمام پہلوؤں کو غور و فکر کے زاویوں میں لاتا۔

عدل و انصاف:

معدلت گستری اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا اس کے نزدیک سب سے مقدم فرض تھا' اس ضمن میں تمام شہروں کے قضات کو باقاعدہ ہدایات جاری کر دی گئی تھیں کہ عدل کے متعینہ حدود سے کسی صورت میں باہر قدم نہ رکھا جائے اور اس معاملے میں کسی کو کسی پر ترجیح نہ دی جائے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ اس کے پاس ایک ہندو فریاد لے کر حاضر ہوا کہ مسلمان اس کے گاؤں میں اس کی جگہ پر جبراً قبضہ کر کے مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے فوراً اس معاملے میں مداخلت کی اور مسلمانوں کو ہندو کی جگہ پر مسجد تعمیر کرنے سے منع کیا اور کہا کہ پہلے وہ جائز طریق سے جگہ حاصل کریں پھر اس پر مسجد بنائیں۔

راتوں کو گشت:

ابراہیم شرقی رعایا کا انتہائی خیر خواہ تھا۔ وہ ہر ممکن طریق سے لوگوں کی تکلیفوں سے آگاہ ہونے کی کوشش کرتا اور پھر انھیں رفع کرنے کی تدبیریں سوچتا۔ اس سلسلے میں وہ اپنے عمال اور کارندوں کی اطلاع کو کافی نہ سمجھتا بلکہ بھیس بدل کر خود شب کو نکلتا اور شہر کا گشت لگاتا اور رعایا کے حالات معلوم کرتا' نیز پتا چلاتا کہ کہاں کیا جرائم ہو رہے ہیں اور مجرم ملک کے کس حصے میں چھپے ہوئے ہیں۔ پھر ان جرائم کا سدِ باب کرتا۔ یہ اطلاعات چوں کہ اس کے ذاتی مشاہدے پر مبنی ہوتی تھیں' اس لیے ان کے غلط ہونے کا کوئی امکان نہ تھا۔ اس سے بعض لوگ یہ سمجھتے کہ بادشاہ نے جنّات قابو کر رکھے ہیں جو اسے ایسی صحیح خبریں پہنچاتے اور خفیہ باتیں بتاتے ہیں کہ جن سے اس کے جاسوس بھی مطلع نہیں ہو سکتے۔

رحم دلی:

وہ بہت رحم دل بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے اہل کاروں اور پہرے داروں کو تاکید کر رکھی تھی کہ کوئی شخص کسی وقت بھی فریادی کی حیثیت سے آئے' اسے فوراً اس کے پاس بھیجا جائے۔ اس ضمن میں غریب امیر اور بڑے چھوٹے کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہ کیا جائے۔ چنانچہ بادشاہ کا دروازہ فریادیوں اور ضرورت مندوں کے لیے ہر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آن کھلا رہتا اور ہر شخص بغیر کسی تکلیف اور رکاوٹ کے بادشاہ تک رسائی حاصل کر لیتا اور اپنی بات اس کے کانوں تک پہنچا دیتا تھا۔

ملک کے قاضیوں کو اس کا حکم تھا کہ مقدمات کے فیصلے کرنے میں زیادہ تاخیر سے کام نہ لیا جائے۔ جہاں تک ہو سکے شہادتیں لے کر اور ثبوت مہیا کر کے جلد فیصلے کیے جائیں۔ باہر سے آنے والے لوگوں کے مقدمات میں بالخصوص دلچسپی لی جائے اور انھیں بلا تاخیر نمٹایا جائے۔ علاوہ ازیں دوران مقدمہ ان کے قیام اور ضروریات کی طرف بھی دھیان دیا جائے اور معاملے کو طول دے کر انھیں پریشان نہ کیا جائے۔

دینی مدارس:

دینی تعلیم کے لیے ہر شہر میں مدرسے قائم تھے، جن میں لائق اساتذہ مقرر کیے گئے تھے۔ انھیں سرکاری خزانے سے تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ طلبا کے مصارف بھی حکومت ادا کرتی تھی۔ صرف دار السلطنت جون پور میں ڈیڑھ سو دینی مدارس قائم تھے۔ ملک کے باقی شہروں کے مدارس اس کے علاوہ تھے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس بادشاہ کو دینی تعلیم کے فروغ و اشاعت کا کس درجہ شوق تھا۔

انتظامِ مساجد:

مساجد کا انتظام نہایت شان دار تھا اور اس کے تمام اخراجات کی ذمہ دار حکومت تھی۔ ہر مسجد میں حکومت کی طرف سے ایک پہرے دار متعین ہوتا، جو مسجد کے سامان کی نگرانی کرتا۔ مسجد کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی وہ مہیا کرتا۔ مسافروں کی حفاظت کرتا، قیام و طعام کی ذمہ داری بھی اسی پہرے دار کے سپرد تھی۔

چہرہ نویسی:

ہر شاہی ملازم کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنی چہرہ نویسی کرائے۔ یعنی اس کا پورا حلیہ اور جسم کے داغ دھبے، آنکھوں اور جسم کا رنگ وغیرہ لکھ لیا جاتا تھا۔ اسی طرح ہر گھوڑے کے خاص نشان اور داغ وغیرہ کو بھی ضبطِ تحریر میں لایا جاتا تھا۔

شیخ اشرف جہاں گیر سے عقیدت:

سلطان ابراہیم شرقی کو شیخ اشرف جہاں گیر سمنانی سے بے حد عقیدت تھی۔ وہ جون پور تشریف لائے تو اس نے نہایت خوشی کا اظہار کیا۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی معیت میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ [illegible] حکومت کو بھی ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی تاکید کی۔ اپنے بیٹوں کو ساتھ لے کر ان کی زیارت کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا اور دعا کی درخواست کی۔ نیز ان سے عرض کیا کہ وہ مستقل طور پر جون پور میں اقامت اختیار فرمائیں۔ شیخ اشرف جہاں گیر بھی اس سے مل کر بہت خوش ہوئے اور اس کے لیے خاص طور سے دعا کی۔

وفات:

غرض ابراہیم شرقی نویں صدی ہجری کے دیارِ ہند کا نیک اطوار، علم پرور، مدبر اور علما و فقہا کا قدر دان بادشاہ تھا۔ اس نے جون پور کو ہم رنگ دہلی بنا دیا۔ دہلی کی تہذیبی و ثقافتی رونقیں اور علمی و تصنیفی محفلیں جون پور میں منتقل ہو گئی تھیں۔ یہاں کے علما، مرجع خلائق، فقہا مرکز تحقیق، مدرسین ماوی طلبا اور مشائخ منبع فیوض تھے۔ اس کے زمانے میں جون پور میں مختلف علوم و فنون سے متعلق متعدد کتابیں تصنیف کی گئیں۔ بعض علمائے کرام نے اس کے نام سے بھی کتابیں منسوب کیں، جن میں مسائل فقہ سے متعلق ایک مشہور کتاب فتاویٰ ابراہیم شاہیہ خصوصیت سے لائق تذکرہ ہے۔ یہ کتاب شیخ نظام الدین کیکانی (یا گیلانی) کی تصنیف ہے اور دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک حصہ عربی میں ہے اور ایک فارسی میں۔

ابراہیم شرقی نے ۸۴۰ھ (۱۴۳۷ء) اور ایک روایت کے مطابق ۸۴۴ (۱۴۴۰ء) میں وفات پائی[1]۔

سلطان محمود شاہ شرقی:

سلطان ابراہیم شرقی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمود شاہ شرقی جون پور کی مسندِ جہاں داری پر متمکن ہوا۔ یہ اپنے باپ کا صحیح جانشین تھا اور مختلف معرکوں میں اس کے ساتھ رہا تھا۔ باپ کی طرح عقل و فہم سے آراستہ اور نیکی و تدین سے پیراستہ تھا۔ علما و مشائخ کی جماعت اس کے دربار میں بھی موجود تھی اور وہ ان سے مشورے لیتا اور استفادہ کرتا تھا۔ اس نے بادشاہِ دہلی بہلول لودھی کا مقابلہ بھی کیا اور وقت کے بعض دیگر حکمرانوں کے خلاف بھی صف آرا ہوا۔ شرقی سلطنت میں اس کے عہد میں کسی قسم کی کمزوری کے آثار پیدا نہیں ہوئے اور وہ بہادری و استقلال سے حالات کا مقابلہ کرتا رہا۔ احکامِ شریعت کا پابند تھا۔ بعض فرماں رواؤں کے خلاف صرف اس لیے میدانِ جنگ میں اترا کہ ان کے علاقوں میں اسلامی رسوم و عوائد، شرعی احکام اور دینی فرائض پر عمل نہیں کیا جاتا تھا اور مسلمانوں کو وہ قدر و منزلت حاصل نہ تھی جس کے وہ مستحق ہیں۔ اس کے دورِ حکومت میں بہت سی کتابیں معرضِ تصنیف میں آئیں، مدارس جاری ہوئے، اسلامی علوم کے فروغ کی نئی نئی راہیں کھلیں اور علما نے مختلف عنوانات پر دادِ تحقیق دی۔ اس کے عہد کے بعض فقہائے کرام کا تذکرہ اس کتاب کے آئندہ صفحات میں موجود ہے۔

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ، ج ۲، بضمن ذکر بادشاہان شرقی، سلاطینِ جون پور۔ تجلی نور۔ تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳۔ تاریخ شیرازِ ہند جون پور۔ برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان محمود شاہ بن سلطان ابراہیم شاہ شرقی نے بیس سال چند روز حکومت کرنے کے بعد ۸۶۲ھ (۱۴۵۸ء) میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

سلطان محمد شاہ شرقی:

سلطان محمود شاہ شرقی کے بعد اس کے بیٹے سلطان محمد شاہ شرقی نے جون پور کی زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ یہ شہزادہ بھیکن خاں کے عرف سے معروف تھا۔ یہ اس وقت حکمران ہوا جب یہ خاندان سلطان بہلول سے برسرِ پیکار تھا۔ یہ شجاع' تیرانداز اور شمشیر زن بادشاہ تھا۔ دورانِ جنگ میں یہ تیر سے زخمی ہوا اور وفات پا گیا۔ اس کی مدتِ حکومت صرف پانچ ماہ ہے۔ اس کے زمانے میں جون پور میں بہت سے علما و فقہا موجود تھے۔

سلطان حسین شاہ شرقی:

محمد شاہ شرقی کی موت کے بعد اس کا بھائی حسین شاہ شرقی وارثِ تخت بنا۔ یہ بھی نہایت عقل مند' صاحبِ تدبیر اور جنگ جو بادشاہ تھا۔ علم و فضل کی نعمت سے بھی بہرہ ور تھا۔ مختلف علوم پر گہری نظر رکھتا تھا۔ مشہور عالم قاضی سماء الدین جون پوری کا شاگرد تھا۔ موسیقی کا بھی ماہر تھا۔ اس موضوع سے متعلق اس نے ایک کتاب بھی تصنیف کی جس کا نام تحفۃ الہند ہے۔

اس نے بادشاہ دہلی بہلول لودھی اور اس کے بیٹے سکندر لودھی سے جنگیں لڑیں اور بار بار دہلی پر حملہ آور ہوا۔ ابتدا میں لودھی سلاطین اس سے بہت خوف زدہ تھے اور اس کی فوجی طاقت سے مرعوب تھے۔ انھوں نے کئی بار اس کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا اور امن و آشتی کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی' مگر یہ برابر ان کو پریشان کرتا اور ان پر حملہ آور ہوتا رہا۔ بالآخر ۸۸۱ھ (۱۴۷۶ء) میں سکندر لودھی سے شکست کھا گیا۔ سکندر لودھی نے جون پور اور اس نواح کے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا اور شرقی سادات کی یہ حکومت ختم ہو گئی۔ حسین شاہ اس خاندان کا آخری حکمران تھا' اس کی مدتِ حکومت اٹھارہ برس ہے۔ شکست کے بعد یہ بنگال چلا گیا تھا۔ آخری دم تک بنگال میں مقیم رہا اور وہیں موت سے ہم کنار ہوا۔ اس کی آخری وصیت یہ تھی کہ اس کی میت کو جون پور پہنچایا جائے اور اسے وہیں دفن کیا جائے' چنانچہ اس وصیت پر عمل کیا گیا اور اسے سلطان ابراہیم شاہ اور محمود شاہ کی قبر کے قریب دفن کیا گیا[1]۔

سلطان بہلول لودھی

نویں صدی ہجری کے ہندوستان کی اسلامی تاریخ اب ایک اور ورق الٹتی ہے اور اس کی کلاہِ سروری

---

[1] شرقی سلاطین کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ ج ۲ بعنوان ذکر بادشاہانِ شرقی۔ تجلی نور۔ سلاطین جون پور۔ تاریخ شیراز ہند جون پور۔ نزہۃ الخواطر ج ۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لودھی خاندان کے حصے میں آتی ہے۔ اس خاندان کا پہلا فرماں روا بہلول لودھی تھا۔ اس کے متعلق کچھ بیان کرنے سے پہلے ان واقعات کی نشان دہی کرنا ضروری ہے' جو اسے برصغیر کے مرتبہ سلطانی پر متمکن کرنے کا باعث ہوئے۔

لودھی افغانوں کی ایک جماعت تجارتی سلسلے میں ہندوستان میں آمدورفت رکھتی تھی۔ اس جماعت کا ایک رکن ملک بہرام تھا جو بہلول لودھی کا دادا تھا۔ وہ کسی معاملے میں اپنے بڑے بھائی سے ناراض ہو کر ملتان آ گیا تھا۔ ملتان کا حاکم اس زمانے میں مردان دولت تھا۔ ملک بہرام نے اس کی ملازمت اختیار کر لی۔ بہرام کے پانچ بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام کالا اور ایک کا سلطان شاہ تھا۔ باپ کی وفات کے بعد پانچوں بھائی ملتان میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ پھر خضر خاں ملتان کا حاکم مقرر ہوا تو سلطان شاہ اس کے ملازموں کی سلک میں منسلک ہو گیا اور خضر خاں نے اسے افغانوں کا سردار بنا دیا۔ خضر خاں کی اپنے حریفوں سے جنگ ہوئی تو سلطان شاہ نے اس کی مدد کی اور اس کے ایک زبردست حریف اقبال خاں کو قتل کر دیا۔ اس بہادری اور جواں مردی کے صلے میں خضر خاں نے اسے لائق اعتنا گردانا اور اسلام خاں کا خطاب دے کر اسے علاقہ سرہند کا حاکم مقرر کر دیا۔ اس وقت اس کا بھائی کالا بھی اس کے ساتھ تھا' جس کو بہت سے قصبات و دیہات کا والی بنا دیا گیا۔ کالا کی شادی اپنے چچا کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ اس خاتون کے وضع حمل کے دن قریب آئے تو اس پر ایک مکان گرا' وہ اس کے ملبے تلے دب گئی اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ اس کا پیٹ چاک کر کے بچے کو نکالا گیا تو وہ زندہ تھا۔ اس بچے کا نام بہلول رکھا گیا' جو آگے چل کر ہندوستان کا بادشاہ بنا اور سلطان بہلول لودھی کے نام سے مشہور ہوا۔

ابتدائی حالات:

بہلول ابھی کم سن تھا کہ اس کا باپ (کالا) نیازی افغانوں کی ایک جنگ میں شامل ہوا اور مارا گیا۔ ان دنوں بہلول کو بلّو کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ باپ کی موت کے بعد اس نے اپنے چچا سلطان شاہ (یعنی اسلام خاں) کے ہاں سرہند میں پرورش پائی۔ جوان ہوا تو اس کو اسلام خاں کے ساتھ ایک جنگ میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ اسلام خاں نے اس میں شجاعت و بسالت کے جوہر دیکھے تو اپنی بیٹی اس کے عقد میں دے دی۔ دنیوی اعتبار سے اسلام خاں کا مرتبہ بہت بلند تھا اور اس کے اپنے بیٹے بھی تھے' مگر اس نے بہلول ہی کو اپنا قائم مقام بنایا اور وفات کے بعد اسے اپنا وارث تسلیم کرنے کی وصیت کی۔ اس دارِفانی سے اسلام خاں کا انتقال ہوا تو جو افغان اس کے ماتحت تھے وہ تین حصوں میں بٹ گئے' مگر اسلام خاں کی وصیت کے مطابق اکثریت نے بہلول کو اپنا سردار بنایا۔

بہلول سے سلطان شاہ کی محبت اور قلبی تعلق کا یہ عالم تھا کہ ایک دن وہ نماز پڑھ رہا تھا اور بہلول گیند سے کھیل رہا تھا۔ اچانک اس کی گیند سلطان شاہ کے مصلے پر جا پڑی۔ گھر والوں نے اس حرکت پر اس کو تنبیہ کی مگر سلطان نے ان کو روک دیا اور کہا' اس کو کچھ نہ کہو' مجھے اس کی پیشانی پر حشمت و عظمت کے آثار نظر آتے ہیں ❶۔

❶ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات' ص ۴۴۱ بحوالہ تاریخ شاہی احمد یادگار ص ۲'۳۔ واقعات مشتاقی (قلمی) ص ۳۔ تاریخ داؤدی' ص ۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک بزرگ کی خدمت میں:

ایک مرتبہ بہلول اپنے دو دوستوں کے ساتھ سانہ گیا۔ وہاں ایک مجذوب درویش کی خدمت میں حاضر ہوا اور دوزانو ہو کر ادب کے ساتھ اس کے سامنے بیٹھا۔ مجذوب نے کہا تم میں کون ایسا شخص ہے، جو دو ہزار تنکے میں دہلی کی بادشاہت خریدنے پر تیار ہو؟ بہلول کے پاس سولہ سو تنکے تھے، اس نے تنکے جیب سے نکالے اور مجذوب کی خدمت میں پیش کر دیے اور عرض کیا، میرے پاس کل رقم یہی ہے۔ مجذوب نے وہ رقم قبول کرتے ہوئے کہا:

بادشاہیٔ دہلی مبارک شد۔

(دہلی کی بادشاہت مبارک ہو۔)

بہلول کے ساتھیوں نے اس حرکت پر اس کا مذاق اڑایا، تو اس نے جواب دیا۔ سولہ سو تنکے سے میری زندگی بسر نہیں ہو سکتی تھی۔ اب یہ چیز دونوں حالتوں سے خالی نہیں۔ اگر سلطنت حاصل ہو گئی تو یہ سودا کیا برا ہے اور اگر نہ ہوئی تو مجھے اس مجذوب فقیر کی خدمت کا اللہ سے اجر ملے گا[1]۔

اتفاق ملاحظہ ہو کہ بہلول بن کالا لودھی مختلف مناصب پر فائز رہا۔ اسے سرہند کا والی بنایا گیا، خان خاناں کا خطاب دیا گیا، افغانوں کا سردار مقرر کیا گیا اور لاہور، دیپال پور اور سنام وغیرہ کے علاقوں کی تولیت اس کے سپرد کی گئی۔ پنجاب اور سندھ کی ولایت پر مامور کیا گیا اور ان منازل کے طے ہونے کے بعد ۸۵۵ھ (۱۴۵۱ء) میں ہندوستان کی بادشاہت کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا گیا۔

پابندیٔ مذہب:

بہلول لودھی نیک دل، عالم و فاضل اور مذہب کا پابند تھا۔ نماز باقاعدگی سے پڑھتا اور باجماعت پڑھتا تھا۔ مشتاقی لکھتا ہے:

پنج نماز باجماعت ادا می کرد، و در وقت جنگ رسم بود، چوں بر فوجِ مخالف نظر می افتاد، زود از اسپ فرود می آمد و استخارہ و خیریت اسلام و مسلمانی و اقرارِ عجزی کرد[2]۔

(پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتا۔ اس کی عادت تھی کہ جنگ کے وقت دشمن کی فوج پر نظر پڑتی تو فوراً گھوڑے سے اتر آتا اور استخارہ کرتا، اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا اور عجز و بے بسی کا اظہار و اقرار کرتا۔)

جب سلطان حسین شرقی نے بہت بڑی فوج کے ساتھ دہلی پر چڑھائی کی تو بہلول تمام رات ننگے سر

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۱، ص ۲۶۸

[2] سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص ۴۴۰، بحوالہ واقعات مشتاقی (قلمی) ص ۱۰

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھڑے ہو کر اللہ سے دعائیں مانگتا رہا۔ منقول ہے کہ صبح کے وقت ایک مردِ غیب نمودار ہوا اور ایک لکڑی اس کے ہاتھ میں دے کر کامیابی کی بشارت دی ❶۔

ایک بدعت کا خاتمہ:

دہلی میں ایک رسم تھی کہ کوئی شخص مر جاتا تو سوم کے دن شربت' پان' مصری وغیرہ تقسیم کی جاتی تھی۔ بہلول نے اس رسم کو بند کر دیا اور اس بدعت کا جو عرصے سے جاری تھی' خاتمہ کر دیا۔ کیوں کہ اس میں بے جا طور پر روپیہ صرف ہوتا تھا اور یہ چیز شریعت اسلامی کے خلاف تھی۔

حلم اور بردباری:

وہ حلیم الطبع' بردبار اور متحمل مزاج تھا۔ ہر شخص کو احترام کی نظر سے دیکھتا اور عزت سے پیش آتا تھا۔ اس کے حالات میں مرقوم ہے:

با امرا و سپاہی معیشت برادرانہ داشت۔

کہ امرائے حکومت اور سپاہیوں کے ساتھ برادرانہ تعلقات رکھتا تھا۔

بہلول نہایت سادہ فطرت بادشاہ تھا۔ اس کا معمول تھا کہ عیادت اور تعزیت کے لیے لوگوں کے گھروں میں جاتا' دسترخوان پر انتہائی بے تکلفی سے چھوٹے بڑے کو بٹھا لیتا۔ اس کا دروازہ ہر شخص کے لیے کھلا تھا' کوئی پہرے دار اور حاجب نہ تھا۔ دربار میں آتا تو نیچے دری پر بیٹھتا اور کسی کو اپنے سامنے کھڑا نہ ہونے دیتا۔ سب کی بات اپنے برابر بٹھا کر سنتا۔ تاریخ داؤدی کے الفاظ ہیں:

حلم و کرم جبلّی در سرشت داشت' بظاہر آراستہ بشریعت بہ متابعت آں کمال تقید داشت' در کل احوال سلوک بر مسالک شریعت نمودے وخلاف شریعت ہرگز بکار دست نزدے ❷۔

یعنی حلم و کرم اس کی سرشت میں داخل تھا۔ ظاہر میں پابندیٔ شریعت سے آراستہ تھا اور اس کے اتباع کی پوری کوشش کرتا تھا۔ ہر حال میں راہِ شریعت پر گامزن رہتا اور خلاف شریعت کسی کام پر ہاتھ نہ ڈالتا۔

علما سے عقیدت مندانہ تعلقات:

سلطان بہلول لودھی علما کی بدرجہ غایت تکریم کرتا۔ ان سے عقیدت مندانہ تعلقات رکھتا اور زیادہ تر وقت ان کی صحبت و مجلس میں گزارتا تھا۔ فرشتہ کا بیان ہے:

❶ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۴۴۰ بحوالہ واقعات مشتاقی (قلمی) ص ۱۰۔

❷ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۴۴۰ بحوالہ تاریخ داؤدی ص ۱۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درحضر وسفر باعلما ومشائخ صحبت داشتے واکثر اوقات باایشاں بسر بردے ❶۔

(سفر وحضر میں علما ومشائخ کی صحبت اختیار کرتا اور اکثر اوقات ان کے ساتھ رہتا تھا۔)

یہ سلطان‘ علما کی کس درجہ عزت وتکریم کرتا تھا؟ اس سلسلے میں ”سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات“ کے مصنف جناب خلیق احمد صاحب نظامی نے واقعاتِ مشتاقی اور تاریخ داؤدی کے حوالے سے تین دلچسپ واقعات بیان کیے ہیں‘ جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

① تخت دہلی پر متمکن ہونے کے بعد جب وہ پہلے دن جامع مسجد میں گیا تو میاں قاون نے خطبے کے بعد افغانوں کا اس طرح مذاق اڑانا شروع کردیا:

سبحان اللہ! عجب قومے پیدا شدند‘ نمی دانم پیشرو دجال درایشاں باشد‘ زبانِ ایشان اینست کہ مادر را مور‘ می گویند‘ وبرادر را رورمی گویند‘ ودیہ را شور‘ می گویند‘ وسپاہ را‘ تور‘ می گویند۔

(سبحان اللہ! یہ عجیب قوم پیدا ہوگئی ہے۔ معلوم نہیں‘ دجال کا پیشرو شاید اسی قوم میں سے ہو۔ ان کی زبان یہ ہے کہ ماں کو مور‘ بھائی کو رور‘ گاؤں کو شور اور فوج کو تور کہتے ہیں۔)

بہلول نے یہ سن کر منہ پر رومال رکھ لیا اور تبسم کرتے ہوئے کہا:

ملا قاون‘ بس کن کہ ماہمہ بندگان خدا ایم۔

(ملا قاون‘ بس کرو‘ ہم سبھی خدا کے بندے ہیں۔)

② ایک مرتبہ سلطان کی ملاقات ایک ایسے عالم دین سے ہوئی جو پستہ قد تھا اور سر پر سرخ بال تھے۔ سلطان نے مذاق میں اس سے کوئی ایسی بات کہہ دی جو اسے ناگوار گزری۔ سلطان کو جب اس کا احساس ہوا تو اس سے اظہارِ معذرت کیا۔

③ ایک دن ایک شخص سلطان کے خلوت کدہ میں گھس گیا اور عین اس وقت جب کہ وہ غسل کے لیے جارہا تھا‘ اسے روک لیا اور مجبور کیا کہ پہلے اس کا مطالبہ پورا کیا جائے‘ بعد کو غسل خانے میں قدم رکھا جائے۔ سلطان نے اس کی اس حرکت پر کسی قسم کی ناراضی کا اظہار نہیں کیا اور اس کا مطالبہ پورا کردیا۔

مشائخ سے محبت اور ان کی مدد:

اولیا ومشائخ سے سلطان بہلول بڑی محبت رکھتا تھا اور ان کی امداد کرنا اپنے لیے ضروری سمجھتا تھا۔ اس کا ثبوت اس کی زندگی کے بہت سے واقعات سے ملتا ہے‘ لیکن ہم یہاں صرف ایک واقعہ بیان کریں گے۔

حملۂ تیمور کے بعد پنجاب کا علاقہ بدنظمی اور سیاسی ابتری کا شکار رہا تو سلسلۂ سہروردیہ کے مشائخ بے پناہ سیاسی طاقت کے مالک بن گئے اور ان کی خانقاہیں اس معاملے میں دلچسپی رکھنے والوں کا مرکز قرار پاگئیں۔ مشائخ

❶ تاریخ فرشتہ ج ۱‘ ص ۱۷۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سہروردیہ پہلے سے حکومتوں کے معاملات میں بہت دخیل تھے' مگر اب تو معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تھا کہ لوگوں نے شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی خانقاہ کے سجادہ نشین شیخ یوسف قریشی کو ملتان کے تخت پر بٹھا دیا۔ اس کا ذکر شیخ نظام الدین بخشی نے طبقاتِ اکبری میں ان الفاظ میں کیا ہے:

وچوں بزرگی طبقہ علیہ شیخ الطریقہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس اللہ تعالیٰ در قلوب سکنۂ ملتان و جمہور زمینداران آن صوبہ بنوعی قرار گرفتہ کہ مزید بران متصور نہ باشد' جمیع اہالی و اشراف و عموم سکنہ جمہور متوطنان آں حدود شیخ یوسف قریشی را کہ تولیت خانقاہ و حراست و مجاورت روضہ رضیہ شیخ بہاء الدین زکریا باو متعلق بود بسلطنت و بادشاہی برداشتہ' بر منابر ملتان واوچہ و بعضے قصبات خطبہ بنام او خوانند ❶۔

یعنی شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے طبقہ عالی کی عزت و بزرگی ساکنانِ ملتان اور اس صوبے کے تمام زمینداروں کے دلوں میں اس درجہ مضبوط اور مستحکم ہوگئی تھی کہ اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس علاقے کے تمام باشندوں' اونچے خاندانوں' معزز لوگوں اور جمہور عوام نے جو وہاں متوطن تھے' شیخ یوسف قریشی کو ملتان کی سلطنت و بادشاہی کے تخت پر بٹھا دیا۔ ملتان' اوچ اور بعض قصبات کے شہروں پر ان کے نام کا خطبہ بھی پڑھا جانے لگا اور یہ شیخ یوسف وہ تھے جن سے متعلق شیخ بہاء الدین زکریا کی خانقاہ کی تولیت و حفاظت اور اس کی مجاورت تھی۔

لیکن یہ حکومت زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی اور ملتان کی لنگاہ برادری نے اس کی طاقت کا خاتمہ کر دیا اور حکومت پر خود قابض ہو گئے۔ اب شیخ یوسف نہایت پریشانی کی حالت میں اپنے چند ساتھیوں کی معیت میں دہلی پہنچے اور سلطان بہلول سے ملے' اس نے ان لوگوں کو پناہ دی اور ان کی بے حد خدمت کی' یہاں تک کہ اپنی لڑکی شیخ یوسف کے بیٹے شیخ عبداللہ کے نکاح میں دے دی ❷۔

یہی وجہ ہے کہ مشائخ کے حلقے میں سلطان بہلول کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور سلسلۂ سہروردیہ کے تذکروں میں اس کا ذکر احترام کے ساتھ کیا گیا ہے۔

شیخ سماء الدین سہروردی سے عقیدت:

شیخ سماء الدین سہروردی اس دور کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ ملتان میں لنگاہ خاندان کی حکومت قائم ہونے کے بعد یہ رنتھنبور اور بیانہ وغیرہ سے ہوتے ہوئے دہلی پہنچے اور پھر وہیں مقیم ہو گئے۔ وہ عام طور پر ملوک و سلاطین سے ملنے اور ان کی مجلسوں میں جانے سے گریز کرتے تھے' لیکن سلطان بہلول کے ساتھ ان کا یہ معاملہ نہ تھا۔ وہ سلطان کے پاس جاتے' سلطان بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا' کیوں کہ مشائخ سہروردیہ پر اس کے بہت سے احسانات تھے۔

---

❶ طبقات اکبری ج ۳' ص ۵۲۲

❷ ایضاً ص ۵۲۳ تا ۵۲۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دن بہلول نے بڑی عقیدت مندی سے عرض کیا کہ میں آپ کی مہربانیوں کا محتاج ہوں' کچھ نصیحت کیجیے۔ فرمایا:

تین قسم کے لوگ اللہ کے انعام واکرام سے محروم رہیں گے۔

ایک وہ بوڑھا جو گناہوں سے باز نہ آئے۔

دوسرے وہ جوان جو اس امید پر دلیری کے ساتھ سرگرمِ معصیت رہیں کہ ایام پیری میں اپنی اصلاح کر لیں گے۔

تیسرے وہ سلطان' جس کو تمام دینی اور دنیوی ضروریات ومرادات حاصل ہیں مگر اس کے باوجود اپنی سلطنت کے چراغ کو جھوٹ کی آندھی سے بجھاتا ہے۔

شیخ نے سلطان کو اور بھی بہت سی نصیحتیں کیں۔ شدت تاثر سے سلطان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور عرض گزار ہوا۔

حضرت مخدوم باوجود چندیں تقصیرات محبت درویشاں درخود زماں زماں مزیدی یابم۔ امید کہ حق تعالیٰ ببرکت محبت ایں قوم مرا نجات ارزانی فرماید ❶۔

حضرت مخدوم' باوجود اتنے گناہوں کے اپنے دل میں لحہ بہ لحہ درویشوں کی محبت زیادہ پاتا ہوں۔ امید ہے حق تعالیٰ اس جماعت کی برکت کی وجہ سے مجھے نجات عطا فرمائے گا۔

سلطان کے اس اظہار عقیدت سے متاثر ہو کر شیخ نے ایک مصلاے خاص عنایت فرمایا' جسے احترام کے ساتھ سر پر رکھ کر وہ خانقاہ سے واپس ہوا ❷۔

سلطان بہلول لودھی نویں صدی ہجری کے ہندوستان کا ایک نہایت متواضع' متبع سنت' احکام رسول اللہ ﷺ کا پابند' نیک اور عادل بادشاہ تھا۔ اس نے اڑتیس (۳۸) سال حکومت کرنے کے بعد ۸۹۴ھ (۱۴۸۹ء) میں وفات پائی ❸۔

یہاں یہ واقعہ قابل ذکر ہے شیخ سماء الدین سہروردی بہلول کی قبر پر گئے اور کچھ دیر وہاں سے سر جھکائے بیٹھے رہے۔ پھر فرمایا:

سبحان اللہ! ایں مرد اگرچہ دریں جہاں درکامرانی وسلطانی گزرانید' از برکت فرط مجتے واعتقادے کہ بادوستانِ خدا داشت' درآں جہان نیز مرتبہ عالی یافت ❹۔

❶ سیر العارفین ص ۱۷۸' ۱۷۹

❷ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات' ص ۴۴۵

❸ تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۲۷۶

❹ سیر العارفین' ص ۱۷۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(سبحان اللہ! اس شخص نے اگرچہ اس دنیا میں اپنی زندگی کامرانی اور سلطانی میں بسر کی، لیکن اس محبت اور اعتقاد کی وجہ سے جو وہ دوستانِ خدا سے رکھتا تھا، اس نے اس جہان میں بھی اعلیٰ مرتبہ پایا۔)

بہلول لودھی کے بعد اس کا بیٹا سکندر لودھی تخت نشین ہند ہوا۔ وہ بھی نیک، متبع سنت اور علما سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر اس کا زمانہ دسویں صدی ہجری کا ہے اس لیے اس کا ذکر اس کتاب کی تیسری جلد کے مقدمے میں کیا گیا ہے، جو دسویں صدی ہجری کے علما و فقہا کے حالات پر مشتمل ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلاطین گجرات

آٹھویں صدی ہجری کے اواخر میں حکومت ہند کی مرکزی حیثیت مضمحل ہوگئی تھی۔ دارالسلطنت دہلی کا استحکام متزلزل ہوگیا تھا اور اس میں ضعف و کمزوری کے آثار نمایاں ہوگئے تھے' جس کے نتیجے میں برصغیر میں کئی علاقائی حکومتیں قائم ہوگئی تھیں' جن میں شمالی ہند کی سلطنت جون پور' دکن کی بہمنی حکومت' علاقہ مالوہ کی حکومت اور گجرات کی حکومت کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ یہ حکومتیں مرکزی حکومت سے زیادہ مضبوط اور مستحکم تھیں۔ ان کے بعض سلاطین کا عہد تو بڑا ہی قابل رشک تھا۔ ان کے زمانے میں اسلامی علوم و فنون کی بے حد نشر و اشاعت ہوئی اور علما و فقہا نے بے حساب علمی خدمات سرانجام دیں۔ ان کے کارنامے تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ ثبت رہیں گے۔

سلطنت گجرات:

بادشاہ دہلی سلطان فیروز شاہ نے ایک شخص فرحت الملک کو' جسے نظام شاہ مفرح کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا تھا' گجرات (کاٹھیاواڑ) کا سپہ سالار اور والی بنا کر بھیجا۔ فیروز شاہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹے سلطان محمد شاہ نے بھی گجرات کی ولایت اسی کے سپرد کیے رکھی' لیکن اس شخص نے وہاں جو طریق حکومت اختیار کیا' وہ مذہبی اعتبار سے وہاں کے مسلمانوں کے لیے نہایت نقصان رساں اور ذہنی کوفت کا باعث تھا۔ وہ اس طرح کہ اس نے اس نہج سے ہندوؤں سے تعلقات استوار کیے کہ جس کی وجہ سے اسلامی احکام پر عمل درآمد کا سلسلہ قطعی طور سے رک گیا اور پورے علاقے میں شعارِ کفر اور بت پرستی کی وسیع پیمانے پر ترویج ہونے لگی۔ اس سے گجرات کے علما و فضلا انتہائی مشوش ہوئے۔ انھوں نے ۷۹۳ھ (۱۳۹۱ء) میں سلطان محمد شاہ کو ایک مکتوب ارسال کیا جو اس مضمون پر مشتمل تھا کہ والیٔ گجرات فرحت الملک اعمالِ ناشائستہ کا مرتکب ہو رہا ہے۔ وہ رواجِ اصنام اور رونق اوثان میں اس قدر جری ہوگیا ہے کہ بلدۂ سومنات قبلہ ضلال قرار پا گیا ہے۔ اس نواح میں شعارِ اسلام کی اہانت کا دور دورہ ہے۔ منبر و محراب کو عزت و حرمت سے کچھ حصہ اور مسجد کو صوم و صلوٰۃ سے کوئی نصیبہ باقی نہیں رہا۔ لہٰذا فوری طور پر اس تشویش ناک صورت حال کو زیرِ غور لایا جائے اور ایسا اقدام کیا جائے جو موجب تقویت دین اور باعث ترویج اسلام ہو[1]۔

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۲۶۵ (بعنوان سلاطین گجرات)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علمائے گجرات کا یہ خط سلطان کے ملاحظہ میں آیا تو وہ نہایت غم گین ہوا اور ربیع الثانی ۷۹۳ھ (مارچ ۱۳۹۱ء) میں فرحت الملک کو الگ کر کے اس کی جگہ ظفر خاں کو گجرات کا والی مقرر کیا۔ ظفر خان حسن سلوک' پرہیز گاری' شرع محمدی کی پابندی اور دیانت و امانت میں بہت مشہور تھا۔ سلطان نے علمائے گجرات کی عرض داشت دیکھتے ہی اس کا ہاتھ پکڑا اور صوبہ گجرات کی حکومت اس کے سپرد کی۔ ظفر خان علم وعلما کا قدر دان تھا۔ اس نے وہاں پہنچتے ہی علما سے رابطہ پیدا کیا۔ ان سے مراسم بڑھائے اور انھیں یقین دلایا کہ اس ملک میں احکام اسلام کا نفاذ ہوگا اور رسوم کفر کو ختم کر دیا جائے گا' چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ سومنات گیا۔ وہاں جامع مسجد تعمیر کی' اس میں مؤذن' امام وخطیب اور خدام مقرر کیے اور امور شرعیہ کی تنفیذ کے لیے کوشاں ہوا۔ اس کے طرز حکومت اور خدمت اسلام سے علاقہ گجرات کے اہل اسلام بھی خوش تھے اور غیر مسلم بھی اس کے عدل' انصاف سے متاثر تھے۔ وہ رعایا کا محافظ' کریم النفس' حلیم الطبع' جرات مند' مجاہد فی سبیل اللہ' عادل اور فاضل حکمران تھا۔ وہ ۷۹۳ھ (۱۳۹۱ء) میں سلطانِ دہلی محمد شاہ کی طرف سے والی گجرات کی حیثیت سے یہاں آیا تھا لیکن جب دہلی کی مرکزیت ختم ہوگئی تو ۸۱۰ھ (۱۴۰۷ء) میں مظفر شاہ کے لقب سے ملقب ہو کر علاقہ گجرات کا مستقل حکمران بن گیا اور سلطان مظفر شاہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نے ۸ ربیع الثانی ۸۱۴ھ (۳ جولائی ۱۴۱۱ء) کو وفات پائی۔ اس وقت اس کی عمر اکہتر برس سے زیادہ تھی۔

سلطانِ احمد شاہ گجراتی:

مظفر شاہ کے بعد ۸۱۴ھ (۱۴۱۱ء) میں اس کی وصیت کے مطابق گجرات کے اورنگ سلطنت پر اس کا پوتا احمد شاہ متمکن ہوا۔ یہ ۷۹۳ھ (۱۳۹۱ء) میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے والد کا نام تاتار خاں تھا۔ مظفر شاہ کو اس کی ولادت کی اطلاع ان دنوں دورانِ سفر میں ملی تھی جب کہ وہ دہلی سے روانہ ہو کر والی ومختار کی حیثیت سے گجرات جا رہا تھا اور اس نے اس خوش خبری کو اپنے لیے نیک فال قرار دیا تھا۔

احمد شاہ عادل ومنصف' رعیت پرور' عوام کا بہی خواہ' مظلوموں کا حامی' فریادیوں کا دادرس' شجاع وغازی' حوصلہ مند' علما کا قدر دان' ترقی علم کا خواہاں اور نیک اطوار حکمران تھا۔ اس کا دل مذہبی جوش سے لبریز تھا اور وہ خلاف شرع امور سے سخت تنفر کا اظہار کرتا تھا۔ اس نے بڑی فتوحات حاصل کیں' کئی شہروں اور قلعوں کو مسخر کیا اور اپنی قلمرو کو امن وامان اور عدل وانصاف سے بھر دیا۔

اس کی تعمیرات کا سلسلہ بھی وسیع تھا۔ ۸۱۵ھ (۱۴۱۲ء) میں علاقہ گجرات میں دریا کے کنارے اس نے ایک نیا شہر تعمیر کیا' جس کا نام احمد آباد رکھا اور اس کو اس نے اپنا دارالسلطنت بنایا۔

احمد آباد کی تعمیر کا آغاز چار آدمیوں سے ہوا' اور چاروں کے نام احمد تھے۔ ایک شیخ احمد کھٹو' دوسرے سلطان احمد' تیسرے شیخ احمد اور چوتھے قاضی ملا احمد۔ جب اس کی زمین کی پیمائش کی گئی تو اس کا ایک سرا سلطان احمد

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ہاتھ میں اور دوسرا شیخ احمد کھٹو کے ہاتھ میں تھا۔ شیخ احمد کھٹو ارضِ ہند کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ شیخ احمد اور قاضی ملا احمد بھی وقت کے بزرگ اور صاحب کمال تھے۔ سلطان احمد بھی صلاحِ ظاہری و باطنی سے آراستہ تھا۔ احمد آباد اس دَور کے خطہ ہند کا وہ شہر تھا جس کا دنیا میں جواب نہ تھا اور ان ہی بزرگوں کی دعا اور اخلاص نیت سے یہ پر رونق شہر آباد ہوا[1]۔

یہ شہر اب بھی قائم ہے اور اس کا شمار ہندوستان کے مشہور اور بڑے شہروں میں ہوتا ہے۔ اس کی تعمیر کا تمام خرچ شاہی خزانے سے ادا کیا گیا اور لوگوں کو بلا کسی معاوضے کے مکان دیئے گئے۔ یہ ایک بڑا شہر تھا، جس میں شان دار مسجدیں بنائی گئیں اور مدرسے قائم کیے گئے۔ اس کے بعد دریائے سابرنی کے کنارے گجرات کی سرحد پر ایک اور شہر احمد نگر کے نام سے ۸۳۰ھ (۱۴۲۷ء) میں آباد کیا گیا۔

سلطان احمد شاہ گجراتی کے عدل و انصاف کے کئی واقعات کتب تاریخ میں مرقوم ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ اس کے داماد نے ایک شخص کو بلاوجہ قتل کر ڈالا۔ قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا تو اس نے مقتول کے وارثوں کو قاتل سے چالیس اونٹ بطور دیت دلا کر معاملہ ختم کرا دیا۔ لیکن جب بادشاہ کے سامنے آخری رائے کے لیے مقدمے کے کاغذات پیش ہوئے تو اس نے اس سے اختلاف کیا اور قاتل سے تمام تعلقات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا کہ اس سے مقتول کے ورثا تو مطمئن ہو سکتے ہیں لیکن میں مطمئن نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ جن لوگوں کو میری عنایات اور میرا قرب حاصل ہے، وہ اس فیصلے سے جری اور بے باک ہو جائیں گے اور خطرہ ہے کہ بے گناہوں کو بغیر کسی وجہ کے قتل کرنا شروع کر دیں۔ سلطان نے قاضی کا فیصلہ مسترد کر دیا اور حکم دیا کہ قاتل کو سر بازار پھانسی دی جائے اور ساتھ ہی ہدایت کی کہ اس کی نعش ایک دن اور ایک رات تختہ دار پر لٹکتی رہے تا کہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور دوسرے روز اس کی نعش کو وہاں سے اٹھا کر دفن کیا گیا۔

اسی طرح ایک دوسرا واقعہ بھی قابل ذکر ہے جس سے معلوم ہوگا کہ وہ جرائم کی تفتیش اور واقعہ کی تہہ تک پہنچنے میں کس قدر مستعد تھا۔

ایک روز وہ دریا کی سیر کو نکلا اور اس کی نظر ایک مٹکے پر پڑی جس کا منھ بند تھا اور اس کو دریا کی موجیں بہائے لے جا رہی تھیں۔ اس نے مٹکے کو دریا سے باہر نکلوایا، کھولا تو اندر ایک نعش تھی، جس کو کسی نے مٹکے میں بند کر کے دریا کی موجوں کے سپرد کر دیا تھا۔

سلطان نے احمد آباد کے کمہاروں کو اکٹھا کیا اور پوچھا کہ یہ مٹکا کس نے بنایا؟ کس نے بیچا اور کس کے پاس بیچا؟ ایک کمہار نے نشان دہی کی اور قاتل پکڑا گیا جو ایک سرکاری ملازم تھا۔ بادشاہ نے اس کو قتل کیا اور اس کی نعش سر بازار رکھی گئی کہ لوگوں کو عبرت ہو۔

یہ ایک مبلغ اسلام بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے ملک میں وسیع پیمانے پر اسلام کی تبلیغ کی، لوگوں کو اسلامی احکام

[1] ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے ص ۱۱۲ بحوالہ خلاصۃ التواریخ ذکر صوبہ گجرات و مرأت سکندری۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے آشنا کیا' مسجدیں تعمیر کیں' تبلیغ اسلام کے مراکز قائم کیے اور دینی تعلیم کے لیے مدارس کھولے۔

اس کو خون آشامی اور ذاتی انتقام لینے سے سخت نفرت تھی۔ اس نے کئی حکمرانوں کو جو اس کے خلاف صف آرا تھے' پکڑا اور رہا کر دیا۔ معاف کرنا اس کے عادت میں داخل تھا۔ چھوٹے پر رحم اور کمزور کی مدد اس کا شیوہ تھا۔

اس کے زمانے میں بہت سے علمائے کرام اور فقہائے عظام برصغیر کے مختلف حصوں سے آ کر گجرات میں مقیم ہو گئے تھے۔ ان کا ذکر اس کتاب کے آئندہ صفحات میں کیا گیا ہے۔

سلطان احمد شاہ کے عہد کے علما نے اس کے لیے کئی کتابیں بھی تصنیف کیں' جن میں شیخ بدرالدین محمد بن ابوبکر دمامینی لائق تذکرہ ہیں۔ انھوں نے اس کے لیے ابن مالک کی التسہیل کی شرح لکھی' مصابیح الجامع کے نام سے صحیح بخاری کی شرح سپرد قلم کی۔ عین الحیوۃ کے نام سے دمیرک کی الحیوان الکبریٰ کا اختصار کیا' مغنی اللبیب کی شرح لکھی' جس کو تحفۃ الغریب کے نام سے موسم کیا' اس کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں تصنیف کیں۔

سلطان احمد شاہ گجراتی کو علما سے بے حد عقیدت اور محبت تھی۔ وہ شیخ رکن الدین کے حلقہ ارادت میں داخل تھا۔ نماز کا پابند' شریعت کا متبع اور زاہد و عابد تھا۔ اس کی جس لڑائی کا تعلق مذہبی معاملے سے ہوتا' اس میں اس کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ اس نے چون (۵۴) برس عمر پائی تینتیس (۳۳) سال حکومت کی اور ۸۴۶ھ (۱۴۴۲ء) میں فوت ہوا۔

نویں صدی ہجری میں تخت گجرات پر اور بھی کئی حکمران متمکن ہوئے اور ان کے عہد میں علما و فقہا نے علمی و تصنیفی خدمات انجام دیں' مگر یہاں ان کے تذکرے کی ضرورت نہیں۔ البتہ دسویں صدی ہجری میں جن سلاطین نے گجرات کی زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی' ان میں سلطان محمود بیکرہ ہر اعتبار سے اونچے درجے کا حکمران تھا۔ اس کتاب کی تیسری جلد کے مقدمے میں گجرات کے اس عظیم حکمران کی زندگی کے بعض اسلامی اور دینی گوشوں کی وضاحت کی جائے گی اور اس کے عہد حکومت کے علمائے کرام کا تذکرہ کیا جائے گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطنت بہمنیہ

برصغیر پاک و ہند کی علاقائی سلطنتوں میں ایک سلطنت دکن کی بہمنیہ سلطنت تھی' جو اس دور کی مضبوط سلطنت تھی۔ اس میں کئی نامور سلطان پیدا ہوئے۔ آگے بڑھنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلطنت کے بارے میں مختصر طور پر چند ضروری باتیں بیان کی جائیں۔

حسن بہمنی:

سلطنت بہمنیہ کا پہلا حکمران حسن بہمنی تھا جو علاء الدین بہمنی کے نام سے دکن کے تخت حکومت پر متمکن ہوا۔ سوال یہ ہے کہ یہ کون تھا اور اس کے نام کے ساتھ بہمنی کی نسبت کیوں قائم ہوئی؟ تاریخ کی کتابوں میں اس کی متعدد وجوہ بیان کی گئی ہیں' جن میں ایک یہ ہے کہ علاء الدین خلجی کے امرا میں سے ایک شخص ظفر خاں علائی تھا۔ وہ صوبہ پنجاب کا والی تھا' اس کا مستقر ملتان تھا۔ اس کی موت کے بعد اس کا خاندان مالی پریشانی کا شکار ہو گیا اور وہ خاندان ملتان میں آباد تھا۔ اس خاندان کے ایک فرد کا نام حسن تھا' جو ظفر خاں علائی کا بھانجا تھا۔ تلاشِ روزگار کے لیے یہ ملتان سے چلا اور دہلی پہنچا۔ رات کے آخری حصے میں یہ جمنا کے کنارے آ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد نماز فجر کا وقت ہوا تو نماز میں مشغول ہو گیا۔ طویل سفر کی وجہ سے یہ شخص تھک کر چور ہو چکا تھا۔ نماز ادا کر کے وہیں سو گیا۔ گرمی کا موسم تھا۔ آفتاب طلوع ہوا تو اس کی شعاعیں اس کے چہرے پر پڑنے لگیں اور یہ عرق آلود ہو گیا' مگر اس کو کچھ پتا نہ تھا۔ اتنے میں جمنا کے کنارے اشنان کی غرض سے ایک ہندو آیا' جس کا نام گانگو پنڈت تھا۔ پنڈت نے اس کو جگایا۔ حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک غریب الدیار اور بے سروسامان مسافر ہے۔ پنڈت کو اس پر رحم آیا۔ وہ اسے اپنے مکان پر لے گیا اور مہمان ٹھہرایا۔ چند روز کے بعد حسن نے پنڈت سے کہا کہ میں آپ پر بوجھ بنا ہوا ہوں' مجھے کسی کام پر لگایا جائے۔ پنڈت نے اپنے باغ کے کارندوں کی نگرانی اس کے سپرد کر دی۔

ایک روز حسن باغ میں بیٹھا تھا کہ چند مزدور شور کرتے ہوئے آئے اور کہا کہ ہم باغ میں ہل چلا رہے تھے کہ اس کا سرا زمین میں دھنس گیا اور کوشش کے باوجود باہر نہیں آتا۔ حسن نے جا کر دیکھا تو واقعی ہل کا سرا زمین میں پھنسا ہوا تھا۔ اس نے ہل کے اطراف سے زمین کھودنے کا حکم دیا۔ زمین کھودی گئی تو معلوم ہوا کہ ہل کا سرا ایک آہنی زنجیر میں پھنسا ہوا ہے اور زنجیر دیگ کے منہ پر بندھی ہوئی ہے۔ اب زمین کھود کر دیگ نکالی گئی تو وہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طلائی اشرفیوں سے بھری ہوئی تھی۔ حسن نے تمام اشرفیاں مزدوروں کے سر پر رکھیں اور پنڈت کے گھر پہنچا دیں۔ پنڈت کو واقعہ سے مطلع کیا گیا تو وہ اس کی دیانت وامانت سے نہایت متاثر ہوا۔

اس نے یہ بات شہزادہ محمد تغلق کو بتائی' تو اس نے اس سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ شہزادے نے اس کو دیکھا اور اس سے باتیں کیں تو اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ شریف زادہ گردشِ زمانہ کا ستم رسیدہ ہے۔ اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے اپنے باپ سلطان غیاث الدین تغلق سے بات کی جو اس زمانے میں ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ بادشاہ نے اس کو حاضر خدمت ہونے کا حکم دیا۔ وہ بادشاہ کے پاس گیا۔ اس نے پوچھا تم کون ہو' کہاں کے رہنے والے ہو اور کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ اس نے بتایا کہ میرا نام حسن ہے۔ ملتان سے آیا ہوں اور ظفر خاں علائی کا ہمشیر زادہ ہوں۔ سلطان غیاث الدین تغلق ظفر خاں سے نہ صرف واقف تھا بلکہ اس کے دوستوں میں سے تھا۔ بادشاہ بننے سے پہلے جب وہ ملک غازی تغلق کے لقب سے ملقب تھا' تو سلطان علاء الدین خلجی نے ظفر خاں کے قتل ہونے کے بعد اسی کو اس کی جگہ مقرر کیا تھا اور ملتان' دیپال پور اور سمانہ وغیرہ کا جو علاقہ ظفر خاں کے سپرد تھا وہ اس کی حکمرانی میں دے دیا گیا تھا۔ ظفر خان کا نام سنتے ہی سلطان نے اس کو تسلی دی اور ایک صدی منصب سے سرفراز کیا۔

دکن کو روانگی:

اسی اثنا میں سلطان نے قتلق خان کو دکن کا صوبہ دار مقرر کیا اور حکم دیا کہ امیرانِ یک صدی میں سے کوئی امیر قتلق خاں کے ساتھ دکن جانے پر آمادہ ہو تو بڑے شوق سے جا سکتا ہے' اس کے لیے وہاں منصب اور جاگیریں مقرر ہیں' جو مع اضافے کے عطا کی جائیں گی۔ حسن جو پہلے ہی دکن جانے کے لیے بے قرار ہو رہا تھا' فوراً تیار ہو گیا۔ بادشاہ نے اس کو وہاں ہگری' گنجی اور رائے باغ وغیرہ مواضع بطور جاگیر مرحمت کیے۔

دکن میں وہ بادشاہت کے خواب دیکھنے لگا اور اندر ہی اندر اس کے حصول کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ اس زمانے میں وہ بزرگانِ دین کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا اور ان سے دعا کی درخواست کرتا۔ ایک روز موضع گنجی گیا۔ وہاں اس دور کے معروف بزرگ شیخ سراج جنیدی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ مسجد کی تعمیر میں مشغول تھے اور مزدوروں کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ حسن نے مودب ہو کر سلام کیا اور ان کے ساتھ کام میں شریک ہو گیا۔ اس نے چونے سے بھری ہوئی ٹوکری سر پر اٹھائی۔ شیخ نے دیکھا تو مسکرائے۔ اتنے میں ظہر کا وقت ہوا' شیخ نے نماز کی تیاری کی اور وضو کے لیے پانی لینے لگے تو حسن فوراً آگے بڑھا۔ لوٹا ہاتھ میں پکڑا اور شیخ کو وضو کرانے لگا۔ اس وقت شیخ دھوپ میں بیٹھے تھے اور سورج کی تیز شعاعیں ان کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ حسن سورج کے آگے آ گیا اور ان کو دھوپ سے بچاتا رہا۔ شیخ نے اس کے لیے دعا کی کہ اس کا مرتبہ بلند ہو۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسن کی بادشاہت:

سلطان غیاث الدین تغلق کے بعد اس کا بیٹا محمد خان تغلق تخت نشین ہند ہوا تو اکثر مقامات کے لوگوں کو اس سے کچھ شکایات پیدا ہوئیں اور معاملہ بغاوت تک پہنچ گیا۔ دکن کے امیرانِ حکومت نے بھی باہم مشورہ کر کے بادشاہ سے ٹکر لینے کا فیصلہ کر لیا۔ انھوں نے اسماعیل مخ کو اپنا بادشاہ بنایا اور ناصر الدین شاہ کا خطاب دیا۔ حسن گانگو بہمنی کو اس کا امیر الامرا مقرر کیا گیا اور اس کو ظفر خان کا خطاب عطا ہوا۔ اسماعیل مخ اگرچہ بہت تجربہ کار تھا' مگر بوڑھا ہو چکا تھا' اس لیے دکن کی بادشاہت سے دست بردار ہو گیا اور سب نے مل کر حسن بہمنی کو بادشاہ بنا لیا۔ حسن ان سب سے لائق' عقل مند' بہادر اور معاملہ فہم تھا۔ سلطان محمد تغلق نے دکن پر فوج کشی کی' مگر وہ اس سلطنت کو ختم نہ کر سکا ''حسن گنگوئے بہمنی ۲۴ ربیع الاوّل ۷۴۸ھ (۳ جولائی ۱۳۴۷ء) کو جمعہ کے روز دکن کے تخت حکومت پر متمکن ہوا۔ اس کو سلطان علاء الدین کا خطاب دیا گیا۔ شیخ سراج جنیدی نے اس کو تخت نشین کیا اور اس نے اپنی مہر پر ''بندۂ کمترین درگاہ سبحانی علاء الدین حسن گنگوئے بہمنی'' کے الفاظ کندہ کرائے۔

حکومت میں علمائے کرام کی شمولیت:

سلطان علاء الدین حسن بہمنی بزرگانِ دین اور علمائے کرام کا بہت احترام کرتا اور بے حد عقیدت سے پیش آتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے وزرا و امرا میں علما کو بھی شامل کیا' جن میں سید صدر الشریف سمرقندی' سید محمد بدخشی' مولانا محمد اسحاق سرہندی' سید احمد ہروی' سید نور الدین' ملک سیف الدین غوری' شیخ منہاج الدین جنیدی' میر زین العابدین اور سید تقی الدین اصفہانی قابل ذکر ہیں۔ اس نے گانگو پنڈت کو بھی شریک حکومت کیا اور اسے صدر محاسب بنایا۔ چوں کہ گانگو پنڈت نے اس پر احسان کیا تھا اور اسے اپنے گھر لے گیا تھا' اس لیے اس نے لفظ ''بہمنی'' کو اپنی مملکت کے نام کا جز بنایا۔

رسالہ نصائح الملوک:

ملک سیف الدین غوری نے جو وقت کے عالم اور سلطان حسن بہمنی کے وکیل السلطنت تھے' سلطان کے لیے ایک رسالہ قلم بند کیا' جس کا نام رسالہ نصائح الملوک رکھا۔ یہ رسالہ اوصافِ سلطان' آدابِ شاہی' طریق حکومت اور قوانین ملک کے موضوع سے متعلق ہے۔ اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ بادشاہ کے لیے لازم ہے کہ مخلوق خدا کو ہمیشہ فیض پہنچاتا رہے۔ اہل ہنر' اہل علم' اہل اللہ' فقرا' شعرا اور مورخین کے ساتھ اعزاز و اکرام کا برتاؤ کرے۔ دین دار افراد کو دوسروں پر ترجیح دے اور صلاح و مشورہ اور تفویض امور میں انھیں مقدم رکھے۔ وہ ذہن میں رکھے کہ جو لوگ سلطنت و عدالت کے منصب پر فائز ہوں' ان کا دین سے بہرہ مند ہونا ضروری ہے۔ وہ اہل دنیا کی گفتگو اور ان کے طرز عمل سے متاثر ہو کر دین کو ترک نہ کرے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے اس کتاب میں بادشاہ کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی رقم فرمایا ہے کہ بادشاہ کو بردبار ہونا چاہیے۔ ارباب حاجت اور غربا و فقرا اپنی ضرورتیں لے کر اس کے پاس آئیں اور بات چیت میں سخت کلامی و نافرمانی پر اتر آئیں تو رنجیدہ خاطر نہ ہو' بلکہ تحمل اور غور سے ان کی بات سنے۔ بادشاہ کسی کو ظلم و تعدی کا ہدف نہ ٹھہرائے' ہمیشہ خدا کے قہر و غضب سے ڈرتا رہے۔ اللہ سے مدد مانگے' اس کی نصرت کا ملتجی ہو اور اس کی بندگی و عبادت بجالائے۔ اپنے ملک میں اسلام کی ترقی کے لیے کوشاں ہو اور ایسے اقدامات کرے جو مسلمانوں اور اسلام کے لیے بالخصوص اور عام رعایا کے لیے بالعموم سودمند ہوں۔ اسے چاہیے کہ ہر اہم کام کا آغاز مشورے سے کرے' جس کام میں اہل علم اور اصحابِ فہم کا مشورہ شامل ہوگا وہ بہتر نتائج کا حامل ہوگا۔ لیکن اگر مشورے کے بعد کام کا نتیجہ حسب منشا نہ نکلے تو مجلس شوریٰ کو کوتاہ فہم اور بدطینت نہ قرار دیا جائے۔ مشورہ ان لوگوں سے کیا جائے جو مخلص' اصحابِ فہم' تجربہ کار' دین دار' دور اندیش' اہل علم' اربابِ دانش' نیک نیت اور راز دار ہوں۔ سلطنت کے تمام محکموں پر ان لوگوں کو متعین کیا جائے جو عادل' وفادار' مستعد' خدا ترس' حق شناس' صداقت شعار' باصلاحیت' خدمت گزار' متدین' حلیم الطبع' بلند اخلاق' خوش گفتار' اچھی سیرت کے مالک' باہمت' محنتی اور رعایا کے لیے مہربان ہوں۔

عدالت:

سلطان علاء الدین حسن بہمنی کے زمانے میں محکمۂ قضا پر متبحر علما اور بلند مرتبہ فقہا متعین تھے۔ کوئی فیصلہ خلاف شرع نہ ہوتا تھا۔ مولانا صدر الشریف صدر عدلیہ تھے اور ان کے ماتحت مفتی' محتسب' فوج دار اور داروغہ تھے۔ ہر علاقے میں محکمہ قضا اور محکمہ احتساب قائم تھا۔ قصبات و دیہات میں بھی قاضی اور محتسب متعین تھے۔ تمام فیصلے صدر عدلیہ کے ملاحظہ میں لائے جاتے تھے۔ صدر کے مقرر کردہ فقہا و علما ان کو اچھی طرح پڑھتے اور پھر اس کو ان کی صواب و خطا سے مطلع کرتے۔ کسی مقدمے کا فیصلہ کرنے میں زیادہ دیر نہ لگتی تھی۔ شہادتوں اور فریقین کے بیان کے بعد فوراً فیصلہ کر دیا جاتا۔ فیصلے کے بعد مدعا علیہ کو مرافعہ کے لیے ایک مہینے کی مہلت دی جاتی تھی۔

اگر حکام و عمال کسی پر زیادتی کرتے اور معاملہ مقدمے کی صورت میں قاضی کی عدالت میں آتا تو مسل مقدمہ سلطان کی خدمت میں پیش کی جاتی۔ وہ اس کا مطالعہ کرتا اور کبھی کبھی خود سلطان بھی صدر الشریف کی عدالت میں جاتا' مقدمہ مرجوعہ کی روداد اور گواہوں کے بیانات سنتا اور صدر الشریف کے طریق سماعت اور فیصلے سے خوش ہوتا۔

اشاعت علم کا اہتمام:

سلطان حسن بہمنی نے مملکت دکن میں اشاعت اسلام کے ساتھ ساتھ اشاعت علم کا بھی اہتمام کیا تھا۔ اس کے لیے دینی مدارس قائم کیے اور ان میں تدریس کے لیے جید علمائے کرام کی خدمات حاصل کیں۔ مسجدیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعمیر کیں اور خطیب و امام مقرر کیے' جن کو تاکید کی تھی کہ وہ دین محمدی کی تبلیغ کریں۔ اس نے لوگوں کو عربی اور فارسی کی تعلیم دینے کی طرف خصوصیت سے اعتنا کیا تاکہ وہ اس کے ذریعے مکارمِ اخلاق اور مسائل دینی سیکھ سکیں۔ چوں کہ وہ خود بھی علم و ادب کے زیور سے آراستہ تھا' لہٰذا اس نے علما و فضلا کی قدر و منزلت اور فروغِ علم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ جو علما اس کے دربار میں جمع تھے اور جن سے وہ بہت متاثر تھا' ان میں مولانا لطف اللہ سبزواری' ملا معین الدین ہروی' مفتی احمد ہروی' مولانا محمد اسحاق سرہندی' ملا فضل اللہ انجوی' ملا حکیم علیم الدین تبریزی' حکیم نصیر الدین شیرازی' صدر الشریف سمرقندی' ملک رکن الدین غوری' ملک سیف الدین غوری اور سید رضی الدین جگا جوت کے نام خاص طور سے لائق تذکرہ ہیں۔

سلطان حسن بہمنی نے اپنے تینوں بیٹوں (شہزادہ محمد' محمود اور داؤد) کی تعلیم کے لیے علمائے کرام مقرر کیے اور یہ خدمت مولانا فضل اللہ انجوی کے سپرد کی۔ اس نے علما کے لیے معقول مشاہروں اور طلبا کے لیے وظیفوں کا انتظام کیا۔ ایک مدرسہ ایلچ پور برار میں جاری کیا' جس میں مولانا محمد ابراہیم سندھی اور مولانا محمد یحییٰ سندھی کو فرائض تدریس انجام دینے پر مقرر کیا۔

قدر دانیٔ علم و ہنر:

حسن بہمنی' علم و ہنر کا بہت قدر دان تھا۔ اس سلسلے کے متعدد واقعات میں سے چند واقعات یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) ایک مرتبہ ایک قاری عرب سے دکن آیا۔ سلطان سے ملا۔ وہ اس کے علم و فضل سے متاثر ہوا۔ قرآن سنا تو بہت خوش ہوا' قاری کی بڑی تکریم کی۔ شہزادوں کی تعلیم کے لیے اس کو مقرر کیا۔ قاری کو بھی بادشاہ کی قدر دانی اور عزت افزائی سے مسرت ہوئی اور وہ دکن ہی میں سکونت پذیر ہو گیا۔ اس نے بادشاہ کے لیے ہفت قرات میں ایک قرآن مجید لکھا۔ حاشیے پر سنہری بیل بوٹے بنائے' خوب صورت جدولیں تیار کیں اور اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہ قرآن مجید کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور قاری و کاتب کو انعام و اکرام سے نوازا..... کہتے ہیں' یہ قرآن مجید سلطان ٹیپو شہید کے مدراس کے کتب خانے میں موجود تھا۔ قاضی القضات مولانا صبغت اللہ نے اس کی نقل کرائی تھی اور اب یہ منقول قرآن مجید حیدر آباد (دکن) میں مولوی عطاء اللہ حسین مرحوم کے کتب خانے کی زینت ہے۔ رہا اصل اور منقول عنہ قرآن مجید کا نسخہ تو وہ سلطان ٹیپو کی شہادت اور مدراس کی تباہی کے بعد مفقود ہو گیا[1]۔

(۲) ایک نوارد سپاہی نے سلطان کی خدمت میں ملازمت کی درخواست پیش کی۔ سلطان نے اس کو بلایا اور پوچھا' تمھارا حسب نسب کیا ہے اور کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ سپاہی نے عرض کیا۔ جہاں پناہ!

[1] محبوب الوطن تذکرۂ سلاطین دکن ص ۲۱۶' ۲۱۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میرا حسب نسب شمشیر و علم اور تیر و کمند ہے۔ سلطان اس جواب سے بہت خوش ہوا اور اس کو اسی وقت فوج میں ملازمت دے دی۔

(۳) ایک روز ایک سپاہی دربارِ عام میں آیا اور نوکری کے لیے التجا کی۔ سلطان نے کہا' کوئی ہنر جانتے ہو؟ کہا میں یہ ہنر جانتا ہوں کہ مالک کے سامنے جان نثار کر دی جائے اور ساتھ ہی اپنے آپ پر وار کرنے کے لیے تلوار میان سے نکال لی۔ درباریوں نے اس سے تلوار پکڑی اور اسے سمجھایا کہ جاں نثاری کا یہ موقع نہیں۔ سلطان نے اس کی جواں مردی سے خوش ہو کر اسی وقت اس کو اپنے محافظوں کی جماعت میں شامل کر لیا۔

حسن بہمنی سرزمین دکن کا وہ سلطان تھا جو ہندوؤں کے ساتھ گہرے تعلقات قائم رکھنے کا حامی تھا۔ اس نے ان کو سلطنت کے اہم عہدوں پر فائز کیا اور ہمیشہ ان کی مدد کرتا رہا۔

دکن کے اس پہلے بہمنی سلطان نے جو تاریخ میں علاء الدین حسن بہمنی کے نام سے مشہور ہے' گیارہ سال دو ماہ سات روز حکومت کرنے کے بعد سڑسٹھ (۶۷) سال کی عمر پا کر یکم ربیع الاوّل ۷۵۹ھ (۱۱ فروری ۱۳۵۸ء) کو اس دارِ فانی سے عالم جاودانی کا سفر کیا[1]۔

سلطان محمد شاہ بہمنی:

محمد شاہ بہمنی اپنے والد سلطان حسن شاہ بہمنی کے بعد ۳ ربیع الاوّل ۷۵۹ھ (۱۳ فروری ۱۳۵۸ء) کو دکن کے اورنگ حکومت پر فائز ہوا۔ اس کو مشہور بزرگ شیخ سراج جنیدی نے مسند بادشاہت پر بٹھایا۔ یہ ایک اولوالعزم' عقیل و فہیم اور صاحب شان و شوکت بادشاہ تھا۔ اپنے پیشرو کی طرح علم اور علما سے اس کو خاص تعلق تھا اور اولیا و مشائخ کا قدردان تھا۔ اس کے ارکانِ سلطنت میں ملک سیف الدین غوری' سید شریف سمرقندی اور ملا محمد بن مولانا عین الدین بیجاپوری ایسے یگانۂ روزگار علمائے کرام شامل تھے۔

شیخ زین الدین کا بیعت سے انکار:

شیخ زین الدین دولت آبادی دکن کے نامور عالم دین تھے اور ان کی مشیخت و تدین کا پورے ہندوستان میں شہرہ تھا۔ تمام مشائخ دکن سلطان محمد شاہ بہمنی کی بیعت سلطنت میں شامل ہو گئے تھے' مگر شیخ زین الدین نے اس سے انکار کر دیا۔ ان سے سلطان کی بیعت کے لیے بہت اصرار کیا گیا مگر انھوں نے کسی کی ایک نہ مانی اور اپنی رائے پر قائم رہے۔ شیخ سے انکار کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا بادشاہ شراب پیتا اور منہیات کا ارتکاب کرتا ہے۔ جب

[1] اس کے مفصل حالات کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ ج ۱' ذکر سلاطین بہمنیہ و سلاطین دکن ص ۴۲۰ تا ۴۳۳ نیز دیکھیے محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن ص ۲۰۶ تا ۲۲۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک وہ اس سے تائب نہیں ہوتا اور منہیات کو ترک نہیں کرتا میں اس کی بیعت نہیں کروں گا۔

کچھ عرصے کے بعد سلطان دولت آباد گیا تو وہاں بھی بیعت کے لیے کوشش کی گئی اور چند معتمد علیہ اشخاص کو شیخ کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا گیا کہ یا تو وہ اس کی بیعت کر لیں یا اس کے دربار میں تشریف لائیں۔ شیخ نے اس پیغام کے جواب میں سلطان کو ایک رقعہ لکھا جس میں یہ تحریر فرمایا کہ ایک مرتبہ تین آدمی کافروں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے' ان میں ایک عالم' ایک سید اور ایک مخنث تھا۔ کافروں نے آپس میں مشورہ کر کے طے کیا کہ ان تینوں کو بت کدے میں لے جایا جائے اور کہا جائے کہ وہ بت کو سجدہ کریں۔ جو سجدہ کرے اسے رہا کر دیا جائے اور جو انکار کرے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے وہ عالم کو بت خانے میں لے کر گئے' اس نے سجدہ کر دیا اور رہا ہو گیا۔ پھر سید کو لے گئے' اس نے بھی عالم کا طریقہ اختیار کیا اور جان بچالی۔ اب مخنث کی باری آئی تو اس نے کہا میں تمام عمر ناشائستہ افعال اور غیر شرعی امور میں مبتلا رہا ہوں۔ نہ عالم ہوں نہ سید۔ میری نجات کیوں کر ہو گی؟ میں کس برتے پر بت کو سجدہ کروں؟ میرے نزدیک قتل ہو جانا غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ آخر اس سے نجات کی کوئی صورت تو پیدا ہو گی۔ یا کم از کم یہی ہو گا کہ قتل ہونے کے بعد آئندہ ان برائیوں کے ارتکاب سے بچ جاؤں گا' جن کے ارتکاب کا امکان ہے۔ اس سے آگے شیخ نے لکھا لہٰذا اے بادشاہ! اس فقیر کی مثال اس مخنث کی سی ہے۔ میں آپ کے ظلم سہتا رہوں گا' نہ آپ کی بیعت کروں گا' نہ آپ کی مجلس میں آؤں گا' تاوقتیکہ آپ منہیات سے توبہ نہ کریں اور شہر سے شراب خانے نہ اٹھائیں۔

بادشاہ کو یہ خط پہنچا تو پڑھ کر سخت غصہ آیا اور انھیں شہر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ شیخ نے اسی وقت مصلّی اٹھایا' عصا ہاتھ میں پکڑا اور شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے قریب جا کر بیٹھ گئے اور کہا' میں یہاں بیٹھا ہوں' کون ہے جو مجھ کو اٹھانے کی جرات کرے۔ شیخ کی اس ثابت قدمی سے بادشاہ اپنے دل میں سخت نادم ہوا اور خیال کیا کہ فقیروں کو ستانا اچھی بات نہیں۔ اب اس نے صدر الشریف کے ہاتھ یہ مصرع لکھ کر شیخ کی خدمت میں بھیجا! ع

من زانِ توام توزانِ من باش

شیخ زین الدین نے صدر الشریف سے کہا اگر سلطان محمد شاہ غازی شریعت محمدی کا احترام کرے' ممالک محروسہ میں شراب خانوں کو بند کر دے اور قضات وصدور کو حکم دے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کے لیے کوشاں ہوں تو بادشاہ کا' زین الدین فقیر سے زیادہ کوئی دوست نہ ہو گا۔ ساتھ ہی یہ رباعی پڑھی:

تا من بزیم بجز نیکوئی نہ کنم — جز نیک دلی و نیک خوئی نہ کنم
آنہا کہ بجائے ما بدیہا کروند — تا دست رسد بجز نیکوئی نہ کنم

بادشاہ کو اپنے بارے میں جب شیخ کے ان خیالات کی اطلاع ہوئی اور لفظ ''غازی'' کا پتا چلا جو شیخ نے اس کے نام کے ساتھ استعمال کیا تھا تو بہت خوش ہوا' اسے نیک شگون سمجھا اور حکم دیا کہ اس کے نام کے ساتھ آئندہ یہ لقب ملحق کیا جائے۔ پھر فوری طور پر گلبرگہ گیا جو اس کا دارالحکومت تھا' وہاں جا کر حکم جاری کیا کہ شراب کی تمام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دکانیں جو ممالک محروسہ میں کھلی ہوئی ہیں' بند کر دی جائیں اور ہر معاملے میں شرع محمدی کا نفاذ عمل میں لایا جائے۔

اس کے بعد اس نے شیخ سے باقاعدہ سلسلہ مراسلت شروع کر دیا اور ان کے حلقہ عقیدت میں داخل ہو گیا۔ شیخ بھی اس کے خطوط کا جواب دیتے اور اس کے لیے دعا فرماتے۔

سلطان محمد شاہ بہمنی کا فوجی اور عسکری نظام بہت اچھا تھا اور یہ دکن کا مجاہد و غازی بادشاہ تھا۔ اس نے کافروں کے ساتھ کئی جنگیں لڑیں اور کامیاب رہا۔ نواحِ دکن کے ہندو حکمران اس کا اصل ہدف تھے۔

علما کی قدر و منزلت:

سلطان' علمائے کرام کا بہت قدر دان تھا۔ امورِ سلطنت کے بارے میں ان سے مشورے کرتا اور ان پر عمل پیرا ہوتا۔ اس کے زمانے میں مندرجہ ذیل علما و مشائخ دکن میں موجود تھے۔ ان میں سے بعض تو باقاعدہ رکن حکومت تھے اور بلند مناصب پر فائز تھے اور بعض تدریس و افتا کی خدمات انجام دیتے تھے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

شیخ زین الدین دولت آبادی' شیخ محمد سراج جنیدی' مولانا عین الدین بیجاپوری' صدر الشریف سمرقندی' شیخ بہاء الدین انصاری مانڈوی' مولانا عبدالغنی صدر برار' مولانا نظام الدین برنی' مولانا غوث الدین سمانوی' مولانا حکیم ظہیر الدین تبریزی' مولانا نجم الدین مفتی برار' مولانا سید ابراہیم سندھی اور مولانا سید یحییٰ سندھی۔

وفات:

آخر عمر میں سلطان نے لشکر کشی کا سلسلہ بند کر دیا تھا اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا تھا۔ اس نے ۹/ ذی القعدہ ۷۷۶ھ (۱۲/ اپریل ۱۳۷۵ء) کو وفات پائی۔ سترہ سال نو مہینے پانچ روز حکومت کی۔ اس کی عمر پینتالیس سال بنتی ہے[1]۔

سلطان مجاہد شاہ بہمنی:

سلطان محمد شاہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مجاہد شاہ بہمنی وارثِ تخت بنا۔ یہ شجاع' دانشمند' رعایا پرور' دین دار' علما کا قدر دان اور علم دوست بادشاہ تھا۔ اس کا نام بھی مجاہد تھا اور عملاً بھی مجاہد تھا۔ اس نے مخالفین اسلام کے ساتھ نہ صرف جنگیں لڑیں اور انھیں شکست دی بلکہ ان کے بت مسمار کیے اور دکن اور اس کے گرد و نواح میں اسلام کو پھیلانے اور مسلمانوں کا وقار بلند کرنے کی کوشش کی۔ مجاہد شاہ کو اس کے چچا داؤد بن سلطان علاء الدین حسن

[1] مفصل حالات کے لیے دیکھیے تاریخ فرشتہ ج ۱' ذکر سلاطین بہمنیہ ص ۴۳۳ تا ۴۵۵۔ محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن ص ۲۲۰ تا ۳۷۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہمنی نے قتل کر دیا تھا۔ یہ حادثہ ۱۷ ذی الحجہ ۷۷۹ھ (۱۶ اپریل ۱۳۷۸ء) کو رونما ہوا۔ مجاہد شاہ کی مدتِ سلطنت تین سال ایک مہینا آٹھ دن ہے۔ عین عالم جوانی میں صرف بائیس سال کی عمر میں اس دنیائے دوں سے رخصت ہو گیا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔

داؤد شاہ بن حسن شاہ بہمنی:

اپنے برادر زادہ سلطان مجاہد شاہ کو قتل کر کے' داؤد شاہ بن سلطان علاء الدین حسن شاہ بہمنی نے اس کی جگہ لی۔ داؤد شاہ کی تخت نشینی کے موقعے پر بہمنی خاندان اور امرائے سلطنت میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ ایک گروہ اس کی تخت نشینی کا حامی تھا' ایک سخت مخالف اور ایک اعتدال پسند اور صلح جو تھا۔ مجاہد شاہ کی بہن جس کا نام روح پرور تھا' داؤد شاہ کی شدید مخالف تھی اور خاندان بہمنیہ میں یہ خاتون بڑے اثر و رسوخ کی مالک تھی۔ یہ اپنے نوجوان اور لائق بھائی کے قتل پر بدرجہ غایت حزن و ملال میں مبتلا تھی اور داؤد شاہ سے اس کا انتقام لینے کے درپے تھی۔ اس کی رائے یہ تھی کہ سلطنت کا وارث قاتل کو نہ بنایا جائے۔ بلکہ سلطان علاء الدین حسن شاہ بہمنی کے چھوٹے بیٹے محمود شاہ کو بنایا جائے۔ اس میں تو وہ کامیاب نہ ہو سکی مگر اس نے داؤد شاہ کو بہت جلد قتل کرا دیا اور چند روز میں بھائی کے قتل کا بدلہ لے لیا۔ داؤد شاہ کو ۲۱ محرم ۷۸۰ھ (۲۰ مئی ۱۳۷۸ء) کو اس وقت قتل کیا گیا جب کہ وہ جامع مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا اور حالتِ سجدہ میں تھا۔ اس کو مجاہد شاہ کی بہن روح پرور نے باگہ نامی ایک شخص سے قتل کرایا تھا جو کہ داؤد شاہ کے مصاحبوں میں سے تھا..... داؤد شاہ نے صرف ایک مہینا پچیس دن حکومت کی۔ کہتے ہیں یہ دلیر اور بہتر اوصاف کا حامل سلطان تھا۔ آثار بتاتے ہیں کہ اگر اسے موقع ملتا تو امورِ مملکت کو عمدہ طریقے سے چلاتا۔

محمود شاہ بہمنی:

داؤد شاہ نے اپنے قتل کے بعد چھوٹے بھائی محمود شاہ کے لیے تختِ حکومت خالی کیا۔ اس کے ارکانِ حکومت میں علمائے دین بھی شامل تھے' جن میں وکیل السلطنت ملک سیف الدین غوری' مشہور فاضل و مصنف علامہ سعد الدین تفتازانی کے شاگرد میر فضل اللہ انجو اور ملا محمد قاسم مشہدی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے حالاتِ زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے دین اور اولیا و مشائخ کی عزت اس کے دل میں جاگزین تھی اور اہم معاملات ملکی کو ملک سیف الدین غوری کے مشورے سے انجام دیتا تھا۔ جو وکیل السلطنت کے منصب پر فائز تھے اور عالم دین' عقل و فہم کی دولت سے مالا مال' رعایا کے خیر خواہ اور متدین بزرگ تھے۔

محمود شاہ کے تذکرے میں مورخین لکھتے ہیں کہ وہ سلیم النفس' خوش اخلاق' شرع محمدی کا پابند' حلیم الطبع' منصف مزاج' رعایا پرور' اور مسائل دینیہ سے دلچسپی رکھنے والا بادشاہ تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہی مسائل پر نظر:

عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کی طرف وہ بہت توجہ دیتا تھا۔ قاضی، محتسب اور صدر عدالت احکامِ شرع کے اجرا میں تاخیر نہ کرتے تھے اور معاملات دینیہ کے اجرا میں کسی نوع کا توقف نہ ہوتا تھا۔ خود بادشاہ گاہے گاہے عدالت میں جاتا، مدعی اور مدعا علیہ کے اظہارات اور شہادات سے مطلع ہوتا، قاضی کے فیصلے غور سے سنتا اور اس کو خالص شرعی فقہی نقطہ نظر سے ہدفِ فکر ٹھہراتا۔ اس سلسلے کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔

ایک عورت ارتکابِ زنا کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ وہ بیک وقت چار آدمیوں سے تعلق رکھتی تھی۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہوا تو قاضی کے سوال کرنے پر اس نے بتایا کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ فعل حرام ہے۔ میرا گمان تھا کہ جس طرح ایک مرد چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے، اسی طرح ایک عورت کو بھی شرعاً بیک وقت چار مردوں کے عقد میں رہنے کے اجازت ہوگی۔ میں اس غلط فہمی اور شبہے کی وجہ سے اس فعل کا ارتکاب کرتی رہی۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ حرام ہے، میری پچھلی خطا معاف کی جائے، آئندہ کبھی اس کی مرتکب نہ ہوں گی۔ قاضی، عورت کی یہ بات سن کر متحیر ہوا اور سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ سلطان محمود شاہ نے قاضی کو پریشان دیکھا تو بولا:

الحدود تندرء بالشبہات

شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔

لہٰذا عورت کو رہا کر دینا چاہیے۔ چنانچہ قاضی نے اس عورت کو بری کر دیا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ تعجب ہے ایک مسلمان عورت جو مسلمان حکومت میں رہ رہی ہے، اتنی بنیادی اور ضروری بات سے بھی واقف نہیں کہ عورت بیک وقت چار مردوں سے شادی نہیں کر سکتی؟ بات یہ ہے کہ ملک ہند کے کئی سو سال پیشتر کے دور کو اس دور پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ پورا علاقہ غیر مسلموں سے بھرا ہوا تھا، نہ تعلیم عام تھی، نہ اخلاق و کردار کو سنوارنے اور اسلام کے سانچوں میں ڈھالنے کی کوئی ہمہ گیر اور موثر صورت کسی کے سامنے تھی۔ اس ماحول میں اگر دور دراز کے کسی علاقے کی کوئی عورت غلط فہمی کا شکار ہو جاتی ہے تو کون سی تعجب کی بات ہے۔ سلطان یا قاضی کا فرض تھا کہ معاملے کے تمام گوشوں کو سامنے رکھتے اور سزا کے بجائے عفو کے پہلو کو ترجیح دیتے اور یہی ہوا۔

شعر و شاعری:

سلطان محمود شاہ بہمنی، دکن کا وہ بادشاہ تھا جو علوم متداولہ کا عالم اور عربی و فارسی کا ماہر تھا۔ اہل زبان کے ساتھ دونوں زبانوں میں بے تکلفی سے اسی لب ولہجہ میں گفتگو کرتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ شاعر بھی تھا، اس کے یہ شعر تذکروں میں مرقوم ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنجا کہ لطف دوست دہد منصب مراد　　بخت سیاہ و طالع میمون برابر است

☆☆☆

عاقبت در سینہ کار خون فاسدی کنند　　رخصتے اے دل کہ از الماس نشتری خورم
خضر پر سو داست در بیع متاع عاقبت　　می روم ایں جنس را از جائے دیگری خرم

محمود شاہ بہمنی عربی لہجے میں دلکش آواز میں قرآن مجید پڑھتا تھا۔

حافظ شیرازی کا قصد ہند:

محمود شاہ بہمنی کی قدر دانی علما اور علم دوستی کے چرچے اتنے عام ہوئے کہ عرب و عجم تک پہنچ گئے اور علما و فضلا دکن کا رُخ کرنے لگے۔ ان حضرات میں حافظ شیرازی کا نام بھی تاریخ میں مرقوم ہے۔ حافظ نے دکن کا قصد کیا' لیکن بعض ایسے موانع پیش آئے کہ وہ ہندوستان نہ آ سکا۔ اس کا پتا ایک رکنِ حکومت فضل اللہ انجو کو چلا تو اس نے حافظ کو زادِ راہ بھیجا اور تشریف لانے کی درخواست کی۔ حافظ نہایت خوش ہوا' سامانِ سفر تیار کیا' فضل اللہ انجو کی طرف سے موصولہ رقم میں سے کچھ رقم اپنے بھانجوں کو دی' کچھ بیواؤں میں تقسیم کی اور کچھ قرض خواہوں کے حوالے کی اور ہندوستان کو روانہ ہو گیا۔ راستے میں ایک دوست ملا' جس کا سامان ڈاکوؤں نے لوٹ لیا تھا' اس کی داستان سنی تو بقیہ رقم از راہِ ہمدردی اسے دے دی اور خود خالی ہاتھ ہو گیا۔ اتفاق سے خواجہ زین العابدین ہمدانی اور خواجہ محمد گازرونی سے ملاقات ہوئی تو ان کو سارا واقعہ سنایا۔ انھوں نے اخراجات کی ذمہ داری خود قبول کی اور ہندوستان کو چل پڑے۔ اب ایک مقام پر محمود شاہی کشتی میں سوار ہوئے تو طوفانی ہوائیں چلنے لگیں اور دریا کی موجوں نے ایک دوسرے سے ٹکرانا شروع کیا۔ حافظ اس سے گھبرا کر اور خوف زدہ ہو کر بعض احباب کو ملنے کے بہانے کشتی سے اتر گیا۔ ایک غزل فضل اللہ انجو کے نام لکھ بھیجی اور خود واپس شیراز کی راہ لی۔ غزل یہ ہے:

مے باغم بہر بردن جہان یکسر نمی ارزد　　بے فروش دلق ما کزین بہتر نمی ارزد
بکوئے می فرو شانش بجامی برنمی گیرند　　زہے سجادۂ تقویٰ کہ یک ساغر نمی ارزد
رقیبم سرزنش ہا کرد کزیں خاک درمگزر　　چہ افتاد ایں سرما را کہ خاک درنمی ارزد
بسے آسان می نمود اوّل غم دریا بموئے زر　　غلط کردم کہ یک موجش بصد من زر نمی ارزد
شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جان درد درجست　　کلاہ دل کش ست اما بہ تبرک سر نمی ارزد
چو حافظ در قناعت کوش واز دنیائے دوں بگزر　　کہ یک جو منت دو نان جہان یکسر نمی ارزد

میر فضل اللہ انجو کو یہ غزل پہنچی تو اس نے سلطان محمود شاہ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ اس کو حافظ کے دکن نہ آنے کا سخت افسوس ہوا اور ملا محمد مشہدی کو جو فضلائے عصر میں سے تھے' اچھی خاصی رقم اور بہت سے تحائف دے کر حافظ کے پاس شیراز بھیجا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہا و محدثین کا احترام:

بہر حال محمود شاہ بہمنی، محدثین و واعظین، علمائے کرام اور شعرائے نام دار کا بہت خیال رکھتا تھا۔ ان کی مدد کرتا، ان سے دینی و مذہبی مسائل پوچھتا اور درخواست کرتا کہ وہ اس کو اوامر و نواہی کی تعلیم دیتے رہیں۔ وہ نماز روزے کا پابند تھا اور علما و فضلا سے مجالست رکھتا تھا۔ جس مجلس میں مسائل دینیہ اور احادیث نبویہ (ﷺ) کا تذکرہ ہوتا اس میں دیر تک بیٹھتا۔ علامہ سعد الدین تفتازانی کے شاگرد مولانا فضل اللہ انجو، ملا محمد بدخشانی، ملا محمد قائم مشہدی، مولانا محمد اسحاق سرہندی اور ملا احمد قزوینی سے تو وہ بہت ہی متاثر تھا اور ان سے اکثر مسائل شرعی دریافت کرتا۔ ملکی معاملات میں بھی یہ اس کے مشیر تھے اور ان کے مخلصانہ مشوروں کو وہ بڑی اہمیت دیتا تھا۔

وفات:

محمود شاہ بہمنی نے ۷۹۹ھ (۱۳۹۷ء) کے آخر میں وفات پائی۔ انیس سال، نو ماہ، چوبیس روز حکومت کی[1]۔

سلطان فیروز شاہ بہمنی:

محمود شاہ کی وفات کے بعد جو قابل ذکر بادشاہ دکن کا وارثِ تاج و تخت بنا اس کو تاریخ ابوالمظفر غازی فیروز شاہ بہمنی کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اس نے یکم ربیع الاوّل ۸۰۰ھ (۲۲ نومبر ۱۳۹۷ء) کو زمامِ حکومت ہاتھ میں لی۔ اس کے ارکانِ سلطنت میں علما و فقہا بھی شامل تھے جن میں مولانا امیر فضل اللہ انجو شیرازی، مولانا لطف اللہ سبزواری، میر فضل اللہ انجو کے داماد مولانا تقی الدین، مولانا غیاث الدین بن مولانا فضل اللہ انجو، مولانا محمد اسحاق سرہندی، ملا داؤد بیدری، مولانا حسن گیلانی، مولانا سید محمد گازرونی، محمد منہاج جنیدی، شاہ کمال کشمیری اور سید محمد بن مولانا عین الدین بیجاپوری خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔

یہ بادشاہ بہت سی خوبیوں کا مالک تھا۔ ہر روز قرآن مجید کا ایک حصہ کتابت کرتا۔ جب پورے قرآنِ مجید کی کتابت ہو جاتی تو اسے لوگوں کی تلاوت کی غرض سے مسجد کے لیے وقف کر دیتا۔ علما و فقہا سے بے حد تعلق رکھتا تھا۔ عالم دین، نماز روزے کا سخت پابند، علما کا بے حد قدر دان، اولیا و مشائخ کی صحبت کا انتہائی مشتاق، قرآن مجید کی باقاعدہ تلاوت کرنے والا، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ رنگ راگ اور مے نوشی کا بھی عادی تھا۔ کہا کرتا تھا کہ مجھ میں یہ دو ایسی برائیاں پائی جاتی ہیں جو نہایت افسوس ناک ہیں اور میں ان کی وجہ سے اللہ سے بے حد خوف زدہ ہوں اور بہت توبہ و استغفار کرتا ہوں۔

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۴۶۴ تا ۴۶۹۔ محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن ص ۳۹۶ تا ۴۱۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں سے ربط و تعلق:

وہ رعایا کے ہر فرد سے تعلق و ربط رکھنے اور گفتگو میں بے تکلف ہو جانے کا عادی تھا۔ ہر شخص سے کہتا تھا کہ جب میں امورِ بادشاہت اور معاملاتِ عدالت سے فارغ ہو جاؤں تو تمھارے ہی جیسا ایک فرد ہوں' مجھ سے کسی قسم کے حجاب اور تکلف کی ضرورت نہیں۔ نہ میں حاکم ہوں اور نہ تم محکوم ہو۔ مجھ سے اسی طرح بات کرو جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ بس اتنا خیال رہے کہ کسی کی بدگوئی اور غیبت نہیں ہونی چاہیے۔ وہ غیبت اور بدگوئی کو سخت برا سمجھتا تھا۔ اس کے اس بے تکلفانہ اندازِ گفتگو اور میل جول سے بعض امرائے سلطنت کو اس سے شکایت بھی تھی اور وہ اس کو اس سے روکتے بھی تھے' مگر وہ اپنی روش پر قائم تھا۔

ایک زمانے میں وہ عورتوں کا بہت رسیا ہو گیا تھا اور اس باب میں اس نے علما سے گفتگو بھی کی اور متعہ کا مسئلہ بھی سامنے آیا۔ اس کے عہد میں سلطنت بہمنیہ کی فتوحات کا دائرہ دور تک پھیل گیا تھا اور اس نے بہت وسعت اختیار کر لی تھی۔ وہ منکرین اسلام اور کفار کا شدید دشمن تھا۔ اس نے کفار کے ساتھ چوبیس جنگیں لڑیں' ان کو ہزیمت دی اور ہندوستان میں ان کی طاقت کو کمزور کیا۔ اس کے دربار میں علما و فضلا کی بڑی جماعت موجود تھی اور وہ ان کے مشوروں پر عمل پیرا ہوتا تھا۔ وہ علوم حکمیہ اور دیگر علوم میں سے اپنے تمام معاصرین سے فوقیت لے گیا تھا اور مولانا فضل اللہ بن فیض اللہ شیرازی کا شاگرد تھا۔ اس نے علوم دینیہ باقاعدہ پڑھے تھے اور بیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گیا تھا۔ سریع الادراک اور قوی الحافظہ حکمران تھا۔

درس و تدریس:

وہ علما کی مجلس میں طالب علم کی حیثیت سے بیٹھتا اور ان سے استفادہ کرتا۔ طلبا میں مدرس بن کر جاتا اور انھیں مختلف درسی کتابوں کا درس دیتا۔ وہ اگرچہ گوناگوں مہماتِ ملکی کی وجہ سے نہایت مصروف بادشاہ تھا' تاہم ہفتے میں تین دن ہفتہ' اتوار اور بدھ کو طلبا کی مجلس میں جاتا اور تدریس کے فرائض انجام دیتا۔ ان کو باقاعدہ زاہدی' شرح تذکرہ' مقاصد' تحریر اقلیدس اور مطول پڑھاتا اور یہ کتابیں جن موضوعات و عنوانات پر مشتمل ہیں ان میں پوری تیاری کر کے مسند درس پر بیٹھتا اور طلبا سے مخاطب ہوتا۔

درس و تدریس اور اشاعت علوم کا اسے بہت شوق تھا۔ اس میں ایک بڑی سلطنت کا خودمختار اور مطلق العنان بادشاہ ہونے کے باوصف یہ خوبی تھی کہ درویشوں میں درویش' صوفیا میں صوفی' فقرا میں فقیر' طلبا میں طالب علم' دوستوں میں دوست اور علما میں عالم تھا۔ علاوہ ازیں فاتح' کشور کشا' مدبر' معاملہ فہم اور جرات مند حکمران تھا اور بہت سے معاملات میں سب سے ممتاز۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتب خانہ:

سلاطین بہمنیہ کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ فیروز شاہ علم دوست حکمران تھا لہٰذا یہ اور بھی جمع کتب کے لیے کوشاں رہتا۔ اس کے عہد میں عرب و عجم سے بہت سی نادر کتابیں منگوائی گئیں اور شاہی کتب خانے میں رکھی گئیں، جس کی وجہ سے یہ ایک بہترین کتب خانہ بن گیا تھا۔ پھر جیسے جیسے سلطنت بہمنیہ میں زوال آتا گیا، یہ کتب خانہ ختم ہوتا گیا۔ اس ضمن میں محبوب الوطن کا مصنف رقم طراز ہے کہ سلاطین بہمنیہ کے کتب خانے میں ایک ایسا قرآن مجید تھا جو نہایت خوش خط، مطلا و مذہب اور زر افشانی کاغذ پر لکھا ہوا تھا۔ یہ قرآن مجید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ کا مکتوبہ تھا۔ سلطنت بہمنیہ کے انقراض کے بعد یہ قرآن مجید فتح اللہ عماد الملک صوبہ برار کے ہاتھ آیا اور برار کے قلعہ گاویل گڑھ میں رکھا گیا۔ ربیع الثانی کے مہینے میں لوگ اس کی زیارت کو آتے تھے۔ عماد شاہی سلطنت ختم ہونے کے بعد بھی یہ قرآن وہیں رہا۔ جب گاویل گڑھ کا قلعہ مرہٹوں کے قبضے میں آیا تو مرہٹوں نے بھی اسے ضائع نہیں کیا بلکہ جہاں تھا وہیں پڑا رہا۔ آخر یہ قرآن نواب صلابت خاں صوبہ دار برار ملازم سرکار نظام (دکن) کے قبضے میں آیا۔ پھر نواب ابوالخیر خاں شمس الامرا کو معلوم ہوا تو وہ اس کو ایلچ پور لے گیا۔ مصنفِ محبوب الوطن کا کہنا ہے کہ وہ قرآن مجید اب تک ان کے کتب خانے میں موجود ہے [1]۔

اسی طرح مصنف محبوب الوطن کا بیان ہے کہ سیبویہ کی الکتاب جو کتب خانہ بہمنیہ کی ملکیت تھی، خود اس نے لاہور میں سردار ٹھاکر سنگھ سندھاوالے کے پاس دیکھی۔ اس نے یہ کتاب حاصل کرنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ سردار ٹھاکر سنگھ کسی صورت میں بھی یہ کتاب اس کو دینے پر رضامند نہ ہوا [2]۔

کیا مملکت کو ورثا میں تقسیم کرنا جائز ہے؟

سلطان فیروز شاہ بہمنی ہر پنجشنبہ کی رات کو ایک خاص مجلس علمی منعقد کیا کرتا تھا، جس میں تمام علما شریک ہوتے اور مختلف مسائل زیر بحث آتے۔ بادشاہ اس میں خود بھی حصہ لیتا۔ ہر مسئلے میں اپنے دلائل بیان کرتا اور دوسروں کے دلائل سنتا۔ اگر علمی اعتبار سے اس کا موقف کمزور ہوتا تو خاموش ہو جاتا اور بلا جھجک دوسرے کی بات مان لیتا۔

ایک مرتبہ اس نے علما سے ایک فقہی سوال کیا کہ کیا مملکت، فرائض و وراثت کے دائرے میں داخل ہے؟ اس پر ملکیت کا اطلاق ہوتا ہے؟ اور سلاطین کی اولاد میں اسے بطور وراثت تقسیم کرنا جائز ہے؟

ملا محمد گازرونی اور ملا احمد قزوینی نے جواب دیا کہ مملکت کو ورثا میں تقسیم کرنا جائز نہیں اور اسے ملکیت

---

[1] محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن، ص ۴۲۴، ۴۲۵

[2] محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن، ص ۴۲۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرار دینا خلاف شرع ہے' اس لیے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مال ومتاع کا اطلاق مملکت پر نہیں کیا اور تقسیم میراث مال ومتاع ہی میں ہوتی ہے۔ انھوں نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں دلیل دیتے ہوئے کہا کہ ممالک کو ورثا میں تقسیم کرنا اس لیے بھی ناجائز ہے کہ اس سے مملکت میں ضعف آ جاتا ہے اور وہ تھوڑے ہی عرصے میں منقرض ہو جاتی ہے۔ بعض دیگر علما نے کہا کہ ورثا میں مملکت وممالک کی تقسیم کا مسئلہ مختلف فیہ ہے لیکن عدم جواز کا پہلے مرجح ہے۔

اسی طرح جاگیر کا مسئلہ بھی سامنے آیا اور علما نے کہا کہ اس کی تقسیم کے بارے میں علما کے مختلف اقوال ہیں مگر معتمد علیہ قول یہ ہے کہ جاگیر کی زمین تو تقسیم نہیں کی جائے گی' البتہ اس سے جو آمدنی ہوگی اسے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس ضمن میں مملکت اور جاگیر میں فرق یہ ہے کہ مملکت اور اس کی آمدنی میں تقسیم جائز نہیں ہے۔ باقی رہی جاگیر تو اس کی زمین کی تقسیم تو جائز نہیں مگر اس کی آمدنی کو وارثوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جاگیر عطیہ سلطانی ہے۔ یہ سلاطین نے معطی لہ کو اس غرض سے عطا کی ہے کہ وہ جاگیر کی آمدنی کو اپنی ضروریات پر صرف کرے اور جاگیر میں مالکانہ حق رکھے۔ اگر ورثا جاگیر کی زمین آپس میں تقسیم کر لیں گے تو اس میں کمزوری واقع ہو جائے گی اور پھر تقسیم در تقسیم کا دائرہ اس درجہ وسیع ہوگا کہ چند ہی روز میں اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ عطیۂ جاگیر سے ایک غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ جاگیر' مورثِ اعلیٰ کی اولاد میں ہمیشہ تک نسلاً بعد نسل قائم رہے' لیکن تقسیم کی صورت میں یہ غرض فوت ہو جاتی ہے۔ بادشاہ علماء کا یہ جواب سن کر خاموش ہو گیا[1]۔

اندازہ کیجیے' مملکت کو ورثا میں بطور وراثت تقسیم کرنے کے بارے میں علما نے عدم جواز کا جو موقف اختیار کیا وہ صدیوں پیشتر کے مطلق العنانی کے دور میں ایک خود مختار بادشاہ کی مجلس میں کس درجے ان کی حق بیانی پر دلالت کناں ہے۔ علما دراصل بادشاہ کو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مملکت ایک فرد کی ملکیت نہیں ہے کہ وہ اس کا وارث بن جائے اور پھر اسے اپنی اولاد میں تقسیم کرنا شروع کر دے۔ یہ تمام باشندگان ملک کی دولت ہے اور وہی اس کے حق دار ہیں۔ اسے تو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ تقسیم کا عمل جاری کر کے اس کو کمزور کرنے کی۔

رہا جاگیر کے مسئلے میں ان کا نقطۂ فکر' تو اس زمانے میں اس کا یہی جواب ہو سکتا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جاگیرداری اور زمینداری وغیرہ کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سب خلافِ اسلام ہے۔

شفقت ورحم دلی:

فیروز شاہ ایک شفیق اور رحم دل حکمران تھا۔ اس کی شفقت ورحم دلی کے بعض واقعات تو اسے فقرا وصوفیا کے برابر جا کھڑا کرتے ہیں۔ اس سلسلے کے دو واقعے لائق مطالعہ ہیں۔

① ایک دن وہ دریچے میں بیٹھا سب آنے جانے والوں کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک ایک فقیر پر نظر پڑی جو

[1] محبوب الوطن' ص ۴۳۱' ۴۳۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہاتھ میں کشکول پکڑے جا رہا تھا۔ بادشاہ نے فقیر کو بلایا اور دیکھا کہ کشکول میں جوار کی روٹی کے چند ریزے پڑے ہیں۔ دیکھ کر بہت افسردہ اور غم گین ہوا کہ میری رعایا آسودہ حال نہیں ہے اور ہر گھر میں جوار کی روٹی پکتی ہے' جبھی تو فقیر کے کشکول میں کوئی اور چیز دکھائی نہیں دیتی۔ فوراً حکم دیا کہ جوار کی کاشت کی بجائے گندم بویا جائے۔ ساتھ ہی فقیروں اور معذوروں کے لیے شہر کے محلوں اور کوچوں میں بہت سے لنگر خانے کھول دیئے' جن میں فقرا اور مستحقین کو روزانہ گیہوں کی روٹی اور حلوہ دیا جاتا تھا۔ کبھی حلوے کی بجائے گوشت ملتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پورے دکن میں گندم کی کاشت ہونے لگی اور امراء کے ساتھ غربا و فقرا بھی آرام سے زندگی بسر کرنے لگے۔ پھر ایک دن دیکھا کہ فقیروں کے توشہ دان حلوے اور کلچے سے معمور ہیں۔ بہت خوش ہوا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ رعایا کے فقیر بھی اچھا کھانا کھاتے ہیں۔

(۲) رات کو قصر شاہی پر چار ہزار سوار' آٹھ ہزار پیادے اور چار سو ہاتھی حفاظت کے لیے متعین تھے جو تمام رات جاگتے رہتے تھے۔ سردی' گرمی' بارش ہر موسم میں ان کا یہی معمول تھا۔ ایک رات شدید سردی پڑ رہی تھی کہ بادشاہ کا جذبہ ترحم بیدار ہوا اور دل میں اس پر سخت افسوس کا اظہار کیا کہ مجھ اکیلے کے لیے کتنے لوگ مصیبت میں پھنسے ہیں اور شدید سرد رات میں باہر کھڑے پہرہ دے رہے ہیں۔ خوف خدا سے کانپ اٹھا اور سوچا کہ قیامت کے روز اگر اس جرم میں پکڑا گیا اور اس سنگ دلی کے بارے میں بارگاہ الٰہی سے سوال کیا گیا تو کوئی جواب بن نہ آئے گا اور نجات کی کوئی صورت باقی نہ رہے گی۔ رات بے چینی سے گزری اور صبح کو اپنی حفاظت و صیانت کا سلسلہ ختم کر دیا۔

تیمور کی خدمت میں سفارت:

۸۰۱ھ (۱۳۹۹ء) میں امیر ہندوستان آیا اور قتل و غارت کر کے واپس چلا گیا۔ بعد ازاں ۸۰۴ھ (۱۴۰۲ء) میں پھر یہ بات مشہور ہوئی کہ تیمور دوبارہ ہندوستان پر فوج کشی کر رہا ہے اور اس کا ارادہ یہ ہے کہ وہ اس ملک کو فتح کر کے دہلی کی حکومت پر اپنے بیٹوں میں سے کسی ایک کو متمکن کر دے گا اور باقی علاقہ خود بزورِ شمشیر مسخر و مفتوح کر لے گا۔

فیروز شاہ نے یہ خبر سنی تو ارکانِ مملکت کے مشورے سے اپنے وزرا میں سے میر تقی الدین محمد اور مولانا لطف اللہ سبزواری کو تحائف و ہدایا دے کر تیمور کے پاس بطور سفیر سمرقند بھیجا اور اس سے اپنے اخلاص و نیاز مندی کا اظہار کیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ تیمور اس سے خوش ہو جائے اور اگر ہندوستان پر حملہ آور ہو تو اسے کچھ نہ کہے۔ چنانچہ یہ دونوں بزرگ جو گفتگو میں نہایت محتاط اور امورِ سلطنت کی انجام دہی میں بڑی فراست کے مالک تھے' تیمور کے پاس پہنچے اور فیروز شاہ کی طرف سے اس کو سلام و تحائف پیش کیے۔ اس سے وہ بہت خوش ہوا۔ یہ سفیر چھ مہینے اس کے پاس بطور مہمان رہے اور اس نے ان کی بڑی تعظیم کی۔ واپسی پر اس نے بھی فیروز شاہ کو تحائف ارسال کیے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیروز شاہ فارسی کا شاعر بھی تھا۔ عروجی اور فیروزی تخلص کرتا تھا۔ تاریخ فرشتہ میں اس کی بعض غزلیں درج ہیں۔

سید محمد حسینی کے بارے میں فیروز شاہ کی رائے:

سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز دہلی سے گلبرکہ (دکن) گئے تو لوگوں میں مشہور ہوا کہ دہلی سے ایک بہت بڑے بزرگ تشریف لائے ہیں۔ فیروز شاہ جو بزرگانِ دین اور علمائے عظام سے ملاقات کا خواہاں رہتا تھا' فیروز آباد سے گلبرکہ آیا اور ارکانِ سلطنت اور شہزادوں کو ان کی خدمت میں بھیجا۔ خود بھی حاضر ہوا اور بڑے احترام سے پیش آیا۔ لیکن ان کے علم و فضل سے متاثر نہیں ہوا' صرف ان کو ایک صوفی اور نیک آدمی سمجھتا رہا۔

وفات:

فیروز شاہ بہمنی ۱۵ شوال ۸۲۵ھ (۱۲/ اکتوبر ۱۴۲۲ء) کو اس جہانِ فانی سے عالم جاودانی کو سدھارا۔ پچیس سال سات مہینے پندرہ دن حکومت کی۔ بعض کے نزدیک پینسٹھ سال' بعض کے ستر سال اور بعض کے نزدیک بہتر (۷۲) سال عمر پائی ❶۔

سلطان احمد شاہ بہمنی:

سلطان احمد بن داؤد بن حسن بہمنی اپنے بھائی سلطان فیروز شاہ کی زندگی ہی میں ۵/ شوال ۸۲۵ھ (۲۲/ ستمبر ۱۴۲۲ء) کو دکن کے تخت حکومت پر فائز ہو گیا تھا۔ اس کے ارکانِ حکومت میں بعض جید علما بھی شامل تھے جن میں مولانا نجم الدین' شیخ حبیب اللہ جنیدی' مولانا عبدالغنی اور ملا شرف الدین بازندرانی قابل ذکر ہیں۔ یہ اپنے پیش رو کی طرح علما و مشائخ کا عقیدت مند اور قدر دان تھا۔ خوش اخلاق' بہادر' بلند کردار اور معاملہ فہم حکمران تھا۔ اس کی زندگی کے بعض واقعات ایسے ہیں جن کی وجہ سے یہ تمام بہمنی سلاطین سے ممتاز نظر آتا ہے۔

قبولیت دعا:

ایک مرتبہ دکن میں بارش نہ ہونے سے شدید قحط پڑا۔ ندی نالے بند اور نہریں اور تالاب خشک ہو گئے۔ نہ پانی میسر آتا تھا۔ نہ کہیں سے غلہ ملتا تھا۔ بادشاہ نے خزانے کا منہ کھول دیا۔ لوگوں کی بڑی مدد کی مگر حالات روز بروز بگڑتے چلے گئے۔ خود بادشاہ انتہائی پریشان تھا۔ اس نے گھبرا کر علما و مشائخ کو نمازِ استسقا کے لیے بھیجا۔ مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ لوگ مزید مصیبت میں مبتلا ہو گئے اور احمد شاہ کی حکومت کو منحوس قرار دینے لگے۔ بادشاہ انتہائی پریشانی

❶ تفصیل کے لیے دیکھیے تاریخ فرشتہ' ج ۱ ص ۴۷۳ تا ۴۹۵۔ محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن' ص ۴۱۵ تا ۴۷۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے عالم میں ایک روز خود باہر نکلا۔ نمازِ استسقا کے لیے جنگل میں گیا۔ ایک بلند ٹیلے پر جا کھڑا ہوا۔ چند رکعت نماز ادا کی۔ نہایت عجز و انکسار سے زمین پر سر رکھ دیا۔ زار و قطار رونے لگا۔ انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ سے بارش کی دعا کی اور قحط سالی دور کرنے کے لیے ملتجی ہوا۔ تھوڑی دیر بعد آسمان پر بادل چھائے اور زور سے مینہ برسنے لگا۔ بادشاہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور سجدے میں پڑا رہا۔ کپڑے بارش سے تر ہو گئے۔ لوگ گھبرائے اور اس سے گھر جانے کی درخواست کی۔ بولا میں آبِ رحمت سے نہیں بھاگوں گا۔ لوگوں نے زور زور سے کہنا شروع کیا ''اے احمد شاہ ولی تیری ولایت معلوم ہو گئی۔ اب شہر کی طرف مراجعت کر تا کہ ہم بھی آرام کریں۔'' پھر گھر آیا اور اس وقت سے احمد شاہ ولی کے نام سے مشہور ہو گیا۔

مسلمانوں سے لڑائی نہ کی جائے۔ علمائے کرام کی رائے:

ایک مرتبہ والیٔ مالوہ ہوشنگ شاہ نے کچھ ایسی حرکتیں کیں کہ احمد شاہ کو اس سے مقابلے کے لیے میدان میں نکلنا پڑا اور لڑائی کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا۔ مولانا عبدالغنی اور مولانا نجم الدین جو احمد شاہ کے ارکانِ سلطنت میں سے تھے' اس صورتِ حال سے بے حد پریشان ہوئے اور احمد شاہ سے کہا کہ ہوشنگ شاہ بھی مسلمان ہے اور آپ بھی مسلمان ہیں۔ سلاطین بہمنیہ نے آج تک کسی مسلمان سے جنگ نہیں کی۔ اب آپ اپنے ایک غیر مسلم باجگزار نرسنگھ کی حمایت میں مسلمانوں سے جنگ کے لیے نکل کھڑے ہوئے ہیں' یہ غلط بات ہے۔ احمد شاہ علمائے کرام کی اس گفتگو سے بہت متاثر ہوا اور فوج کو واپس جانے کا حکم دے دیا۔ لیکن ہوشنگ شاہ نے احمد شاہ کی اس مراجعت کو اس کی بزدلی پر محمول کیا اور اس کا تعاقب کرنے لگا۔ احمد شاہ نے تنگ آ کر علما کو جمع کیا اور کہا کہ اب مجبوراً لڑنا پڑے گا اور قرآن و حدیث کی رو سے عقاب و عذاب کا مستوجب وہی ٹھہرے گا جو عاصی و نافرمان ہو گا۔ چنانچہ لڑائی ہوئی اور ہوشنگ شاہ کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ فریقین کے بے شمار آدمی موت کے گھاٹ اتر گئے' جس کا احمد شاہ کو انتہائی صدمہ ہوا۔ ہوشنگ شاہ کے اہل و عیال گرفتار ہوئے اور احمد شاہ نے ان کو عزت و احترام سے رکھا اور خلعت و انعام دے کر پورے اعزاز کے ساتھ واپس مالوہ بھیجا۔

احمد شاہ نیک اطوار اور راست باز حکمران تھا۔ وہ ہر ایک سے حسن اخلاق کے ساتھ پیش آتا اور فقرا و مشائخ کی بے حد تکریم کرتا تھا۔

علامہ محمد بن ابوبکر مخزومی دمامینی کا عزم دکن:

احمد شاہ کی علم دوستی اور اہل علم کی قدر دانی کے واقعات سن کر بہت سے علما و فقہا دکن تشریف لے آئے تھے' جن میں ایک عالم دین علامہ محمد بن ابوبکر مخزومی دمامینی کا نام بھی کتب تاریخ میں مرقوم ہے۔ یہ وقت کے بہت بڑے ادیب اور عالم و فاضل بزرگ تھے۔ عرب سے گجرات آئے۔ وہاں کی علمی و ادبی محفلوں میں شریک ہوئے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور مختلف علوم وفنون میں علمائے گجرات سے ان کی بحثیں ہوئیں۔ گجراتی علما ان کا مقابلہ نہ کر پاتے۔ ہر بحث میں یہ ان کو عاجز کر دیتے تھے۔ بالآخر انھوں نے ان کے علم وفضل کا لوہا مانا اور ان سے استفادہ کرنے لگے۔ علامہ محمد بن ابوبکر دمامینی یوں تو تمام علوم کے ماہر تھے' لیکن نحو' ادب اور عروض میں تو کوئی عالم اس وقت ان کی ٹکر کا نہ تھا۔ انھوں نے گجرات میں سلسلہ تدریس شروع کیا اور طلبائے علم وسیع تعداد میں ان کی خدمت میں حاضر ہونے اور استفادہ کرنے لگے۔ پھر گجرات میں دکن کے حکمران احمد شاہ بہمنی کی علم دوستی کی شہرت سنی تو دکن کا قصد کیا اور گلبرگہ پہنچے۔ احمد شاہ سے ملاقات ہوئی تو وہ بڑے اکرام سے پیش آیا۔ دکن میں انھوں نے نحو کی ایک کتاب 'وافی' کی جو علم نحو کی کتابوں میں متن متین کی حیثیت رکھتی ہے' شرح لکھی اور منہل الصافی شرح الوافی' اس کا نام رکھا۔ اس شرح کو انھوں نے سلطان احمد شاہ بہمنی کے نام معنون کیا۔ اس کے دیباچے میں حمد وثنا کے بعد احمد شاہ کی تعریف کی گئی ہے۔ یہ کتاب کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد (دکن) میں موجود ہے [1]۔

احمد شاہی عہد کے علمائے کرام:

سلطان احمد شاہ بہمنی کے عہد میں بہت سے علمائے کرام نے دکن کو اپنا مسکن ٹھہرا لیا تھا۔ ان میں سے مولانا محمد گازرونی' ملا احمد قزوینی' میر ابوالقاسم جرجانی' علامہ محمد بن ابوبکر مخزومی دمامینی' مولانا عبدالغنی مانڈوی' مولانا نجم الدین' مولانا لطف اللہ سبزواری' مولانا محمد تقی الدین اور مولانا غیاث الدین انجو خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان علما میں سے بعض تو باقاعدہ رکن حکومت تھے اور بادشاہ ان کی بڑی تکریم کرتا تھا۔ وہ ان کی مجلسوں میں بیٹھتا' ان سے استفادہ کرتا' مسائل شرعی دریافت کرتا اور قرآن وحدیث کے احکام سنتا تھا۔

زوالِ سلطنت کے اسباب..... ملا احمد قزوینی کی تقریر:

سلطان فیروز شاہ اور احمد شاہ ہمیشہ علما کی مجلس میں بیٹھتے اور مختلف ملکی معاملات سے متعلق ان کی رائے لیتے تھے۔ ایک دن ان دونوں نے دورِ ماضی کے سلاطین اسلام کی ترقی وتنزل کے اسباب کے بارے میں علما سے استفسار کیا تو ملا احمد قزوینی نے جو تبحر عالم اور فاضل بزرگ تھے' مجمع علما میں' ان دونوں بہمنی سلاطین کے سامنے اس موضوع پر تقریر کی اور اس ضمن کے تیرہ اسباب کی وضاحت فرمائی جو اختصار کے ساتھ درج ذیل ہیں:

① انھوں نے بتایا کہ ابتدائے اسلام میں حکومت کی بنیاد امت کے معززین کی رائے اور مشورے پر قائم تھی۔ بادشاہ خادم اور رعیت مخدوم تھی' جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: سید القوم خادمهم۔ خلافت راشدہ کے زمانے تک شورائی عمل جاری رہا۔ کسی فرد مسلم نے اس سے انکار نہیں کیا۔ خلافت راشدہ کے منقرض ہونے کے بعد جب سلطنت وامارت کا دور شروع ہوا تو شوریٰ

[1] محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن ص ۵۰۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی عمارت منہدم ہوگئی اور شخصی حکومت قائم ہوئی' جس میں بادشاہ مخدوم ٹھہرا اور رعیت خادم قرار پا گئی۔ ولی عہدی کا سلسلہ وجود میں آیا' تمام سلاطین اسی پر عمل کرتے رہے۔ اس سے شخصی طریق سلطنت کا رواج پڑ گیا۔ اس نے جہاں شورائی نظام کو ختم کیا' وہاں مسلمانوں کو بھی تباہ کر ڈالا۔ ان کی ترقی کی رفتار بالکل رک گئی اور اقبال' ادبار سے بدل گیا۔ یہ اسلامی سلطنت کے زوال کا پہلا سبب ہے۔

(۲) اس کے زوال کا دوسرا سبب' مسلمان حکومتوں میں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہے۔ ایک ہی ملک اور ایک ہی علاقے میں کئی کئی حکومتیں قائم ہیں اور سب کمزوری اور ضعف کا شکار ہیں۔ سب ایک دوسرے کی دشمن ہیں اور باہم قتل و غارت کا بازار گرم ہے۔ اس سے اولاً سلطنت میں ضعف پیدا ہوتا ہے' اس کے بعد اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

(۳) تیسرا سبب یہ ہے کہ سلاطین عیش و عشرت میں مصروف ہیں۔ وہ اپنے آپ کو مختار کل سمجھتے ہیں اور جو جی چاہے کرتے ہیں۔ کون ہے جو ان کو کسی معاملے میں ٹوکنے کی جرات کرے۔ حتیٰ کہ وزرا اور عمالِ حکومت بھی اپنے آپ کو بادشاہ تصور کرتے ہیں۔

(۴) چوتھا سبب آپس کی خانہ جنگی ہے۔ اس سے جہاں تاج دار بے تاج ہو جاتا ہے' وہاں رعایا بھی تباہ ہو جاتی ہے۔ ملک کے معززین ذلت کے گڑھے میں گر جاتے ہیں اور اکثر لوگ تو ترکِ وطن پر مجبور ہو جاتے ہیں اور در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔

(۵) پانچواں سبب کارپردازانِ حکومت کا باہمی اختلاف ہے۔ ایک فریق کوئی قدم اٹھاتا ہے تو دوسرا اس کی مخالفت پر اتر آتا ہے' جس سے سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

(۶) چھٹا سبب سلاطین کی خود غرضی اور خود پسندی ہے۔ اکثر سلاطین رعایا کے مفاد سے بے خبر ہیں اور من مانی کرتے ہیں۔ انھوں نے قانون کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے' جس بے گناہ کو چاہا قتل کر دیا' جس گناہ گار کو چاہا بری کر دیا۔ جسے جی چاہا اونچے سے اونچے منصب پر فائز کر دیا اور جسے چاہا الگ کر دیا۔ نہ کسی کا جرم دیکھا' نہ کسی کی نیکی کا خیال کیا۔ لیاقت اور نالائقی کو ناپنے کا ان کے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ بس ان کی مرضی اصل معیار ہے۔ اس سے حکومت کے ملازمین اور رعایا میں بد دلی پھیلتی ہے اور یہ چیز عام طور پر انقراضِ سلطنت پر منتج ہوتی ہے۔

(۷) ساتواں سبب بے جا تعصب اور افراط و تفریط ہے۔ اس سے رسول اللہ ﷺ نے روکا ہے اور اس کے مقابلے میں اعتدال کا سبق دیا ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: خیر الامور اوسطھا۔

(۸) آٹھواں سبب سلاطین کا اسلام کے اصولوں پر قائم نہ رہنا اور شعائرِ اسلامی کی پابندی نہ کرنا ہے۔ اصحابِ فہم علما کے نزدیک زوالِ سلطنت کا یہ سب سے بڑا سبب ہے۔

(۹) نواں سبب سلطنت کے اعلیٰ مناصب پر جہلا کا تقرر ہے۔ اس سے سلطنت کی بنیادیں متزلزل ہو جاتی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں' شاہی خزانہ خالی ہو جاتا ہے اور اخلاق حسنہ کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔

(۱۰) دسواں سبب سلطنت کو موروثی قرار دے لینا ہے' جس کی وجہ سے بعض دفعہ شیر خوار بچوں کو بھی تخت پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں بادشاہت برائے نام رہ جاتی ہے اور اختیار و اقتدار کی باگ ڈور مختلف عہدے داروں کے ہاتھ میں آ جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ نظم سلطنت باقی رہتا ہے اور نہ کسی کا رعب و دبدبہ۔

(۱۱) گیارھواں سبب سلاطین کے دل سے رعایا کے لیے اسلامی ہمدردی کا فقدان اور تالیف قلبی کا ترک کر دینا ہے۔ وہ رعایا کے ساتھ قساوتِ قلبی کا مظاہرہ کرتے اور اس پر ہر قسم کے ظلم روا رکھتے ہیں۔ اس طرزِ عمل سے رعایا ان کی طرف سے بدظن ہو کر مخالفت پر اتر آتی ہے' جس کا نتیجہ بالآخر سلطنت کا خاتمہ ہوتا ہے۔

(۱۲) بارھواں سبب یہ ہے کہ غیر مذہب کے لوگ از روئے نفاق اسلام قبول کر کے مسلمانوں کا حصہ بن جاتے ہیں۔ پھر کسی طرح بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو جاتے ہیں اور ایسے اقدام کرتے ہیں کہ جس سے مسلمانوں میں فتنہ و فساد بپا ہو جاتا ہے۔ رعایا کئی حصوں میں بٹ جاتی ہے۔ نتیجتاً سلطنت میں کمزوری کے آثار اُبھر آتے ہیں۔

(۱۳) تیرھواں سبب' سلاطین کا عیاشی میں پڑ جانا' ان کی بیویوں کا بے راہ روی اختیار کر لینا اور ان کی اولاد کا مختلف نوع کی برائیوں کو اپنا لینا ہے۔

زوالِ سلطنت کے یہ اسباب بتانے کے بعد ملا احمد قزوینی نے کہا: اے بادشاہ! جب تک سلطنت کے اصول جمہوری نہ ہوں گے' سلطنت کبھی قائم نہ رہ سکے گی۔ سلطنت کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اصول و قوانین جیسا کہ اسلام نے بتایا ہے جمہور کی آرا اور مجلس شوریٰ کے فیصلوں کے مطابق ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہو گا تو اس کا قائم رہنا اور مستحکم ہونا دشوار ہے۔ اگر قائم رہی اور چلی بھی تو اس کی عمر زیادہ نہیں ہو سکتی۔

زوالِ سلطنت کے یہ تیرہ اسباب ہم نے اختصار کے ساتھ درج کیے ہیں۔ اندازہ کیجیے' اس مطلق العنانی کے زمانے میں ایک بادشاہ اور ایک ولی عہد کے سامنے ایک عالم دین بھری مجلس مین کس جرات اور دلیری کے ساتھ بات کرتا ہے اور کس انداز سے مسلمانوں کی سلطنت کے زوال کے اسباب کی وضاحت کرتا ہے۔

وفات:

سلطان احمد شاہ بہمنی نے ۲۸ رجب ۸۳۸ھ (۲۷ فروری ۱۴۳۵ء) کو اس دارِ فانی سے عالم بقا کو رحلت کی اور حکومت کے بارِ گراں سے سبک دوش ہوا۔ اس کی مدت فرماں روائی بارہ سال دو مہینے ہے [1]۔

[1] مفصل حالات کے لیے دیکھیے تاریخ فرشتہ ج ۱' ص ۴۹۵ تا ۵۱۰۔ محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن ص ۴۷۸ تا ۵۲۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان علاء الدین بہمنی:

سلطان احمد شاہ بہمنی کی وفات کے بعد یکم شعبان ۸۳۸ھ (۲/ مارچ ۱۴۳۵ء) کو اس کا بیٹا سلطان علاء الدین بہمنی دکن کی مسند حکومت پر فائز ہوا۔ یہ رقیق القلب' نرم خو' نیک سیرت' رحم دل' عدل گستر' رعایا پرور اور پاکیزہ سیرت بادشاہ تھا۔ تدین اور پابندیٔ شرع میں یکتا تھا۔ سلطنت کے معاملات پر گہری نظر رکھتا تھا۔ ملکی نظم ونسق کو بہتر طریق سے قائم رکھنے اور مستحکم کرنے میں انتہائی مستعد تھا۔ اس کے ارکانِ سلطنت میں علما بھی شامل تھے' جن میں ملا احمد قزوینی' مولانا عبدالغنی' قاضی محمد سراج' ملا محمد گازرونی اور ملا ابوالقاسم جرجانی لائق تذکرہ ہیں۔

علاء الدین بہمنی نے جہاں ملک کو عدل وانصاف سے بھر دینے اور رعایا کو خوش حال بنانے کی کوشش کی' وہاں مملکت کو وسعت دینے اور تعلیم کو عام کرنے کے لیے بھی ساعی ہوا۔

حدود شرعیہ کا نفاذ اور عادات واخلاق:

اس نے ممالک محروسہ کے ہر گاؤں اور قصبے میں قاضی' مفتی اور محتسب مقرر کیے اور انھیں سخت تاکید کی کہ شرعی احکام کے اجرا اور عوام کو منہیات سے روکنے میں تغافل نہ کریں۔ ملک میں شراب کی بالکل ممانعت تھی۔ اگر کوئی شراب نوشی کے جرم کا مرتکب ہوتا تو اسے شرعی سزا دی جاتی۔ اس معاملے میں وہ کسی کی رعایت نہ کرتا۔ تاریخ فرشتہ کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ سید محمد حسینی گیسو دراز کے پوتے نے ایک فاحشہ عورت کے ساتھ شراب پی' اسے زدوکوب کیا اور اس کی چٹیا کاٹ دی کوتوال نے اسے پکڑ کر بادشاہ کو اطلاع دی تو بادشاہ نے اس کے پاؤں پر دوسو کوڑے مارے اور فاحشہ کو گدھے کی کھال اوڑھا کر تشہیر کیا اور پھر شہر بدر کر دیا۔

نہایت انصاف پسند بادشاہ تھا' ظلم کو کسی شکل میں برداشت نہ کرتا۔ ظالموں کو شدید سزائیں دیتا۔ معدلت گستری میں وہ امیر وغریب اور چھوٹے بڑے کے درمیان کسی امتیاز کا روادار نہ تھا۔ قمار بازوں اور بدمعاشوں کا شدید دشمن تھا۔ دریوزہ گروں اور گداگروں کو کسب معاش کی تاکید کرتا اور بھیک مانگنے سے سختی سے روکتا' ان کو محنت مزدوری سے کما کر کھانے کا حکم دیتا۔

مشائخ وعلماء کو حکم تھا کہ وہ لوگوں کو منہیات سے روکیں' انھیں اسلامی آداب واخلاق کی تعلیم دیں اور صراط مستقیم پر قائم رہنے کی تاکید کریں۔ اس نے ملک کے ہر حصے میں شفاخانے قائم کیے اور لوگوں کے علاج کے لیے ان میں تنخواہ دار اطبا مقرر کیے۔ علوم وفنون کو عام کرنے کی غرض سے دارالعلوم جاری کیے' جن میں ملک کے مختلف حصوں کے طلبا حصولِ علم کے لیے آتے تھے۔

ایک واقعہ:

سلطان علاء الدین کا معمول تھا کہ وہ نماز کے لیے مسجد جاتا۔ جمعہ اور عیدین کی نمازیں بھی مسجد میں ادا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتا' کبھی کبھی خود بھی خطبہ دیتا تھا۔ عربی اور فارسی کا عالم تھا اور اچھی تقریر کرتا تھا۔ جمعہ اور عید کے خطبے میں وہ اپنا نام ان الفاظ کے ساتھ لیتا۔

السلطان العادل الکریم الحکیم الرؤف علی عباده اللّٰه الغنی علاء الدنیا والدین علاء الدین بن اعظم السلاطین احمد شاه ولی بهمنی۔

ایک مرتبہ جمعے کے روز ایک عرب تاجر جامع مسجد میں آیا۔ اس نے اپنے گھوڑے بادشاہ کے وزرا کے ہاتھ فروخت کیے تھے۔ لیکن وزرا اسے رقم ادا کرنے میں حیلے بہانوں سے کام لے رہے تھے۔ عرب تاجر ان کے اس رویے سے تنگ آ گیا تھا۔ وہ جمعہ کے روز منبر کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ اس بات سے آگاہ تھا کہ بادشاہ نے کسی وجہ سے بعض سادات کو قتل کیا ہے۔ جب بادشاہ نے حسب معمول یہ الفاظ کہے:

السلطان العادل الکریم الحلیم الرؤف علی عباداللّٰه الغنی علاء الدنیا والدین علاء الدین بن اعظم السلاطین احمد شاه ولی بهمنی

تو وہ عرب تاجر اپنی جگہ سے اٹھ کر بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور بلند آواز سے بولا:

لا واللّٰه لا عادل ولا کریم ولا رحیم ولا رؤف' ایها الظالم الکذاب تقتل الذریة الطاهرة وتتکلم بهذا الکلمات علیٰ منابر المسلمین۔

یعنی خدا کی قسم! اے ظالم و دروغ گو نہ تو عادل ہے' نہ کریم ہے' نہ بردبار اور مہربان ہے۔ اولادِ طاہرہ یعنی سادات کو قتل کرتا ہے اور مسلمانوں کے منبروں پر کھڑا ہو کر اس قسم کے کلمات زبان سے نکالتا ہے جو خلاف واقع ہیں۔

بادشاہ پر عرب تاجر کا یہ کلام نہایت موثر ثابت ہوا۔ بہت رویا' اسی وقت گھوڑوں کی قیمت ادا کر دی اور کہا جن لوگوں نے مجھ کو بدنام کیا ہے وہ لوگ خدا کے غضب سے رہائی نہیں پائیں گے۔ مسجد سے آ کر محل میں داخل ہوا' پھر تادمِ مرگ گھر سے باہر قدم نہیں رکھا۔ اس کا جنازہ ہی باہر نکلا۔ ۸۶۲ھ (۱۴۵۸ء) میں اس دارِ ناپائیدار سے عالم بقا کو کوچ کر گیا۔ اس کی مدت سلطنت تینتیس (۳۳) سال نو مہینے بیس دن ہے۔ تراسی (۸۳) سال عمر پائی[1]۔

اس کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں وارثِ تخت و تاج بنا' جو نہایت ظالم و سفاک تھا اور اپنے بے پناہ مظالم کی بنا پر لوگوں میں ہمایوں شاہ بہمنی ظالم مشہور تھا۔ یعنی لفظ ظالم اس کے نام کا مستقل جز بن گیا تھا۔

بادشاہوں کی تاریخ:

یہ نویں صدی ہجری کے شاہانِ ہند کی ان مساعی کا مختصر تذکرہ تھا' جو انھوں نے فروغِ علم اور خدمت خلق

[1] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۴۹۵ تا ۵۱۰۔ محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن ۵۲۶ تا ۵۶۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بارے میں انجام دیں اور جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک علما و فقہا کا مرتبہ کتنا بلند تھا اور اشاعت علم اور تبلیغ دین کے باب میں وہ کس درجہ ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ اگرچہ ان میں سے بعض حکمرانوں کی زندگی کا اسلوب اسلامی احکام سے پوری طرح ہم آہنگ نہ تھا' تاہم علم و علما سے ان کو خاص تعلق تھا۔ ان کے عہد میں ترقی علم کی راہیں کشادہ ہوئیں' فکر و عمل کے دائروں نے وسعت اختیار کی اور اصحاب علم نے محض خدمت دین کو اپنا مطمح نظر ٹھہرایا۔

یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ بادشاہوں کی تاریخ' زیادہ تر ان کے جنگی کارناموں اور شمشیر و سناں کے محور کے گرد گھومتی ہے اور مورخ کا قلم عام طور پر ان کی بہادری اور شجاعت کی داستانیں بیان کرنے میں سرگرداں نظر آتا ہے' حالاں کہ ان میں سے اچھی خاصی تعداد نے اسلامی و دینی امور کی نشر و ذیوع کو بھی شائستہ التفات ٹھہرایا اور اسلام کی تہذیبی و ثقافتی اقدار کو پھیلانے کے لیے کوششیں کیں' مگر تاریخ کے ڈھیر میں ان کو کسی خاص ترتیب اور عنوان کے تحت تلاش کرنا بہت مشکل ہے۔ ان کی زندگی کے ان گوشوں کی نشان دہی یا تو بزرگان دین کے ملفوظات سے ہوتی ہے یا مختلف کتب تاریخ کے واقعات کو کھنگالنے کے بعد مطلب کی کوئی شے ہاتھ آتی ہے۔ ہم کتاب کا مقدمہ لکھنے بیٹھے تو یہی مشکل سامنے آئی اور بہت سی کتابوں کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ ان سے جو مواد ہمیں مل سکا ہے' اس کا ضروری حصہ ایک ترتیب کے ساتھ حوالۂ قرطاس کر دیا گیا ہے۔

محمد اسحاق بھٹی
اسلامیہ کالونی
سانده۔ لاہور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نویں صدی ہجری

الف

۱۔ قاضی ابراہیم بن فتح اللہ ملتانی

قاضی ابراہیم بن فتح اللہ بن ابوبکر بن فخر الدین بن بدرالدین ربیعی اسماعیلی غوری۔ فقہ واصول اور علوم عربیہ کے جیّد علما میں سے تھے۔ ملتان میں پیدا ہوئے' وہیں نشوونما پائی اور اسی شہر میں اپنے عصر کے مشہور اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر جنوبی ہند کے لیے عازمِ سفر ہوئے اور وہاں کے مختلف شہروں میں گھومتے ہوئے سلطان علاء الدین بہمنی کے ایام حکومت میں شہر بیدر میں داخل ہوئے اور اس سے تعلقات وروابط استوار کیے۔ اس کی وفات کے بعد اس کے دو بیٹوں...... انام شاہ اور محمد شاہ...... کے اتالیق مقرر کیے گئے۔ محمد شاہ بہمنی ان کا بے حد احترام کرتا تھا۔ وہ تخت حکومت پر متمکن ہوا تو اس نے ان کو شہر بیدر کا قاضی مقرر کر دیا اور پھر دکن میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے منصب بلند پر فائز ہوئے۔ زہد وعبادت' اتقاوتورع اور شریعت مطہرہ پر کامل استقامت کے ساتھ ساتھ انھوں نے نہایت آسودہ زندگی بسر کی۔ قضا وغیرہ کی نازک مصروفیات کے باوصف تصنیف وتالیف کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ چنانچہ متعدد کتابیں تصنیف کیں' جن میں سے ایک کتاب کا نام معارف العلوم ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور علوم وفنون کی تعریفات کے موضوع پر مشتمل ہے۔ ان کی اولاد اور ان کے اخلاف میں چند جید علما اور اونچے درجے کے صلحا پیدا ہوئے جن میں ایک ان کے بیٹے شیخ محمد بن ابراہیم ملتانی تھے۔ قاضی ابراہیم بن فتح اللہ ملتانی نے ۷ جمادی الاخریٰ ۸۶۵ھ (۲۰/ مارچ ۱۴۶۱ء) کو بیدر میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے [1]۔

۲۔ شیخ ابوالفتح جون پوری

شیخ ابوالفتح کا سلسلہ نسب یہ ہے: شیخ ابوالفتح بن عبدالحی بن عبدالمقتدر بن رکن الدین شریحی کندی دہلوی جون پوری۔

[1] نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۳۰۲ بحوالہ مخزن الکرامات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ ابوالفتح ۱۴ محرم ۷۷۲ھ (۱۸ اگست ۱۳۷۰ء) کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت سے پہلے والد مکرم شیخ عبدالحی وفات پا چکے تھے۔ لہٰذا اپنے جد محترم شیخ عبدالمقتدر کی نگرانی میں تربیت پائی۔ انہی سے علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کی اور انہی کے فیض صحبت سے طریقت وتصوف سے بہرہ یاب ہوئے۔ تحصیل علم کے بعد مسند تدریس پر فائز ہوئے اور اپنے زمانے کے دیارِ ہند کے مشہور اساتذہ میں گردانے گئے۔ طویل عرصے تک دارالسلطنت دہلی میں مسند تدریس پر متمکن رہے اور بے شمار تشنگانِ علم کی علمی تشنگی بجھانے کے فرائض انجام دیے۔ ان کے دادا کی خاص طور پر ان کو وصیت تھی کہ ہمیشہ درس وافادۂ عام میں مشغول رہنا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے استاذ ومرشد دادا کی اس وصیت پر تادم واپسیں عمل پیرا رہے۔ عالم وفاضل، فصیح وبلیغ اور جامع معقول ومنقول تھے۔ شاعر بھی تھے اور عربی وفارسی میں قصائد واشعار کہتے تھے۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے فقہی بحثیں:

ان کے معاصرین میں علمی اعتبار سے اونچے درجے کے علمائے کرام کے نام تذکروں میں مذکور ہیں، جن میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا اسم گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ اصول وکلام اور مسائل فقہیہ میں قاضی شہاب الدین سے اکثر ان کی بحثیں رہتیں۔ بالخصوص زباب گربہ یعنی مشک بلائی کے باب میں جو بلی کے عرق سے ٹپکتا ہے، دونوں فقہا کے درمیان خوب گرما گرم مباحثے ہوئے۔ شیخ ابوالفتح اسے نجس قرار دیتے تھے اور قاضی شہاب الدین اس کی طہارت کے قائل تھے۔ اس موضوع سے متعلق ان دونوں اصحابِ علم کی طرف سے کئی رسائل تصنیف ہوئے۔ لیکن اس بحث کے جو حصے شیخ ابوالفتح کی اولاد کی وساطت سے نقل ہوئے ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اندازِ گفتگو میں قاضی شہاب الدین کا پلہ بھاری تھا اور شیخ ابوالفتح کا اندازِ استدلال ان کے مقابلے میں کمزور تھا۔

دہلی سے ہجرت اور جون پور میں قیام:

شیخ ابوالفتح کا وطن دہلی تھا اور یہ پہلے وہیں سکونت رکھتے تھے، لیکن جب مغل حکمران تیمور لنگ دہلی پر حملہ آور ہوا اور اس نے دہلی پر قبضہ کر کے شہر میں قتل وغارت کا بازار گرم کیا تو لوگوں نے دہلی کی سکونت ترک کر کے جون پور کا قصد کیا۔ جون پور جانے والے اس گروہ میں علما بھی شامل تھے اور عوام بھی۔ شیخ ابوالفتح بھی اس گروہ میں شریک تھے۔ قاضی شہاب الدین بھی دہلی میں مقیم تھے، وہ بھی تیمور کی غارت گری سے خوف زدہ ہو کر جون پور چلے گئے تھے۔

لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ شیخ ابوالفتح کے گھر میں سونے کی بارش ہوتی ہے۔ یہ بات صرف عوام سے سننے میں آئی، شیخ کے ان واقعات وملفوظات میں، جو ان کے خلفا نے ان کے بعد جمع کیے اور باقاعدہ کتابی شکل میں مرتب ہوئے، کہیں منقول نہیں ہے۔ ان کی اولاد اسے محض افسانہ قرار دیتی تھی اور اس کو صحیح نہیں مانتی تھی۔ البتہ ان کی اولاد میں سے ایک بزرگ شیخ عبدالوہاب اسے صحیح قرار دیتے تھے، جو ان کی اولاد میں بلند مرتبے کے حامل تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سلسلے میں شیخ عبدالوہاب یہ کہتے ہیں کہ شیخ ابوالفتح نے ایک کتاب مرتب کی ہے جو ان کے جدامجد قاضی عبدالمقتدر کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ اس میں انھوں نے قاضی عبدالمقتدر کے خلیفہ اور شیخ نصیرالدین محمود چراغِ دہلی کے صحبت یافتہ قاضی شہ کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا ہے جو انھوں نے خود قاضی شہ سے سنا۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ قاضی شہ ایک روز قاضی عبدالمقتدر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس روز ان کے گھر میں کھانے کو کوئی چیز نہ تھی اور وہ تین دن سے فاقے سے تھے اور غالباً قاضی عبدالمقتدر کی زبان سے ان کے سامنے اس کا اظہار بھی ہو گیا تھا۔ قاضی شہ نے یہ سنا تو بہت متاثر ہوئے اور ان کے دل میں ایک صدمہ سا پیدا ہوا۔ اسی تاثر اور قلبی تکلیف کے ساتھ وہ باہر نکلے اور ان کے مکان کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ ناگہاں کیا دیکھتے ہیں کہ دس پندرہ اور پچیس رائج الوقت سکے (جن کو کافی کہا جاتا تھا) ان پر گرے۔ انھوں نے وہ سکے اٹھائے اور قاضی عبدالمقتدر کی خدمت میں پیش کر دیے۔ ساتھ ہی اپنے تاثر و صدمہ کی کیفیت بھی بیان کر دی۔ قاضی صاحب ان سکوں کو دیکھتے ہی اور قاضی شہ کی بات سنتے ہی غصے میں آ گئے۔ انھوں نے ہر چند منت وزاری سے کوشش کی کہ وہ یہ سکے قبول کر لیں، مگر جیسے جیسے ان کا اصرار بڑھتا گیا، اسی نسبت سے ان کے غیظ و غضب میں اضافہ ہوتا گیا۔ جب انھوں نے ان کو قبول کرنے سے بالکل ہی انکار کر دیا تو ان کے معتقدین نے یہ سکے قاضی شہ سے اچھا خاصا مال دے کر خرید لیے۔ بس اس واقعہ کی اتنی ہی حقیقت ہے۔

شیخ ابوالفتح نے جمعہ کے روز ۱۳ ربیع الاول ۸۵۸ھ (۱۳ مارچ ۱۴۵۴ء) کو جون پور میں وفات پائی[1]۔

ان کے جدامجد قاضی عبدالمقتدر:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں شیخ ابوالفتح جون پوری کے جدامجد قاضی عبدالمقتدر کے بھی مختصر حالات بیان کر دیے جائیں۔ ان کو دہلوی بھی کہتے ہیں، تھانیسری بھی کہتے ہیں اور جون پوری بھی۔ ان کے اجداد دیارِ ہند میں آئے تو سب سے پہلے دہلی آ کر سکونت پذیر ہوئے تھے، اس لیے دہلوی کہلائے۔ پھر تھانیسر کو اپنا مسکن بنا لیا تھا، لہٰذا تھانیسری کی طرف منسوب ہوئے اور تھانیسری کی نسبت سے پکارے گئے۔ بعد میں حملہ تیمور کے زمانے میں ان کے بیٹے اور پوتے دہلی چھوڑ کر جون پور چلے گئے تھے، اس لیے جون پوری کی نسبت سے شہرت پائی۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے: عبدالمقتدر بن محمود بن سلیمان شریحی کندی۔ عبدالمقتدر کا لقب منہاج الدین اور ان کے والد کا رکن الدین تھا۔ قاضی شریح کندی کی اولاد سے تھے۔ ان کے دادا سلیمان سلطان قطب الدین خلجی کے زمانے میں واردِ ہند ہوئے اور دہلی کے شمالی علاقوں کے قاضی مقرر کر دیے گئے۔ انھوں نے فرائض قضا بڑی محنت اور دیانت داری سے انجام دیے اور تھانیسر میں سکونت اختیار کی۔ قاضی سلیمان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے قاضی محمود کو جو

[1] اخبار الاخیار، ص ۱۷۵۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۳۔ تاریخ شیراز ہند جون پور، ص ۶۰۳ تا ۶۰۵۔ حدائق الحنفیہ، ص ۳۲۳، ۳۲۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکن الدین کے لقب سے ملقب تھے' ان کی جگہ قاضی مقرر کیا گیا۔ خلجی سلطنت میں ان کو بڑی تکریم کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور شہر تھانیسر میں وہ بہت ہی اعزاز کے مالک تھے۔

قاضی عبدالمقتدر عالم و فاضل' فیاض طبع اور درویش کامل تھے۔ شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی کے خلیفہ اور مشہور عالم دین قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے استاذ تھے۔ عربی و فارسی کے شاعر اور فصاحت و بلاغت میں بلند مرتبے کے حامل تھے۔ ان کے قصائد میں سے وہ قصیدہ جو انھوں نے لامیۃ العجم کے جواب میں کہا' ان کے کمالِ فصاحت پر دلالت کناں ہے۔ ہمیشہ درس و تدریس میں مصروف اور افادۂ عام میں مشغول رہے اور واقعہ یہ ہے کہ شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی کے اکثر خلفا کا طریق یہی تھا۔ طلبا کو تحصیل علم اور احکامِ شریعت پر کاربند رہنے کی نصیحت فرماتے۔ کہا کرتے کہ ایک مسئلہ شرعی پر غور کرنا' ان ہزار رکعت کی عبادت پر فضیلت رکھتا ہے' جس میں کبر و ریا کی آمیزش پائی جاتی ہو۔

منقول ہے کہ طالب علمی کے زمانے میں شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی کی خدمت میں جا کر بعض مسائل سے متعلق بحث کیا کرتے تھے اور شیخ انھیں ذاتی طور پر اور ان کی بحثوں کو علمی طور پر پسند فرماتے تھے اور انھیں مزید تحصیل علم کی ترغیب دیتے تھے۔ بالآخر وہ ان کے حلقہ بیعت میں داخل ہو گئے اور ظاہری فضائل کے ساتھ باطنی نعمت سے بھی ہم کنار ہوئے۔ قاضی موصوف کے ایک معتقد کی ایک کتاب مناقب الصدیقین کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کتاب مشائخ چشت کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس میں قاضی عبدالمقتدر کے بہت سے احوال و واقعات مندرج ہیں۔

اس کتاب میں ایک واقعہ یہ مرقوم ہے کہ ایک روز ان کے تلمیذ قاضی شہاب الدین کو کہیں سے سونا ہاتھ آ گیا۔ انھوں نے یہ سونا اپنی والدہ کو دیا اور تنہائی میں کہا کہ اس سونے کو کسی جگہ زمین میں دبا دیا جائے۔ اس کے بعد وہ شیخ عبدالمقتدر کی مجلس میں گئے۔ شیخ نے جوں ہی قاضی شہاب الدین کو دیکھا تو فرمایا تم تو زمین میں سونا دفن کرنے کی فکر میں ہو' تمھارا علم سے شغل کہاں باقی رہا ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس ایک طالب علم آتا ہے جس کا پوست علم' مغز علم اور استخوان علم ہے۔ اس طالب علم سے مراد قاضی شہاب الدین دولت آبادی تھے۔ ان کا حلقہ تلامذہ بہت وسیع تھا' جن میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی' ان کے پوتے شیخ ابوالفتح بن شیخ عبدالحی اور بے شمار لوگوں کے نام تذکروں میں موجود ہیں۔

قاضی عبدالمقتدر نے ۲۶ محرم ۷۹۱ھ (۲۵ جنوری ۱۳۸۹ء) کو اٹھاسی سال کی عمر پا کر دہلی میں وفات پائی اور وہیں اپنے والد قاضی محمود کے قریب حوض شمسی کے جانب جنوب میں دفن کیے گئے ❶۔

---

❶ اخبار الاخیار' ص ۱۵۰' ۱۵۱۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان' ص ۲۹ تا ۳۶۔ مآثر الکرام دفتر اول' ص ۱۶۶۔ ابجد العلوم' ص ۸۹۲۔ نزہۃ الخواطر ج ۲' ص ۷۰ تا ۷۶۔ قضاء الارب من ذکر علما النحو والادب' ص ۹۵۔ حدائق الحنفیہ' ص ۲۹۹۔ ۳۱۰۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۱۳۳' ۱۳۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاضی عبدالمقتدر کا قصیدہ لامیہ جو رسول اللہ ﷺ کی مدح میں لکھا گیا ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ کتنے اونچے مرتبے کے شاعر تھے اوران کا کلام کس قدر فصیح و بلیغ تھا:

١۔ یا سائق الظعن فی الاسحار والاصل — سَلِّم علیٰ دار سلمی وابك ثم سل
٢۔عن الظباء التی من دابها ابدا — صیدالْاُسود بحسن الدَّل والنجل
٣۔وعن ملوك كرام قد مضوا قددا — حتّٰی یجیبك عنهم شاهد الطلل
٤۔اضحت اذا بعدت عنها كواعبها — اطلالها مثل اجفان بلا مقل
٥۔فدی فؤادی اعرابیة سكنت — بیتًا من القلب معموراً بلا جوَل
٦۔بخیلة بوصال المستهام بها — والجود فی الخودمثل النجل فی الرجلِ
٧۔كانّها طبیة لكن بینهما — فرقا جلیلا بعظم الساق والكفل
٨۔خیالها عند من یهوی زیارتها — احلی من الامن عندالخائف الوجِل
٩۔كیف السبیل الیها بعد ان حفظت — بالبیض والسُمر فی اعلی ذری الجبل
١٠۔طرقتها فجأة واللیل فی جدل — والذئب فی كسل والقوم فی شغل
١١۔قالت لك الویل هلا خفت من اسد — له براثن كا كالصحالة الذبل
١٢۔فقلت انی ملیك صیده اسد — وصید غیری من ظبی ومن وعل
١٣۔قالت فما تبتغی لا منع قلت لها — كلا فانی عفیف القول والعمل
١٤۔واننی رجل من معشر سَحِبوا — ذیل التبتل والتقوی علی زحل
١٥۔لا یطمعون ولكن كان دَیْدنهم — اعطاءُ ماملكوا كالعارض الهطل
١٦۔اسد اذا سخطوا افنواعدوهم — قوم اذا فرحوا اعطوا بلا ملل
١٧۔ما قال قائلهم یوما لواحدهم — لوكنت من مازن لم تستبح ابلی
١٨۔یاطالب الجاه فی الدنیا تكون غداً — علی شفا حفرة النیران والشعل
١٩۔یا طالب العزفی العقبٰی بلا عمل — هل تنفعك فیها كثرة الامل
٢٠۔یا ایها الطفل انت الطفل فی امل — وشمس عمرك قد مالت الی الطفل
٢١۔یا من تطاول فی البنیان معتمدا — علی القصور و خفض العیش والطول
٢٢۔لانت فی غفلة والموت فی اثر — یعدو وفی یده مستحكم الطُول
٢٣۔واقنع من العیش بالادنی وكن ملكا — ان القناعة كنزعنك لم یزل
٢٤۔ثم اغتنم فرصة من قبل ان ضعفت — قواك من سطوة الامراض والعلل
٢٥۔ولا تكن لمزید الرزق مضطربا — واقنع بما قسم القسَّام فی الازل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

٢٦ـلا تغترر انت في الدنيا فان بها — من عزَّ بَزّفكن منها على وهل
٢٧ـاكالة اكلت كالهِرّ ما ولدت — حيَّالة قتلت من جاء بالحيل
٢٨ـولا مناص من الله العزيز وان — فررت منه الى الدأماء والقُلل
٢٩ـ ياايها الناس ان العمر في سفر — وان اوقاتكم واللّٰه كالظلل
٣٠ـ ان المنايا بلاشك لآتية — وانتم في المنى والمين والكسل
٣١ـللّٰه دَرُّ فقير مالك ابدا — وذي خصاص بفضل الله مكتفل
٣٢ـولم يكن فخره الا بعزةِ من — اعى الا عاجم والا عراب بالدول
٣٣ـمحمد خير خلق اللّٰه قاطبة — هوالذي جل عن مثل وعن مثل
٣٤ـله المزايا بلا نقص ولا شبه — له العطايا بلا من ولا بدل
٣٥ـله المكارم ابهىٰ من نجوم رُجىٰ — له العزائم امضى من قنا البطل
٣٦ـله الفضائل اجدى من عصا كسرت — له الشمائل احلى من جِنَى النحل
٣٧ـله الجمال اذا ما الشمس قدنظرت — اليه قالت الا ياليت ذُلك لي
٣٨ـالنصر قادِمه والفتح خادمه — كلاهما عن حماه غير مرتحل
٣٩ـيااعظم الناس من حاج و معتمر — واكرم الخلق من حافٍ و منتحل
٤٠ـاتيتنا بكتاب جل منفعة — وجئتنا بسبيل ناسخ السبل
٤١ـبعثت بالملة البيضاء راسخة — عفابها سائر الاديان و الملل
٤٢ـافحمت كل بليغ بالكتاب كما — جادلت بالسيف اهل الجدوالجدل
٤٣ـاضحٰى طلوعك بالشمس الضحىٰ ابدًا — وقد غنيت عن الميزان والحمل
٤٤ـأُمَّ التمني اذا جاء تك لسائلة — ارجَعْتَها وهي في عقر مع الحمل
٤٥ـنداك اكثره لا ينتهي ابداً — لكن ادناه اندى من ندى السبل
٤٦ـوعرف طيبك للكفار ضائرة — مسيرة الشهر مثل الورد للجُعَل
٤٧ـلصحبك الغُرّباقِ فضلهُم ابداً — وفضل امتك الزهراء لم يزل
٤٨ـواهل بيتك فينا رحمة نزلت — اهل الطهارة عن رجس وعن وحل
٤٩ـيا سيد المرسلين المكرمين اَدِمْ — شفاعة لعبيد ضارع وجل

١ـ اے صبح اور شام ساربانی کرنے والے۔ دارِ سلمٰی کو سلام کہنا اور رونا' پھر اس سے پوچھنا۔

٢ـ ان ہرنیوں کے بارے میں جن کو ہمیشہ عادت رہی کہ وہ شیروں کو بھی اپنے غمزوں اور تدبیروں سے شکار کر لیتی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ اوران معزز بادشاہوں کے بارے میں بھی پوچھنا جوگروہ درگروہ گزر چکے یہاں تک کہ تمھیں ان کے بارے میں کھنڈر گواہ بن کر جواب دیں۔

۴۔ جب ان کی حسینائیں وہاں سے چلی گئیں تو اس کے بلند مقامات اس طرح (بے رونق) ہوکر رہ گئے جس طرح کہ بغیر دیدے (ڈھیلے) کے پپوٹے۔

۵۔ میرے دل کو ایک ایسی زنِ اعرابیہ نے زخمی کر دیا ہے جس نے دل کے اندر مکمل جگہ بنالی ہے اور وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتی۔

۶۔ جو اس کا دیوانہ ہے اس سے ملنے (وصال) میں بڑی کنجوس ہے اور چہار دیواری میں سخاوت ایسی ہی ہے جیسے فوج میں بخالت کرنا۔

۷۔ وہ (اعرابیہ) گویا ایک ہرنی ہے لیکن دونوں میں ایک بڑا فرق ہے وہ فرق جو پنڈلی کی ہڈی اور ڈھانے کے درمیان ہے۔

۸۔ اس کے دیدار کے خواہش مند کے لیے اس کا خیال بھی اس اطمینان سے زیادہ شریں ہے جو سہمے اور ڈرے ہوئے کو حاصل ہو۔

۹۔ جب اس نے پہاڑ کی بلند چوٹیوں پر سفید چمک دار تلواروں اور گندمی سپروں سے اپنی حفاظت کر رکھی ہو تو بتاؤ اس تک رسائی کیسے ہو۔

۱۰۔ میں شب کو اچانک چل پڑا جب کہ رات بچھڑ رہی تھی۔ بھیڑیے سستی کے عالم میں تھے اور لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول۔

۱۱۔ وہ بولی تیرا ناس ہو تو شیر سے کیوں نہیں ڈرا جس کے پنجے نیشِ مگس کی طرح تیز ہیں۔

۱۲۔ میں نے کہا۔ میں وہ (شکاری) بادشاہ ہوں جس کا شکار شیر ہے اور دوسروں کا شکار ہرن ہے یا پہاڑی بکرا۔

۱۳۔ اس نے کہا۔ تم چاہتے کیا ہو۔ میں نے کہا نہیں۔ میں اپنے قول اور عمل دونوں کی عفت رکھتا ہوں۔

۱۴۔ میں ایسی قوم کا فرد ہوں جو تبتل اور تقویٰ میں زحل (ستارے کی بلندی) پر بھی فخر رکھتی ہے۔

۱۵۔ وہ طمع نہیں رکھتے بلکہ ان کی عادت یہ ہے کہ اپنی چیزیں اس طرح دے دیتے ہیں جیسے بادل جھڑی لگادے۔

۱۶۔ وہ ایسے شیر ہیں کہ غصے میں آجائیں تو اپنے دشمن کو فنا کر دیں اور خوش ہوں تو کسی احساسِ تکلیف کے بغیر سب کچھ لٹا دیں۔

۱۷۔ ان کے ایک فرد نے دوسرے سے کسی روز بھی یہ نہیں کہا کہ اگر میں بنی مازن سے ہوتا تو میری اونٹنی کو مباح نہ سمجھا جاتا۔

۱۸۔ اے دنیا کی عزت کے طالب! کل (بروزِ حشر) تم آگ اور شعلے کی خندق کے کنارے کھڑے ہوگے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۔ اے عقبیٰ میں بلا عمل ہی عزت چاہنے والے۔ کیا تجھے آرزوؤں کی کثرت کوئی نفع پہنچا سکے گی؟

۲۰۔ اے بچے! تم اپنی آرزوؤں میں بچے ہی نکلے۔ تمھاری عمر کا سورج اب ڈوبنے کے قریب ہے۔

۲۱۔ اے وہ جو عمارتوں پر فخر کرتا ہے اور محلات آسودہ زندگی اور امیری پر اعتماد کیے ہوئے ہے۔

۲۲۔ تو غفلت میں پڑا ہے اور موت پیچھے پیچھے دوڑ رہی ہے جس کے ہاتھ میں عمر کی باگ ڈور ہے۔

۲۳۔ معمولی زندگی پر قناعت کر لے تو تو بادشاہ ہو جائے گا۔ قناعت ایک ایسا خزانہ ہے جو تجھ سے کبھی زائل نہ ہوگا۔

۲۴۔ تم فرصت کو غنیمت جانو قبل اس کے کہ تمھارے قویٰ مرض و بیماری غالب آنے سے کمزور ہو جائیں۔

۲۵۔ زیادہ رزق کے لیے مضطرب نہ ہو بلکہ قسام ازل نے جو حصہ مقرر کر رکھا ہے اسی پر قناعت کر۔

۲۶۔ دنیا کے بارے میں دھوکے میں نہ رہو کیونکہ دنیا میں جسے عزت ملتی ہے اس سے چھینی بھی جاتی ہے لہٰذا اس سے ہوشیار رہو۔

۲۷۔ (یہ دنیا) اپنی ہی اولاد کو بلے کی طرح چٹ کر جاتی ہے اور ایسی عیار ہے جو ہر چالاک کا خاتمہ کر دیتی ہے۔

۲۸۔ خدائے غالب (کی گرفت) سے فرار ممکن نہیں۔ اگرچہ بھاگ کر سمندر میں یا پہاڑ کی چوٹی پر کیوں نہ چلے جاؤ۔

۲۹۔ اے لوگو! زندگی اپنا سفر طے کیے جا رہی ہے اور قسم بخدا تمھارے اوقات سائے کی طرح (بھاگ رہے) ہیں۔

۳۰۔ موت تو بلاشبہ آ کر رہے گی مگر تم ہو کہ آرزو فریب اور سستی میں پڑے ہو۔

۳۱۔ کیا کہنے ہیں اس درویش کے جو بادشاہی کرتا ہے اور جھونپڑا رکھتا ہے اور اللہ کا فضل ہمیشہ اس کے شامل حال رہتا ہے۔

۳۲۔ اس کا یہ فخر صرف اس کی خاطر ہوتا ہے جس نے غلبہ حاصل کر کے عرب و عجم کو عاجز کر دیا۔

۳۳۔ محمد ﷺ اللہ کی تمام مخلوق سے قطعی طور پر افضل ہیں اور کسی نظیر یا مثال سے بالاتر ہیں۔

۳۴۔ آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی جن اوصاف سے مزین ہے ان میں کوئی کمی یا بیشی نہیں اور آپ ﷺ کے جو عطایا ہیں ان پر نہ احسان جتایا نہ معاوضہ طلب کیا۔

۳۵۔ آپ ﷺ کے مکارم شب تاریکی کے ستاروں سے بڑھ کر روشن اور نمایاں ہیں اور آپ ﷺ کے عزائم بہادر کے نیزوں سے زیادہ کام کرنے والے ہیں۔

۳۶۔ آپ ﷺ کے فضائل (عصائے موسوی) سے زیادہ نفع بخش ہیں اور آپ ﷺ کی سیرت پیداوارِ مگس (شہد) سے زیادہ شیریں ہے۔

۳۷۔ آپ ﷺ کا جمال ایسا ہے کہ اگر سورج دیکھے تو یہ کہہ اٹھے کہ کاش یہ مجھے حاصل ہوتا۔

۳۸۔ نصرت آپ ﷺ کے آگے آگے چلتی ہے اور فتح آپ ﷺ کی خدمت میں لگی ہوئی ہے اور یہ دونوں آپ ﷺ کی چراگاہ سے باہر قدم نہیں رکھتیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۹۔ اے تمام حج اور عمرہ کرنے والوں سے برتر اور اے تمام برہنہ پا اور نعل پوش مخلوقات سے بزرگ تر۔

۴۰۔ آپ ﷺ ہمارے پاس وہ کتاب لے کر تشریف لائے' جو بدرجہ غایت منفعت بخش ہے اور وہ راستہ لے کر مبعوث ہوئے جس نے باقی تمام راستوں کو منسوخ کر دیا۔

۴۱۔ آپ ﷺ کو ایسی روشن اور محکم ملت دے کر مبعوث کیا گیا' جس نے تمام ادیان وملل کو مٹا دیا۔

۴۲۔ آپ ﷺ نے تمام اہل بلاغت کو دلائل سے اسی طرح خاموش کر دیا' جس طرح نبرد آزماؤں کو جہاد بالسیف سے (جھکا لیا)

۴۳۔ آپ ﷺ کے آفتابِ ہدایت کے ساتھ طلوع ہونے سے ہمیشہ کے لیے روشنی آ گئی اور میزان وحمل کے برجوں سے لوگوں کو بے نیاز کر دیا۔

۴۴۔ جب کوئی سائلہ آپ ﷺ کے پاس تمنا لے کر حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے اسے اس طرح لوٹایا کہ اگر وہ بانجھ تھی تو (آپ ﷺ کی دعا اور برکت کے ساتھ) اس کی گود ہری ہو گئی۔

۴۵۔ آپ ﷺ کی شبنم افشانی دائمی ہے جو کبھی ختم نہیں ہو گی۔ اس کا تو مختصر ترین حصہ بھی بارش سے زیادہ نمی رکھتا ہے۔

۴۶۔ آپ ﷺ کی خوشبو ایک مہینے کی راہ سے ہی اہل کفر کو اس طرح محسوس ہو جاتی ہے' جیسے گلاب کی خوشبو بھونرے کو۔

۴۷۔ آپ ﷺ کے تابناک صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت بھی دائمی ہے اور آپ کی روشن اُمت کی فضیلت بھی لازوال ہے۔

۴۸۔ آپ ﷺ کے اہل خانہ بھی ایک رحمت ہیں جو نازل ہوئی۔ وہ طاہر و پاک ہیں اور وہ ہیں' جو رجس اور پلیدی سے قطعی طور پر دُور ہیں۔

۴۹۔ اے رسولانِ مکرم کے سردار! عاجز وترساں بندوں کے لیے شفاعت کو قائم ودائم رکھیے۔

۳۔ شیخ ابوالفتح قریشی کالپوی

شیخ ابوالفتح بن علاء الدین گوالیاری کالپوی قریشی سید محمد گیسودرازؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ حرمین شریفین کی شرف زیارت سے مشرف ہوئے اور حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی کی کتاب عوارف المعارف ان سے پڑھی اور مسند خلافت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے' جن میں علم نحو کے بارے میں تکمیل اور علم تصوف کے سلسلے میں مشاہدہ شامل ہیں۔ کالپی میں مدفون ہیں۔ ۸۶۲ھ (۱۴۵۸ء) میں وفات پائی اور کالپی میں دفن کیے گئے۔ مادۂ تاریخ ''گلشن اسرار'' ہے ❶۔

❶ اخبار الاخیار' ص ۱۶۳۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۶۔ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۴۷۳۔ حدائق الحنفیہ' ص ۳۲۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ شیخ احمد بن حسن بلخی

شیخ احمد بن حسن بن حسین بن معزالدین بلخی جن کو برہان الدین ابوالقاسم ہندی بہاری کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے ۸۲۹ھ میں رمضان المبارک کی ستائیسویں (۲۲/اگست ۱۴۲۶ھ) رات کو پیدا ہوئے عقائد نسفیہ مع اس کی شرح مظفری کے اپنے دادا حسین بن معزالدین سے پڑھی۔ باقی کتب درسیہ اپنے والد مکرم شیخ حسن بن حسین سے پڑھیں اور عرصے تک ان سے منسلک رہے۔ حرمین شریفین کا سفر بھی کیا اور حج وزیارت کی نعمت سے متمتع ہوئے۔ پھر ہندوستان آئے اور والد مکرم کی وفات کے بعد مسند مشیخت پر متمکن ہوئے۔

اپنے زمانے کے نامور عالم دین اور فقیہ تھے۔ تاریخ وفات ۲۶ ربیع الاول ۸۹۱ھ (یکم اپریل ۱۴۸۶ء) ہے۔ مدفن شہر بہار ہے [1]۔

۵۔ مولانا احمد تھانیسری

مولانا احمد بن محمد تھانیسری ارض ہند کے مشہور ادبا اور نامور فضلا میں سے تھے۔ فقہ واصول اور علوم عربیہ میں دسترس رکھتے تھے۔ دارالحکومت دہلی میں پیدا ہوئے اور قاضی عبدالمقتدر بن رکن الدین سریحی کندی سے تحصیل علم کی۔ بعدازاں شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے درسِ طریقت لیا اور ایک عرصے تک ان سے منسلک رہے۔

اس دور میں ایک عالم دین مولانا خواجگی دہلوی تھے۔ یہ بھی شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلی سے نسبت ارادت رکھتے تھے۔ ان کے اور مولانا احمد تھانیسری کے درمیان گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ انھوں نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ چند روز تک ہندوستان پر مغل حملہ کرنے والے ہیں، وہ جہاں جائیں گے تاخت وتاراج کریں گے۔ دہلی شہر بھی ان کی تیغ خون آشام کی زد میں آنے والا ہے۔ خواب کے علاوہ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اس زمانے میں حالات ہی اس قسم کے پیدا ہو گئے تھے اور لوگوں میں مغلوں کے حملے کی افواہیں پھیل گئی تھیں۔ بہرحال یہ خواب انھوں نے اپنے دوست مولانا احمد تھانیسری کو سنایا اور دہلی سے نکل جانے کا مشورہ دیا، مگر انھوں نے ان کی یہ بات ماننے سے انکار کیا اور دہلی ہی مقیم رہے [2]۔ لیکن مولانا خواجگی نے دہلی کی سکونت ترک کر کے کالپی کا رخ کیا اور وہیں مستقل طور پر رہائش اختیار کر لی۔ اس زمانے میں بہت سے شرفا وعلما دہلی سے چلے گئے تھے اور مختلف شہروں میں جا کر اقامت گزیں ہو گئے تھے۔ چند روز بعد تیمور نے دہلی پر حملہ کر دیا اور اس کی فوجیں شہر میں داخل ہو گئیں اور قتل وغارت کا بازار گرم کیا۔ قتل وغارت کے بعد گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا تو مولانا احمد

---

[1] نزہۃ الخواطر، ج ۳ ص ۶ بحوالہ حاشیہ غلام یحییٰ علیٰ شرح اداب المریدین از شیخ احمد بن یحییٰ منیری۔

[2] اخبار الاخیار، ص ۱۴۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوران کے متعلقین کو بھی گرفتار کرلیا گیا۔

مولانا احمد تھانیسری، علم فقہ پر اس درجہ عبور رکھتے تھے کہ اس باب میں بڑے بڑے فقیہ ان کے سامنے بحث وجدل سے عاجز آجاتے تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ دہلی میں فتنہ تیمور فروہوا تو رہائی پاکر وہ تیمور کے دربار میں پہنچے۔ وہاں صاحب ہدایہ شیخ برہان الدین مرغینانی کے پوتے بھی موجود تھے جو حکومت تیمور میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز تھے۔ دربارِ تیمور میں اب دو عظیم فقیہ تشریف فرما تھے۔ ایک مولانا احمد تھانیسری اور دوسرے صاحب ہدایہ کے پوتے شیخ الاسلام۔ دونوں کی نشستوں کے تقدم وتاخر کا معاملے سامنے آیا تو تیمور نے اپنے شیخ الاسلام کو پہلی قطار میں جگہ دینا چاہی۔ مولانا احمد تھانیسری کو یہ بات ناگوار گزری اور شیخ الاسلام سے پیچھے بیٹھنے کو اپنی شخصیت اور علمی مقام کی اہانت پر محمول کیا۔ اب گفتگو شروع ہوئی تو شیخ الاسلام نے دورانِ گفتگو میں کسی مسئلہ فقہی میں ٹھوکر کھائی۔ مولانا احمد نے جو پہلے سے ان کے خلاف بھرے بیٹھے تھے، فوراً ٹوکا۔ امیر تیموران کی اس جرأت مندانہ گرفت اور اسلوب کلام پر نہایت متعجب ہوا اور بولا یہ صاحب ہدایہ کے پوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان سے مسائل فقہیہ میں غلطی کا امکان نہیں۔ مولانا احمد نے ایک قدم آگے بڑھ کر فرمایا صاحب ہدایہ نے، جو ان کے دادا تھے، ہدایہ میں کئی مقامات پر غلطی کی ہے۔ اگر ایک جگہ پر انھوں نے بھی ارتکاب خطا کرلیا ہے تو کیا مضائقہ ہے۔ شیخ الاسلام نے سوال کیا وہ کون سے مقامات ہیں جہاں صاحب ہدایہ نے غلطی کی ہے۔ آپ کو اس کا ثبوت دینا چاہیے۔ مولانا نے اپنے بیٹوں اور شاگردوں کو اشارہ کیا کہ وہ اس سلسلے میں تقریر کریں اور ان مقامات کی وضاحت کریں جہاں صاحب ہدایہ نے ارتکابِ خطا کیا ہے۔ لیکن امیر تیمور نے صاحب ہدایہ کے احترام اور شیخ الاسلام کے ناموس کا لحاظ کرتے ہوئے اس گفتگو کو کسی دوسرے موقعے پر ملتوی کردیا۔

اس واقعہ کے بعد مولانا احمد تھانیسری نے اہل وعیال کو ساتھ لیا اور دہلی سے کالپی تشریف لے گئے اور اسی کو مستقل طور پر وطن قرار دے لیا۔ امیر تیموران کے علم وفضل سے اس درجہ متاثر ہوا کہ ان کو اپنا مصاحب وندیم بنانے کی کوشش کی اور اپنے ساتھ سمرقند جانے کو کہا مگر انھوں نے انکار کردیا اور کالپی چلے گئے۔ وہاں مولانا خواجگی پہلے سے موجود تھے۔ ان سے پھر برادرانہ ودوستانہ تعلقات قائم کرلیے۔ ۸۲۰ھ (۱۴۱۸ء) کو شہر کالپی میں وفات پائی اور کالپی کے قلعے میں دفن کیے گئے۔ مادۂ تاریخ ''گلشن ہدایت'' ہے۔

مولانا احمد تھانیسری اونچے درجے کے شاعر اور فصیح الکلام اور بلیغ البیان بزرگ تھے۔ اس کا اندازہ اس نعت سے ہوسکتا ہے جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہی:

۱۔اطار لبی حنین الطائر الغرد	وھاج لوعة قلبی التائه الکمد
۲۔واذکرتنی عھودا بالحمی سلفت	حمامة صدحت من لاعج الکبد
۳۔باتت تؤرقنی والقوم قد ھجعوا	من بین مضطجع منھم ومستند
٤۔مازار طرفی غمض بَعد بُعد کم	ولا خیال سروردار فی خلدی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

٥۔لیت الھوی لم یکن بینی وبینکم — ولیت حبل و دادی غیر منعقد
٦۔کانت مواسم ایام و غرتھا — ولت سراعا علی رغم ولم تعد
٧۔عِشنا بھا وعیون البین راقدة — والقلب فی جذل والدھر فی رقد
٨۔والھم منصدع والکرب مند فح — والجد مرتفح کالا نجم السعد
٩۔والشعب ملتئمٌ والعھد منھزم — والشمل منتظم لم یرم بالبدد
١٠۔حتّٰی استھل غراب البین فارتحلوا — عندالصباح وشد والعیس بالقتد
١١۔من کل ھوجاء مِرُقّالٍ غَدَافِرَةٍ — تبدی النشاط علی الاعیاء والنجد
١٢۔کانہ' لم یکن بین الحمٰی انس — الی اللویٰ وکأن الحمٰی لم یفد
١٣۔صاروا احادیث تروی بعد ماملؤوا — سامع الدھر بالالفاظ کالشھد
١٤۔بقیت فردا وراح الناس کلھم — کالسیف یبقی بلا اغمادہ الفرد
١٥۔لاعیش بعد لُیَیْلات اللویٰ رغدا — ولا وصول الی ذاك الحمی بیدی
١٦۔خل الاحایث عن لیلی و جارتھا — وارحل الی السید المختار من ادد
١٧۔ولیس فی الدین والدنیا واخرتی — سری جناب رسول اللّٰہ معتمدی
١٨۔برٌّ رؤف رحیم سید سند — سھل الفناء رحیب الباع والصفد
١٩۔رب الندی والجدی والصالحات معًا — طفلا وکھلا وفی شب وفی مَرَد
٢٠۔بالعلم مکتنف بالحلم متصف — باللطف ملتحف بالبر متّسد
٢١۔بالخلق مشتمل بالرفق مکتحل — بالحق متصل بالصدق منفرد
٢٢۔بالشرع معتصم للدین منتقم — فی اللّٰہ مجتھد باللّٰہ مقتصد
٢٣۔بالفقر مفتخر بالذھد مشتھر — بالشکر متزر بالحمد منجرد
٢٤۔خطّاب مفصلة وصنّاع مکرمة — دفاع مظلمة عن کل مضطھد
٢٥۔العدل سیرتہ والفضل طینتہٗ — والبذل شیمتہٗ فی الوجد والوبَد❶

١۔ گانے والے پرندے کی آواز نے میرے ہوش اڑا دیے اور میرے حیران اور بے چین دل کے سوزِ غم میں ہیجان برپا ہو گیا۔

---

❶ ان کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو: اخبار الاخیار' ص ١٤٤ تا ١٤٦۔ سبحۃ المرجان ص ٣٧' ٣٨ مآثر الکرام' ص ١٦٩' ١٧٠۔ ابجد العلوم' ص ٨٩٢' ٨٩٣۔ خزینۃ الاصفیا' ج ١ ص ٣٤٠' ٣٧٩۔ حدائق الحنفیہ' ص ٣١٣۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ١٨۔ نزہۃ الخواطر' ج ٣' ص ١٣ تا ١٣

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ ایک کبوتری نے جلے ہوئے دل سے فریاد نکال کر مجھے حمی کے گزرے ہوئے واقعات کی یاد دلا دی۔

۳۔ (اور) مجھے رات بھر جگائے رکھا' جب کہ لوگ لیٹے ہوئے تھے اور تکیہ لگائے آرام سے سو رہے تھے۔

۴۔ تمھاری دوری کے بعد نہ میری آنکھوں کو نیند نصیب ہوئی' نہ میرے دل میں کوئی مسرت کا جذبہ ابھرا۔

۵۔ کاش میرے اور تمھارے درمیان محبت کے جذبات کروٹ نہ لیتے اور کاش میری محبت کی رسی بٹی ہی نہ ہوتی۔

۶۔ وہاں کی خوشیوں کے دن اور وہاں کی بہاریں میری مرضی کے خلاف تیزی سے گزر گئیں اور پھر لوٹ کر نہ آئیں۔

۷۔ ہم نے وہاں زندگی گزاری اور آنکھیں سو رہی تھیں۔ دل ٹھکانے تھا اور زمانہ بھی آرام کر رہا تھا۔

۸۔ غم (کا بادل) چھٹ چکا تھا اور کرب دور ہو چکا تھا اور خوش بختی سعد ستاروں کی طرح بلند تھی۔

۹۔ قبیلہ اکٹھا تھا۔ زمانہ گزر رہا تھا اور جماعت ایسی منظم تھی کہ جس پر انتشار کا طعنہ نہیں دیا گیا۔

۱۰۔ یہاں تک کہ جدائی کے کوے نے آواز دی اور لوگ صبح کے وقت روانہ ہوئے اور اونٹوں کے کجاوے باندھنے لگے۔

۱۱۔ (اور وہ بھی ایسے) اونٹ جو ہوا سے باتیں کرنے والے تیز رفتار اور مضبوط ہوں اور تھکا دینے والی بلندی کو سر کرنے میں بھی خوشی اور چستی محسوس کریں۔

۱۲۔ (اس طرح رخصت ہوئے کہ) گویا حمی سے لوئی تک کے درمیان نہ کوئی جان پہچان والا تھا اور نہ ادھر کوئی قبیلہ آیا۔

۱۳۔ یہ سب وہ داستانیں بن گئے جن کا ذکر کیا جاتا ہے' حالانکہ پہلے انھوں نے زمانے کے کانوں کو الفاظ سے اس طرح بھر دیا تھا جیسے شہد ہو۔

۱۴۔ لوگ سب کے سب چلے گئے اور میں اس طرح اکیلا رہ گیا جیسے بے نیام کی تنہا تلوار۔

۱۵۔ لوئی کی راتوں کے بعد' اب زندگی کا کوئی مزہ نہیں رہا اور نہ اب حمی تک پہنچنے کی مجھے دسترس ہے۔

۱۶۔ لیلیٰ اور اس کی پڑوسن کے ذکر کو چھوڑو اور اس مصیبت سے نکل کر سید مختار ﷺ کی طرف آؤ۔

۱۷۔ دین' دنیا اور آخرت میں' رسول اللہ ﷺ کے سوا میرے لیے کوئی نہیں جس پر اعتماد کیا جائے۔

۱۸۔ آپ ﷺ پیکر نیکی ہیں' رؤف و رحیم اور سید و سند ہیں۔ نرم صحن والے' کشادہ دشت اور فراخ بخشش ہیں۔

۱۹۔ سخاوت و کرم اور حسنات والے ہیں۔ عالم طفولیت میں بھی' جوانی میں بھی اور لڑکپن میں بھی۔

۲۰۔ علم سے آراستہ' حلم سے متصف' لطف و کرم کی ردا اوڑھے ہوئے اور برو تقویٰ کا تکیہ لگائے ہوئے ہیں۔

۲۱۔ اخلاق کی چادر میں لپٹے ہوئے اور نرمی و لینت کا سرمہ لگائے ہوئے ہیں۔ حق سے اتصال پذیر اور وابستہ اور سچائی میں یگانہ ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۲۔ شرع کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے اور دینی سزا نافذ کرنے والے ہیں۔ راہِ خدا میں کوشاں اور اللہ کے معاملے میں استقامت اختیار کرنے والے ہیں۔

۲۳۔ قابل فخر باتوں کا افتخار رکھتے ہیں اور زہد میں شہرۂ آفاق ہیں۔ شکر کا آزار باندھے اور حمد میں رواں دواں ہیں۔

۲۴۔ اعلیٰ مفصل خطابت والے، لطف و کرم کو پوری طرح قائم کرنے والے اور ہر ظالم کے ظلم کو ہر اعتبار سے دور کرنے والے ہیں۔

۲۵۔ عدل آپ ﷺ کی سیرت اور فضل آپ ﷺ کی طینت ہے۔ جود و عطا آپ ﷺ کی خصلت ہے، فراخی میں بھی اور تنگی میں بھی۔

ان کی اور بھی نعتیں ہیں اور نہایت دلآویز ہیں۔

ایک مرتبہ قیام کالپی کے دنوں میں مولانا احمد تھانیسری کے بیٹوں اور مولانا خواجگی کے معنوی فرزند و تلمیذ قاضی شہاب الدین کے درمیان معاصرانہ چشمک ہوگئی۔ قاضی شہاب الدین نے مولانا احمد کے بیٹوں کی شکایت اپنے استاذ مولانا خواجگی سے کی اور اس سلسلے میں ایک مکتوب کے ذریعے ان سے امداد کے خواہاں ہوئے۔ مولانا خواجگی نے شکایت کے جواب میں شیخ سعدی کے یہ شعر قاضی موصوف کو لکھ بھیجے۔

اے بیش از آنکہ در قلم آید ثنائے تو — واجب بر اہل مشرق و مغرب دعائے تو
اے در بقائے عمر تو نفع جہانیاں — باقی مباد آنکہ نخواہد بقائے تو [1]

۶۔ شیخ احمد بن محمود نہروالی

شیخ احمد بن محمود حسینی عریفی نہروالی گجراتی ایک صالح عالم دین اور معروف فقیہ تھے۔ ان کا شمار مشائخ چشتیہ میں ہوتا تھا۔ گجرات میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ اپنے چچا شیخ حسین بن عمر عریفی غیاث پوری گجراتی سے مختلف علوم کی تحصیل کی اور مدت تک ان کے ساتھ منسلک رہے۔ علم طریقت و تصوف بھی ان ہی سے حاصل کیا اور ان کی وفات کے بعد مسند مشیخت پر متمکن ہوئے۔

شیخ موصوف نے ۷ محرم کو ۸۰۰ھ (۳۰ ستمبر ۱۳۹۷ء) کے بعد نہروالی میں وفات پائی اور اپنے چچا شیخ حسین بن عمر کے قریب دفن کیے گئے [2]۔

۷۔ شیخ احمد بن یعقوب بھٹی

شیخ احمد بن یعقوب بن محمود بن سلیمان، علاقہ سندھ کے شہر بھٹ کے رہنے والے تھے۔ نہایت صالح اور

---

[1] اخبار الاخیار، ص ۱۴۵۔

[2] نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۵۔ گلزار ابرار، ص ۱۵۵ تا ۱۵۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پرہیز گار بزرگ تھے۔ مختلف علوم کے عالم اور بہت بڑے فقیہ تھے۔ ان کا لقب جلال الدین تھا۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت شیخ جلال الدین حسین بن احمد حسینی بخاری اوچی کے شاگرد تھے۔ ان سے انھوں نے قاضی عیاض کی کتاب متفق النظم والشفا فی حقوق المصطفیٰ باقاعدہ درساً درساً پڑھی تھی۔ احادیث کی بعض کتابوں کا بھی ان سے درس لیا۔ یہ مصنف بھی تھے اور انھوں نے خزانۃ الفوائد الجلالیہ کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جو ان کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے اور اپنے موضوع میں بڑی جامع کتاب ہے۔ صاحب نزہۃ الخواطر علامہ سید عبدالحی لکھنویؒ لکھتے ہیں کہ اس کتاب کا ایک نسخہ لکھنؤ میں سید نورالحسن بن نواب صدیق حسن قنوجی رحمہ اللہ کے کتب خانے میں موجود تھا[1]۔

۸۔ شیخ احمد کھٹوی

شیخ احمد بن عبداللہ کھٹوی کھچی کا لقب شہاب الدین تھا۔ عابد و زاہد اور فقیہہ تھے۔ ان کا تعلق علاقہ گجرات کے عظیم مشائخ سے تھا۔ ۷۳۷ھ (۱۳۳۷ء) کو موضع کھٹو میں پیدا ہوئے جو ہندوستان کے مشہور شہر اجمیر کے قریب ہے۔ ان کے آبا و اجداد دہلی کے رہنے والے تھے۔ منقول ہے کہ بچپن کے زمانے میں ایک گاؤں میں گئے۔ وہاں گاؤں کے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ تیز آندھی آئی جو انھیں اڑا کر کسی دوسری جگہ لے گئی اور اس طرح اپنے وطن سے بہت دور چلے گئے جہاں بالکل بے یار و مددگار ہو گئے۔ پردیسیوں کی طرح گھوم رہے تھے کہ ایک روز اتفاقاً ایک درویش بابا اسحاق مغربی کا ادھر سے گزر ہوا۔ انھوں نے ان کو لاوارث بچہ سمجھ کر اپنے ساتھ لیا اور اپنی قیام گاہ میں موضع کھٹو لے گئے۔ اب وہ بابا اسحاق مغربی کے پاس رہنے لگے اور انھوں نے ان کی پرورش کی۔ ان کے فیضِ صحبت سے روحانی تعلیم و تربیت سے سرفراز ہوئے اور ایک ولی کامل کی حیثیت سے دنیا کے سامنے نمودار ہوئے اور پھر ان ہی کی خلافت و اجازت کا شرف حاصل کیا۔

ان کے شیخ و مرشد شیخ اسحاق مغربی کا سلسلہ نسب شیخ ابومدین مغربی سے ملتا ہے۔ شیخ اسحاق نے بڑی لمبی عمر پائی تھی۔ ۸۵۱ھ (۱۴۴۷ء) میں پیدا اور ۹۸۹ھ (۱۵۸۱ء) میں فوت ہوئے۔ اس حساب سے ان کی عمر ۱۳۸ سال بنتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے بزرگوں میں سے ہر بزرگ نے تقریباً ڈیڑھ سو سال کی عمر پائی۔

شیخ اسحاق مغربی کی وفات کے بعد شیخ احمد موضع کھٹو سے دہلی آئے اور ظاہری علوم کی تحصیل کی۔ تعلیم سے فارغ ہوئے تو مسجد خان جہاں میں ڈیرے ڈال لیے اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ اشیائے اکل و شرب سے اس درجہ بے نیازی اختیار کر لی تھی کہ سوکھی اور باسی روٹی کا ایک ٹکڑا کھاتے اور اسی سے روزہ افطار کرتے۔ عمر بھر شادی نہیں کی۔ حج و زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔

فیروز شاہ کے دورِ حکومت میں اس کی طرف سے ایک شخص ظفر خاں نہروالہ کا حاکم مقرر تھا جو بعد کو

[1] نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان مظفر کے لقب سے مشہور ہوا۔ شیخ احمد کے قیام دہلی کے زمانے میں یہ شیخ احمد سے متعارف بلکہ متاثر تھا۔ جب یہ گجرات کا فرماں روا بنا تو اس نے شیخ احمد کو گجرات تشریف لانے اور وہیں مستقل طور سے مقیم ہو جانے پر اصرار کیا۔ چنانچہ شیخ موضع کھٹو سے علاقہ گجرات کے ایک مقام سرکھیج تشریف لے گئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ اس علاقے کے لوگوں نے ان سے خوب روحانی فیض حاصل کیا۔ ان کا دستر خوان بہت وسیع تھا جس پر امیر و غریب اور شاہ و گدا سب حاضر ہوتے تھے۔

شیخ کے حلقۂ ارادت میں بے شمار لوگ شامل تھے۔ ان کے ایک مرید کا نام محمود بن سعید ایرجی تھا' جنھوں نے ''تحفۃ المجالس'' کے نام سے ان کے ملفوظات اور حالات و سوانح جمع کیے ہیں۔ اس کتاب میں ان کے تدین' کشوف و کرامات اور تبحر علمی کے بہت سے واقعات مرقوم ہیں۔ ان میں سے چند واقعات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

ایک تاجر کا واقعہ:

ایک مرتبہ ایک بہت بڑا تاجر تیس سیر مصری اور کستوری کا ایک بڑا نافہ لے کر مسجد خان جہاں میں شیخ احمد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے اس تاجر سے پوچھا آپ کہاں سے آئے ہیں اور ہمیں کب سے جانتے ہیں؟ اس نے کہا' میں شیخ نور کا مرید ہوں جو پنڈوہ میں اقامت پذیر ہیں اور اس وقت وہیں سے آ رہا ہوں۔ اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ دہلی آ چکا ہوں۔ گزشتہ دنوں دہلی سے سامانِ تجارت کی خرید و فروخت کے بعد شیخ نور کی خدمت میں پنڈوہ گیا تو انھوں نے پوچھا' تم نے دہلی میں کن کن مشائخ سے ملاقات کی؟ میں نے جن جن حضراتِ مشائخ سے شرفِ ملاقات حاصل کیا تھا' ان سب کے نام عرض کیے۔ فرمایا: شیخ احمد کھٹو سے ملے؟ ان کی یہ بات سن کر میں خاموش ہو گیا۔ فرمایا اگر تم دہلی گئے اور شیخ احمد کھٹو سے نہیں ملے تو تمھارا سفر ضائع گیا اور دہلی کی مدتِ قیام بے مقصد رہی۔ مرشد کے اس فرمان سے میں سخت پریشان ہوا اور بے قراری کے عالم میں وہاں سے چلا اور اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔

تاجر کی یہ بات سن کر شیخ احمد نے فرمایا: شیخ نور سے نہ ہماری کبھی ملاقات ہوئی اور نہ آج تک انھوں نے ہم کو دیکھا ہے اور نہ ہم نے ان کو۔ لیکن اس بزرگ کو ہمارے متعلق معلوم ہو گیا۔ یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

تیمور لنگ سے ملاقات:

امیر تیمور کے دہلی پر حملے کے وقت شیخ احمد دہلی میں تھے۔ فرمایا ہم دہلی والوں کے ساتھ رہیں گے۔ جب تیمور نے خون ریزی اور قتل و غارت کے بعد لوگوں کی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کیا تو شیخ احمد اور ان کے بعض معتقدین کو بھی تیمور کی فوج نے گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا۔ اتنے میں تیمور کو شیخ کی صالحیت و تدین کا پتا چلا تو انھیں رہا کر دیا اور نہایت احترام سے پیش آیا۔ ایام نظر بندی کا ذکر کرتے ہوئے شیخ احمد فرماتے ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چہل فقیران با مادران بند بودند' ہر روز چہل کاک گرم بر ما از غیب می فرستادند کہ خورش فقیراں می شد۔

یعنی ہمارے ساتھ چالیس فقیر جیل میں محبوس تھے۔ غیب سے روزانہ چالیس روٹیاں ہمارے لیے اللہ تعالیٰ بھیج دیتا اور ہم نہایت مزے سے کھاتے۔

ایک عجیب وغریب واقعہ:

رہائی کے بعد کا ایک عجیب واقعہ شیخ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم بہت سے لوگ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ ہمارا جہاز سمندر میں جا رہا تھا کہ میں ایک دفعہ وضو کرنے لگا۔ اچانک میرا پاؤں پھسلا اور میں سمندر میں جا گرا گرتے ہی میں نے یَا حَافِظُ یَا حَفِیْظُ یَا رَقِیْبُ یَا وَکِیْلُ یَااللّٰہُ پڑھنا شروع کیا۔ میں پانی کی سطح پر تیرتا جا رہا تھا اور یہ وظیفہ میرے ورد زبان تھا۔ اتنے میں مجھے اپنے پاؤں کے نیچے ایک پتھر معلوم ہوا اور میں اس پر کھڑا ہو گیا۔ پانی کمر تک تھا اور میں برابر یہ وظیفہ پڑھ رہا تھا۔ اس کے بعد ملاح اور جہاز کے کپتان نے مجھے مچھلی کی طرح اوپر اٹھا لیا۔

رسول اللہ ﷺ کا مہمان :

اس کے ساتھ ہی شیخ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ پہنچا' حج کیا اور مدینہ منورہ کو روانہ ہوا۔ مدینہ منورہ میں امام خان جہان شیخ تاج الدین سرمچی اور کچھ اور لوگ ہمارے ساتھ تھے۔ ہم مسجد نبوی میں مقیم تھے۔ ہمارے ساتھیوں نے کہا کھانے کا انتظام کرنا چاہیے۔ میں نے کہا ہم تو کھانے کا انتظام نہیں کریں گے کیونکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے مہمان ہیں۔ اس کے بعد وہ لوگ کھانا کھا کر واپس آئے۔ ہم نے ایک ساتھ عشا کی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد وہ تو سو گئے اور میں ہاتھ دھو کر تسبیح پڑھنے لگا۔ ناگہاں ایک آواز آئی۔ ''رسول اللہ ﷺ کا مہمان کون ہے۔؟'' میں نے خیال کیا کہ دوسرے آدمی کو آواز دی جا رہی ہے۔ دوسری مرتبہ پھر یہی آواز فضا میں گونجی اور میرے کانوں سے ٹکرائی' لیکن میں اب بھی خاموش رہا۔ تیسری مرتبہ پھر یہی آواز بلند ہوئی اور میں نے سنی۔ اب میں سمجھا کہ یہ آواز مجھے ہی دی جا رہی ہے اور رسول اللہ ﷺ کا مہمان میں ہی ہوں۔ چنانچہ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور آواز دینے والے کے پاس پہنچا جو اپنے ہاتھ میں ایک خوان لیے کھڑا تھا۔ اس نے کہا میں آپ کے لیے کھانا لایا ہوں۔ مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے۔ میں نے دامن پھیلایا۔ اس نے کھجوریں میرے دامن میں ڈال دیں اور خالی خوان لے کر واپس چلا گیا۔ وہ کھجوریں میں نے منہ میں ڈالیں تو اتنی لذیذ اور میٹھی تھیں کہ میں نے آج تک اس قسم کی کھجوریں نہیں کھائی تھیں۔

ایک خواب:

کھجوریں کھانے کے بعد میں سو گیا۔ رات کو میں نے خواب دیکھا اور وہی خواب میرے تینوں ساتھیوں نے بھی دیکھا۔ خواب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ ایک ہوادار اور روشن مقام میں تشریف فرما ہیں۔ چند کبار صحابہ وہاں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھڑے ہیں اور ایک عورت جو مختلف قسم کے زیور پہنے ہوئے ہے وہاں موجود ہے۔ نبی ﷺ نے مجھے فرمایا اسے قبول کرلو۔ میں نے عرض کیا کہ ہمارے بزرگوں نے قبول نہیں کیا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے فرمایا' یہ تمھارے والد ہیں۔ میں نے دیکھا تو حضرت علی اپنی انگلی دانتوں میں دبائے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں۔ بابا احمد! رسول اکرم ﷺ کے حکم کی تعمیل کرو اور اس عورت کو قبول کرلو۔ چنانچہ میں نے اس عورت کو قبول کرلیا اور فوراً ہی میرے دل میں آیا کہ عورت کی صورت میں جو چیز سامنے کھڑی ہے وہ دنیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ مجھے پوری دنیا مل گئی۔

سفر کے معمولات:

ایک جگہ سفر کے معمولات بیان کرتے ہوئے اپنے بارے میں فرماتے ہیں: اس فقیر نے بغیر کسی رفیق اور سامان کے تنہا پورے گیارہ سال برہنہ پا سفر کیا ہے۔ جس شہر اور قصبے میں جاتا' وہاں کی مسجد میں رات بسر کرتا۔ دوران سفر میں اللہ ہی میرا نگہبان تھا۔ ہمیشہ عشا کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتا رہا۔ سفر میں روزہ رکھتا اور مصروف عبادت رہتا۔ فرماتے ہیں اگرچہ سفر میں کئی قسم کی تکلیفیں برداشت کرنا پڑتی ہیں' لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضور حق کی فرحت و مسرت قلب کو بہت زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ پیدل سفر کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے پا پیادہ سفر آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کے پیش نظر کیا ہے' جس میں آپ فرماتے ہیں' وامضوا احفاتاً عراتاً سترون اللہ جھرۃً ای عیانا❶۔

اونچا ہاتھ:

شیخ احمد کھٹوی کہتے ہیں' ایک دن بابو جیو نے مجھ سے کہا۔ بابا احمد! تم سخاوت بہت کرتے ہو۔ بھائی ہاتھ کبھی کبھی اونچا کیا کرو۔ میں نے کہا' بابو جیو' دعا کرو میرا ہاتھ ہمیشہ اونچا رہے' کبھی نیچا نہ ہو۔ اس پر بابو جیو نے کہا ہم اللہ سے دعا مانگتے ہیں کہ بابا احمد کا ہاتھ ہمیشہ اونچا رہے اور خدا کی مخلوق ان سے لیتی رہے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

ہمت بلند دار کہ داور کردگار　　　　بر ہمت بلند کند فضل خود نثار

اس کے بعد یہ حدیث پڑھی: یا ابن ادم انفق' انفق' انفق❷

پھر یہ آیت پڑھی:

---

❶ یہ الفاظ اخبار الاخیار ص ۱۵۹ پر میں مرقوم ہیں۔ ان کا ترجمہ یہ ہے کہ تم برہنہ پا اور برہنہ جسم چلو تو اللہ تعالیٰ کو کھلے بندوں دیکھ لو گے۔ ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مجھے احادیث کی کسی متداول اور مستند کتاب میں نہیں ملی۔

❷ ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہے: اے ابن آدم خرچ کر' خرچ' خرچ کر۔ انفاق فی سبیل اللہ اور صدقات و خیرات کا تو بہت سی احادیث میں حکم دیا گیا ہے لیکن ان الفاظ پر مشتمل حدیث مجھے کتب احادیث میں نہیں ملی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَاللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا﴾ ❶

ایک استاذِ فقہ سے ملاقات:

ایک دن شیخ احمد نے فرمایا: فقیروں کی مجلس میں آنا آسان ہے لیکن وہاں سے اپنے آپ کو صحیح سالم واپس لے جانا مشکل ہے۔

اس پر مرتب ملفوظات شیخ محمود بن سعید ایرجی نے کہا' سید بہاء الدین جو میری والدہ کے دادا تھے' فرمایا کرتے تھے تم ہر اس شخص کو درویش نہ سمجھو جو تمھارے پاس آتا اور گروہ درویشاں کے گرد چکر لگاتا رہتا ہے۔ اگر تم طاقت رکھتے ہو تو ان کی آنکھ' کان اور زبان پر قبضہ کر کے ان کے دلوں کو حاضر کر لو۔ میری یہ بات سن کر شیخ نے اپنا ایک واقعہ سنایا۔ انھوں نے بتایا کہ میں ایک مرتبہ سمرقند کی ایک مسجد میں پہنچا۔ وہاں ایک فقیہ طلبا کو پڑھا رہا تھا اور طلبا اس کے اردگرد بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ میں درویشوں کی سی ٹوپی سر پر رکھے اور فقیروں کا سا لباس پہنے ہوئے تھا' طلبا سے دور ہو کر بیٹھ گیا۔ ایک طالب علم حسامی پڑھ رہا تھا لیکن اس کی عبارت غلط پڑھ رہا تھا۔ میں نے دور سے بیٹھے ہوئے آواز دی:

اعراب غلط می خوانی۔

اعراب غلط پڑھ رہے ہو۔

میری آواز سنتے ہی ان کا فقیہ استاذ اپنی نشست سے اٹھا' مجھ سے ملا اور وہاں سے اٹھا کر مجھے اپنی مسند درس کے قریب لے گیا۔ پھر اس نے علم اصول کے بارے میں مجھ سے چند سوالات پوچھے' جن کا میں نے صحیح صحیح جواب دیا۔ جب اس عالم فقہ کو میری علمی حیثیت کا پتا چلا تو وہ میری طرف مخاطب ہوا اور کہا:

با ایں چنیں علم جامہ محقر وکلاہ برسر چرا می پوشی؟

اس علم کے باوجود یہ معمولی سے کپڑے اور فقیروں کی سی ٹوپی کیوں پہن رکھی ہے؟

میں نے جواب دیا: یکے علم' دوم اگر جامہ لطیف بپوشم نفس بدخوئی کند۔ ایں درویش مخصوص خود را دریں لباس پوشیدہ می دارد۔

ایک تو میں علم کی نعمت سے بہرہ ور ہوں' دوسرے اس کی موجودگی میں اگر میں عمدہ لباس زیب تن کروں گا تو نفس بدخوئی کرے گا اور پندار میں مبتلا ہو گا' لہٰذا اس فقیر نے اپنے لیے یہ لباس مخصوص کر لیا ہے اور یہ اپنے آپ کو اس میں چھپائے رکھتا ہے۔

---

❶ یہ آیت سورہ مزمل کی آخری آیت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: اور جو نیک عمل اپنے لیے آگے (ذخیرۂ آخرت بنا کر) بھیجو گے' اسے اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک قابل ذکر واقعہ:

مصنف تحفۃ المجالس نے یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ رمضان المبارک کا مہینا تھا۔ تراویح میں ایک عالم دین مولانا محمد قاسم باقاعدہ قرآن مجید سنتے تھے۔ منزل سورۃ الاعلیٰ تک پہنچ گئی تھی۔ جس رات قرآن مجید ختم ہونا تھا' اسی رات شیخ احمد نے محمد قاسم سے کہا آپ آج شب فلاں گاؤں چلے جائیں۔

مولانا کو یہ بات عجیب سی معلوم ہوئی اور دل میں خیال آیا کہ آج رات کو نماز تراویح میں قرآن مجید ختم ہو جائے گا' کل علی الصبح روانہ ہو جاؤں گا۔ لیکن یہ بات شیخ سے نہ کہی کہ مبادا وہ اس کو سوئے ادب سمجھیں۔ تھوڑی دیر جب یوں ہی گزر گئی اور مولانا وہیں ٹھہرے رہے تو دوبارہ حکم دیا کہ آپ فلاں گاؤں چلے جائیں۔ چنانچہ وہ سلام کر کے اس گاؤں کو روانہ ہو گئے۔ قصبہ دولقہ میں پہنچے تو عشا کا وقت ہو چکا تھا۔ تیزی سے نماز کے لیے مسجد میں گئے کہ امام کی اقتدا میں فرض پڑھیں۔ دو رکعت سنت ادا کی۔ بعد ازاں نماز تراویح کی نوبت آئی تو حسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ امام نے سورۃ الاعلیٰ سے تراویح پڑھانا شروع کی۔ مولانا محمد قاسم نے سورۃ الاعلیٰ تک تو پورا قرآن مجید سن ہی لیا تھا' اب اس امام کے پیچھے باقی سورتیں بھی سن لیں۔

مولانا محمد قاسم اس گاؤں سے واپس لوٹ کر شیخ احمد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا:

مخدوم جیو عفو فرماید بندہ کہ مکث می کرد سبب ایں معنی بود کہ یک شب بماند ختم مرتب شود بامداداں رواں شود۔

مخدوم معاف فرمایے گا تعمیل ارشاد میں میرے توقف کی وجہ یہ تھی کہ قرآن مجید ختم ہونے میں بس ایک ہی رات باقی رہ گئی تھی۔ خیال یہ تھا کہ پورا قرآن مجید ختم ہونے کے بعد کل صبح سویرے چلا جاؤں گا۔

اس پر شیخ احمد نے کہا: مولانا! درویشاں از جہت کارِ دنیا کار دین از اں تو نقصان نخواہند کرد۔

مولانا! درویش کسی دینوی کام کے لیے آپ کے دینی کام میں نقصان نہیں پیدا کرتے۔

تصنیف:

شیخ احمد کی تصانیف میں سے ایک رسالہ ہے جو انھوں نے والیٔ گجرات سلطان احمد شاہ کے لیے تصنیف کیا اور اس کی شرح ابو حامد اسماعیل بن ابراہیم نے لکھی۔ ان سے یہ رسالہ عبداللہ محمد بن عمر آصفی گجراتی نے تاریخ گجرات میں شیخ کی ولادت و وفات اور سوانح و حالات کے سلسلے میں نقل کیا ہے۔

وفات:

شیخ احمد کھٹو نے ایک سو گیارہ سال عمر پا کر جمعرات کے روز' قبل از زوال ۱۴ شوال ۸۴۹ھ (۲۰ جنوری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۴۴۳ء) کو موضع سرکھیج میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

ان کے رسالے کے شارح ابوحامد اسماعیل بن ابراہیم نے ان کا مرثیہ کہا، جس کا مطلع یہ ہے:

ان حـــزنا لنــا اتـم بيـال   نحــن كالطين وهـو مثل جبـال

اور ان کی تاریخ وفات اس شعر سے نکالی:

طـاء وميـم علـى ثمـان مئات   كـان دال ياء مــن الشـــوال

یہ شعر بھی اسی مرثیے کا ہے:

عمــره دلّنــا علـى انـه قـطـب   مـــات يوم الخميس قبل الزوال

والیٔ گجرات سلطان محمد بن احمد کی مجلس میں بعض شعرا نے ان کی وفات پر یہ شعر کہے:

چو شیخ احمد امام دین و دنیا   سوی فردوس می شد خرم و شاد

فلک می گفت در تاریخ آن سال   شه عالم محمد رابقا باد ❶

۹۔ قاضی احمد شہاب الدین دولت آبادی

ان کا نام احمد اور لقب شہاب الدین تھا۔ والد کا اسم گرامی شمس الدین اور جد امجد کا عمر تھا۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے انھیں ”مولانا قاضی شہاب الدین بن شمس الدین بن عمر الزاولی الدولت آبادی“ ❷ لکھا ہے۔

فرشتہ نے ان کا ذکر سلطنت ابراہیم شرقی کے ضمن میں کیا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق ان کا خاندان غزنی سے آیا تھا اور یہ اصلاً غزنی ہی کے باشندے تھے۔

از جملہ فضلائے عصر او یکے قاضی شہاب الدین جون پوری است۔ اصل او غزنین است و در دولت آباد دکن نشو و نما یافت ❸۔

یعنی (سلطان ابراہیم شرقی) کے فضلائے عصر میں سے ایک قاضی شہاب الدین جون پوری ہیں۔ ان کا مولد غزنی ہے اور انھوں نے دولت آباد دکن میں نشو و نما پائی۔

تذکرۂ علمائے ہند میں مولوی رحمان علی لکھتے ہیں:

در دولت آباد متولد شده ❹۔

(قاضی شہاب الدین) دولت آباد میں پیدا ہوئے۔

❶ اخبار الاخیار، ص ۱۵۶ تا ۱۶۱۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۶ تا ۱۸

❷ ملاحظہ ہو سبحۃ المرجان، ص ۳۹۔ مآثر الکرام، ص ۱۷۱

❸ تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۳۰۶۔ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ۔

❹ تذکرۂ علمائے ہند، ص ۸۸ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ (طبع دوم، ۱۹۱۴ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بظاہر ممکن ہے ان کے بارے میں میر غلام علی آزاد محمد قاسم فرشتہ اور مولوی رحمان علی کے بیانات میں کچھ اختلاف معلوم ہوتا ہو کیوں کہ میر غلام علی نے ان کو زاولی فرشتہ نے ''اصل اوغزنین است'' اور مولوی رحمان علی نے ''در دولت آباد متولد شدہ'' لکھا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ ان تینوں بیانات میں کوئی اختلاف کوئی منافات اور کسی قسم کا تضاد نہیں ہے۔ ان کا اصلی وطن زابلستان تھا۔ دریائے ہلمند اور دریائے قندھار کے بالائی حصوں کے علاقے کو عرب زابلستان کے نام سے موسوم کرتے تھے اور بالخصوص اس سے وہ علاقہ مراد لیا جاتا ہے جو غزنہ کے گرد واقع ہے اس لیے اگر ان کو زاول اور غزنہ کے باشندے کہا گیا ہے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس میں اختلاف یا تضاد پایا جاتا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے آباد واجداد غزنی سے آئے اور دہلی میں اقامت گزین ہو گئے۔ اس کے بعد دولت آباد منتقل ہو گئے۔ اس لیے دولت آبادی کہلائے۔ دولت آباد شہر دیوگیر کا نام ہے اور یہ وہ شہر ہے جس کو سلطان محمد تغلق نے دہلی کے بجائے اپنا دارالسلطنت بنایا تھا۔ اس شہر کو بہت تھوڑا عرصہ دارالسلطنت کی حیثیت حاصل رہی۔ بعد ازاں دارالسلطنت پھر دہلی ہی کو قرار دے دیا گیا تھا۔

اساتذہ کرام:

اگر چہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی تاریخ ولادت کے بارے میں کوئی یقینی علم حاصل نہیں ہو سکا تاہم ایک روایت کے مطابق ۷۶۱ھ (۱۳۶۰ء) میں پیدا ہوئے[1] انھوں نے ابتدائی تعلیم دولت آباد میں حاصل کی اور وہیں نشو ونما پائی۔ پھر دہلی تشریف لے گئے۔ مطولات کی تعلیم کا آغاز دہلی میں ہوا اور اس کے لیے سب سے پہلے قاضی عبدالمقتدر شریحی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے اور حدتِ فکر سرعتِ فہم اور ذکاوتِ ذہن کی بنا پر بہت جلد استاذ کی نظروں میں سما گئے۔ استاذ ان کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں میر غلام علی آزاد بلگرامی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

قاضی عبدالمقتدر در باب اومی فرمود پیش من طالب علمے می آید کہ پوست او علم مغز او علم واستخوان او علم است[2]۔

یعنی میرے پاس ایک ایسا طالب علم آیا ہے جس کا پوست علم ہے مغز علم ہے اور ہڈیاں علم ہیں۔
یعنی سر سے پاؤں تک علم ہی علم۔

قاضی عبدالمقتدر شریحی کا انتقال ۷۹۱ھ (۱۳۸۹ء) میں ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد شیخ شہاب الدین

---

[1] اخبار الاخیار (اردو ترجمہ) ص ۳۲۱ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی (۱۹۶۳ء)
یہاں یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ صاحب اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اصل کتاب (فارسی) میں ان کی تاریخ ولادت کہیں نہیں لکھی۔ مترجم مولانا اقبال الدین احمد نے ۷۶۱ھ (۱۳۶۰ء) تحریر کی ہے۔ مگر اس کا حوالہ نہیں دیا۔

[2] مآثر الکرام ص ۱۷۱۔ شائع کردہ شیخ شمس الحق۔ مکتبہ احیاء العلوم الشرقیہ۔ ۳۹ شارع علامہ اقبال لاہور۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا خواجگی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ مولانا خواجگی اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور مولانا معین الدین عمرانی کے شاگرد تھے۔ یہاں بھی اپنے رفقائے درس میں انھوں نے بہت جلد امتیازی مقام حاصل کرلیا۔ اس ضمن میں آزاد بلگرامی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

مولانا القاضی شهاب الدین تلمذ القاضی عبدالمقتدر الدهلوی و مولانا خواجگی الدهلوی وهو من تلامذة مولانا معین الدین العمرانی رحمه الله تعالیٰ، ففاق اقرانه وسبق اخوانه❶۔

مولانا قاضی شہاب الدین نے قاضی عبدالمقتدر دہلوی اور مولانا خواجگی دہلوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے اور (مولانا خواجگی) مولانا معین الدین عمرانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ قاضی شہاب الدین اپنے اقران و معاصرین پر فوقیت حاصل کر گئے اور ساتھیوں پر سبقت لے گئے۔

۸۰۱ھ (۱۳۹۹ء) میں امیر تیمور ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور ساتھ ہی یہ وحشت ناک خبریں آنے لگیں کہ وہ بہت جلد دہلی پر حملہ کرنے والا ہے۔ اسی زمانے میں سید محمد گیسو درازؒ نے ایک خواب دیکھا، جس کی تعبیر دہلی پر مغلوں کا حملہ کی گئی اور اسی سے متاثر ہو کر مولانا خواجگی دہلی سے کالپی چلے گئے تھے۔

ومولانا خواجگی پیش از آمدن امیر تیمور گورگان بنابر رویاء صالحہ کہ میر سید محمد گیسو درازؒ دیدہ بود دندواز آمدن مغل اخبار نمودہ از دہلی برآمد بکالپی رسیدہ متوطن شد ودر ہماں جا بسر برد❷۔

یعنی امیر تیمور کے حملے سے پہلے میر سید محمد گیسو درازؒ نے خواب دیکھا تھا، جس کی تعبیر مغلوں کا حملہ کی گئی تھی۔ مولانا خواجگی اس کی وجہ سے دہلی کی سکونت ترک کر کے کالپی چلے گئے تھے، بعد ازاں وہیں متوطن ہو گئے تھے اور پھر پوری زندگی وہیں بسر کی۔

دہلی سے روانگی اور جون پور میں قیام:

بہر حال تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا اور وہ جہاں گیا قتل و غارت کا بازار گرم کرتا گیا۔ اس ضمن میں اس نے تلمبہ، ملتان اور پنجاب کے دوسرے شہروں میں نہایت بے دردی کا مظاہرہ کیا۔ اس کی تفصیلات دہلی پہنچیں تو وہاں کے باشندے بہت پریشان ہوئے اور اعیان و اکابر اور علما و صوفیا کی کثیر تعداد دہلی کی سکونت ترک کرنے پر مجبور ہو گئی۔ ان میں مولانا خواجگی بھی تھے جنھوں نے اپنے شاگرد رشید شہاب الدین کو ساتھ لیا اور دہلی سے نکل کھڑے ہوئے اور کالپی جا پہنچے۔ کالپی اس زمانے میں ایک اہم اور بارونق شہر تھا۔ مولانا خواجگی تو کالپی ہی میں سکونت گزین ہو گئے مگر قاضی شہاب الدین وہاں سے جون پور تشریف لے گئے۔ جون پور کو اس دور میں

❶ سبحۃ المرجان۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی، ص ۳۹۔

❷ اخبار الاخیار، ص ۱۴۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان ابراہیم شرقی کی علم دوستی اور معارف پروری نے مشرق کا شیراز بنا دیا تھا۔ ایک بہت بڑے عالم مولانا احمد تھانیسری تھے' جو مولانا خواجگی کے گہرے دوست تھے۔ یہ دہلی ہی میں رہ گئے تھے اور دہلی ہی میں تیمور کے دربار میں ان کا صاحب ہدایہ کے پوتے سے ایک تیز مکالمہ ہوا تھا۔ بعد میں یہ بھی کالپی چلے گئے تھے اور ان کی وفات کالپی ہی میں ہوئی۔

جون پور میں علمائے دین کی پذیرائی:

مسلمانوں کی تاریخ کا یہ پہلو بہت ہی نمایاں ہے کہ حکمرانی و جہاں داری کے دربار میں علم و ادب کو نہ صرف یہ کہ ہر دور میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا گیا بلکہ اسے ہمیشہ اونچا درجہ دیا گیا اور اہل علم' ارباب تحقیق اور اصحاب فتویٰ و تقویٰ کو ہر مقام پر فوقیت حاصل رہی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کے اس پُر آشوب دور میں جب کہ اس پر تیمور حملہ آور ہوا اور اس نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی تو اسی ملک کا دوسرا گوشہ جو جون پور کے نام سے معروف تھا' علمائے دین اور متبعین شریعت کے لیے دارالامان کی حیثیت اختیار کر گیا۔ جو بزرگان دین دہلی اور اس کے گرد و نواح سے ہجرت کر کے وہاں پہنچے' سلاطین جون پور ان سے انتہائی تکریم کے ساتھ پیش آئے۔ ان کا بدرجہ غایت خیر مقدم کیا اور ان کے شایانِ شان ان کو اعلیٰ مناصب عطا کیے۔ ان سلاطین میں ابراہیم شرقی کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ وہ علمائے دین اور ارباب کمال کا بہت ہی قدر دان تھا۔ اس نے ان کو بلند مراتب پر فائز کیا اور اس کے زمانے میں بہترین کتابیں تصنیف ہوئیں۔ اس ضمن میں طبقات اکبری کے مصنف نظام الدین احمد کے الفاظ لائق مطالعہ ہیں۔

علماء و بزرگان کہ از آشوب جہان پریشان خاطر بودند' بجون پور کہ در آں ایام دارالامان بود آوردند۔ و آں دارالسلطنت از قدوم علما دارالعلم گردید و چندیں کتب و رسائل بنام او تصنیف شد۔ مثل حاشیہ ہندی و بحر مواج و فتاویٰ ابراہیم شاہی وارشاد وغیرہ ذالک۔ و چون عون الٰہی قرین آن بادشاہ عالم پرور بود لا جرم در عنفوان دولت بتجارب کاردانی از جمیع سلاطین ہند در مضمار معالی قصب السبق ربود [1]۔

یعنی ان علما اور بزرگان دین نے جو دنیا کی تکلیفوں اور پریشانیوں میں مبتلا تھے' اس دور میں اپنی تشریف آوری اور قیام سے جون پور کو سرفراز کیا' جس کی حیثیت اس زمانے میں دارالامن کی تھی اور یہ دارالسلطنت' علما کی آمد کی وجہ سے گہوارۂ علم قرار دیا گیا۔ (سلطان ابراہیم شرقی) کے نام سے اس زمانے میں چند کتابیں بھی تصنیف ہوئیں۔ مثلاً حاشیہ ہندی' بحر مواج' فتاوی ابراہیم شاہی اور ارشاد وغیرہ۔ اور چونکہ نصرت الٰہی سے یہ بادشاہ علما پرور تھا اس لیے آغاز حکمرانی میں تمام سلاطین ہند سے بازی لے گیا تھا۔

[1] طبقات اکبری از خواجہ نظام الدین احمد بن محمد مقیم ہروی' ج ۳' ص ۲۷۵۔ مطبوعہ باہتمام ایشیاٹک سوسائٹی بنگال۔ مطبع بپٹسٹ مشن کلکتہ (۱۹۳۵ء)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلطان ابراہیم شرقی:

ابراہیم شرقی کے اوصاف وکمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرشتہ لکھتا ہے: اما شاہے بود متصف بعقل ودانش وتدبیر، درعصر وے فضلائے ممالک ہندوستان ودانشمندانِ ایران وتوران کہ از آشوب جہان پریشان خاطر بودند، بدارالامان جون پور آمدہ، درمہد امن وامان غنودند واز خوان احسان اوزلہا برداشتہ، بنام نامی او چنانچہ بزبانِ علم خواہد آمد چندیں کتب ورسائل پرداختند ❶۔

یعنی یہ وہ بادشاہ تھا جو عقل ودانش اور تدبر وتدبیر کے اوصاف سے متصف تھا۔ اس کے عہد میں مختلف علاقہائے ہند کے فاضل اور ایران وتوران کے وہ دانش مند وکامل حضرات، جون پور کے دارالامن میں تشریف لائے جو آشوب جہان سے حیران اور پریشان خاطر تھے، ان کو اس کے عہدِ امن وامان میں پوری آسودگی حاصل ہوئی اور انھوں نے اس کے خوان احسان سے متمتع ہوکر، متعدد کتب ورسائل تصنیف کرکے اس کے نام سے منسوب کیں۔

چند علمائے کرام:

جو علمائے عظام ان دنوں وارد جون پور ہوئے، ان میں قاضی القضاۃ شیخ شہاب الدین دولت آبادی، شیخ ابوالفتح (نبیرہ قاضی عبدالمقتدر شریکی) قاضی احمد بن محمد (مصنف فتاوی ابراہیم شاہی) قاضی نصیر الدین (تلمیذ قاضی عبدالمقتدر شریکی) شیخ خضر بن حسن بلخی اور قاضی نظام الدین غزنوی خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ سلاطین جون پور نے علمائے کرام کی بے حد قدر کی اور اسی وجہ سے ہندوستان کے مختلف گوشوں سے اٹھ کر بہت سے علما وفقہا نے اس شہر کو اپنا مسکن قرار دے لیا تھا۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

دار الحبور جون پور كانت دارا الخلافة للسلاطين الشرقية نشأ بها كثير من المشائخ والعلماء ❷۔

جون پور، جو علما کا گہوارہ ہے، سلاطین شرقی کا دارالخلافہ تھا۔ اس میں کثیر تعداد میں علما ومشائخ پیدا ہوئے۔

قاضی شہاب الدین کی عزت افزائی:

علمائے کرام کی اس جماعت کے ساتھ قاضی شہاب الدین بھی جو احمد بن عمر دولت آبادی کے نام سے موسوم تھے، جون پور پہنچے۔ اس دور کا حکمران سلطان ابراہیم شرقی ان کے علم وفضل کی فراوانیوں سے بہت متاثر ہوا۔

---

❶ تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۳۰۵۔

❷ سبحۃ المرجان، ص ۳۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نے ان کو ملک العلما کا خطاب دیا اور ممالک محروسہ کے عہدۂ قضا پر فائز کیا۔

وذهب الى دارا لحبور جون فور ' فاغتنم السلطان ابراهيم الشرقى جون فور وروره ونضر سقاه السحاب الاحسان وروده وعظمه بين الكبراء ولقبه بملك العلماء ❶۔

یعنی قاضی شہاب الدین آستانہ علما و حبور جون پور میں پہنچے تو سلطان ابراہیم شرقی نے ان کی تشریف آوری کو غنیمت جانا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ابر احسان سے اس سرزمین کو سیراب کیا۔ سلطان نے جماعت اکابر میں ان کو زیادہ لائق تعظیم گردانا اور ملک العلما کا خطاب عطا کیا ❷۔

سلطان ابراہیم شرقی ' ان سے اس درجہ توقیر سے پیش آتا تھا کہ انھیں متبرک تہواروں کے موقعے پر چاندی کی کرسی پر بٹھاتا۔ فرشتہ لکھتا ہے:

سلطان ابراہیم در تعظیم و توقیر او بسیاری کوشید و در روز ہائے متبرک در مجلس او بر کرسی نقرہ می نشست ❸۔

یعنی سلطان ابراہیم شرقی ان کی بے پناہ عزت کرتا اور متبرک ایام میں انھیں اپنے دربار میں نقرئی کرسی پر بٹھاتا۔

حسد و رقابت:

سلطان ابراہیم شرقی کے دربار میں قاضی شہاب الدین کی جو غیر معمولی قدر و منزلت کی گئی' اس سے ان کے بعض ہم عصروں کو بڑی تکلیف ہوئی۔ ان کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ ان کے خلاف ریشہ دوانیاں کرنے لگے۔ قاضی موصوف اس سے نہایت پریشان ہوئے اور واقعہ کی تفصیل سے بذریعہ مکتوب اپنے استاذ محترم مولانا خواجگی کو مطلع کیا۔ انھوں نے جواب میں مطمئن رہنے کی تلقین فرمائی اور چند ہی روز میں حاسدین کا یہ گروہ ختم ہو گیا۔ اس ضمن میں آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

قاضی جانب جون پور رفت' سلطان ابراہیم شرقی اشرق اللہ ضریحہ مقدم او را مغتنم دانستہ۔ لوازم قدر شناسی افزوں از وصف بجا آورد و بہ خطاب ملک العلمائی بلند آوازہ ساخت۔ عرق حسد ابنائے جنس در جنبش آمد۔

❶ سبحۃ المرجان' ص ۳۹۔

❷ ایک روایت کے مطابق ان کو ملک العلما کا خطاب شیخ اشرف جہانگیر نے دیا تھا: حضرت قاضی خدمتے شائستہ و ملازمتے بابستہ شد' الباس خرقہ کردند و بخطاب ملک العلما کردند۔ (لطائف اشرفی' ج ۱' ص ۴۱۰)

یعنی قاضی شہاب الدین ان کی خدمت میں آئے اور ان سے منسلک ہوئے اور انھوں نے ان کو خرقہ پہنایا اور ملک العلما کا خطاب عطا کیا۔

❸ تاریخ فرشتہ' ج ۲' ص ۳۰۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاضی شکایت حساد بمولانا خواجگی نوشت۔ مولانا ایں دو بیت شیخ سعدی شیرازی در جواب قلمی فرمود۔

اے بیش از آنکہ درقلم آید ثنائے تو　　واجب براہل مشرق ومغرب دعائے تو

اے دربقائے عمر تو نفع جہانیاں　　باقی مباد آنکہ نخواہد بقائے تو

گویند دراندک زمانی جماعہ حساد فانی گشتند ❶۔

یعنی قاضی شہاب الدین جون پور تشریف لے گئے۔ سلطان ابراہیم شرقی نے' اللہ اس کی قبر کو منور کرے' ان کے ورود مسعود کو غنیمت جانا۔ ان کی نہایت قدر شناسی کی اور ملک العلما کا خطاب عطا کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاصرین ان سے حسد کرنے لگے۔ قاضی موصوف نے اس کا شکوہ اپنے استاذ مکرم مولانا خواجگی سے کیا اور ان کو واقعہ کی تفصیل سے بذریعہ مکتوب مطلع فرمایا۔ مولانا خواجگی نے جواب میں ان کو شیخ سعدی شیرازی کے یہ دو شعر لکھ بھیجے:

اے بیش از آنکہ درقلم آید ثنائے تو　　واجب براہل مشرق ومغرب دعائے تو

اے دربقائے عمر تو نفع جہانیاں　　باقی مباد آنکہ نخواہد بقائے تو

کہتے ہیں اس کے بعد چند ہی روز میں حاسدین کا یہ گروہ ختم ہو گیا۔

قاضی شہاب الدین کے حاسدین میں سرفہرست مولانا احمد تھانیسری کے بیٹے کا نام آتا ہے۔ مولانا احمد تھانیسری اور مولانا خواجگی ایک دوسرے کے مخلص دوست تھے۔ حملہ تیموری کے زمانے میں مولانا خواجگی تو کالپی چلے گئے تھے مگر مولانا احمد تھانیسری نے دہلی ہی میں سکونت اختیار کیے رکھی۔ وہ توقع رکھتے تھے کہ تیمور ان کے علمی مرتبے کے مطابق ان سے عزت واحترام کا برتاؤ کرے گا' لیکن ان کی یہ توقع پوری نہ ہوئی اور وہ بھی کالپی چلے گئے اور وہاں جا کر اپنے پرانے دوست مولانا خواجگی کے ساتھ قدیم تعلقات کی تجدید کی۔ مولانا احمد تو کالپی میں وفات پا گئے مگر ان کی اولاد ابراہیم شرقی کے جود وسخا اور معارف پروری وعلم نوازی کی داستانیں سن کر جون پور پہنچی۔ وہاں انھوں نے جب یہ دیکھا کہ قاضی شہاب الدین تکریم واعزاز کے بلند مقام پر فائز ہیں تو ان کے دل میں قاضی موصوف کے خلاف حسد وبغض کے جذبات ابھرنے لگے اور وہ ان کی ایذا رسانی کے درپے ہو گئے۔

قاضی شہاب الدین نے ایک مکتوب میں مولانا خواجگی سے اس کا شکوہ کیا تو انھوں نے جواب میں شیخ سعدی کے مندرجہ بالا دو شعر لکھ بھیجے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

مولانا احمد تھانیسری از آں جا باہل وعیال برآمد و بکالپی متوطن شدہ وطریقہ مواخات کہ میان مولانا خواجگی بود' سلوک می داشتہ اند۔ میان اولاد ایشاں وقاضی شہاب الدین کہ شاگرد وفرزند معنوی مولانا خواجگی بود' نقاء واقع شد۔ قاضی شکوہ ایشاں را بخدمت مولانا خواجگی نوشتہ' نمود۔ مولانا ایں دو بیت شیخ سعدی را در جواب او نوشت ❷۔

---

❶ مآثر الکرام ۔ ا' میر غلام علی آزاد بلگرامی' مطبوعہ لاہور (۱۹۷۱ء)' ص ۱۷۱۔

❷ اخبار الاخیار' ص ۱۴۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی مولانا احمد تھانیسری نے اہل وعیال کو ساتھ لیا' دہلی سے نکلے اور کالپی میں اقامت گزیں ہو گئے اور وہاں پہنچ کر مولانا خواجگی کے ساتھ دیرینہ تعلقات کی تجدید کی۔ پھر ان کی اولاد اور مولانا خواجگی کے معنوی فرزند قاضی شہاب الدین کے درمیان حسد پیدا ہو گیا۔ قاضی شہاب الدین نے ایک تحریر میں مولانا خواجگی سے اس کا شکوہ کیا اور ان سے اعانت چاہی تو مولانا خواجگی نے اس کے جواب میں شیخ سعدی کے وہ دو شعر لکھ بھیجے جو پہلے گزر چکے ہیں۔

تدریس اور تصنف وتالیف:

قاضی شہاب الدین کی وسعت علم اور جذبہ خدمت دین وملت کا اندازہ لگایئے کہ اگر ایک طرف وہ جون پور کے منصب قضا پر متعین ہیں تو دوسری طرف وہاں کی مسند تدریس پر فائز ہیں۔ آزاد بلگرامی کے الفاظ ہیں:

فزین القاضی مسند الافادة وفاق البرجیس فی افاضة السعادة❶۔

قاضی شہاب الدین نے مسند درس وافادہ کو زینت بخشی اور علم وسعادت کی نشر واشاعت میں سب سے فوقیت لے گئے۔

اس کے علاوہ تصنیف وتالیف میں بھی بلند مرتبے پر پہنچے۔

والف کتباسارت بها رکبان العرب والعجم❷۔

اور ایسی کتابیں معرض تصنیف میں لائے جن کی وجہ سے عرب وعجم میں بڑی شہرت پائی۔

ان کے حالات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی تگ وتاز علمی کے چار میدان تھے۔ ایک مسند قضا' دوسرے درس وافادہ' تیسرے تصنیف وتالیف اور چوتھے تبلیغ دین۔

تصوف وولایت:

پہلے تین امور کی تو وضاحت ہو چکی۔ تدین وولایت کے بارے میں مرقوم ہے:

ہر چند آں برادر قدوۂ علمائے روزگار وزبدۂ فضلائے ہر دیار است۔ اما بعنایت الٰہی وحمایت نامتناہی واز التفات ایں طائفہ علیہ وتوجہات ایں زمرہ سنیہ 'شربے از مشرب صوفیہ وطربے از منصب باطنیہ دارد وایں را از اعلیٰ ترین دولت واحریٰ ترین رفعت تصور کند❸۔

یعنی ہر چند کہ قاضی شہاب الدین قدوہ علمائے روزگار اور زبدۂ فضلائے دیار تھے' تاہم وہ اللہ کی عنایات

❶ سبحۃ المرجان' ص ۳۹۔

❷ ایضاً

❸ مکتوب اشرفی' بحوالہ اخبار الاخیار۔ ص ۱۶۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واحسانات اور علما وصوفیا کی عالی مرتبت جماعت کی توجہ خاص سے مشرب تصوف اور منصب ولایت سے بھی بہرہ ور تھے اور اس کو عمدہ ترین دولت اور اعلیٰ ترین نعمت تصور کرتے تھے۔

قاضی شہاب الدین شعر و شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے اور کبھی کبھی فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔

قدر و منزلت کی انتہا:

قاضی موصوف چونکہ متعدد اوصاف کے مالک تھے اور علم و فضل کے ہر گوشے کے شناور تھے' ساتھ ہی زہد واتقا کی نعمت سے بھی مالا مال تھے لہٰذا سلطان ابراہیم شرقی کو قدرتی طور پر ان سے تعلق خاطر پیدا ہوا اور وہ ان سے اس درجہ عقیدت و مودت کا اظہار کرنے لگا کہ اگر ان کو تھوڑی سی تکلیف بھی پہنچ جاتی تو بے چین ہو جاتا اور ان کی تکلیف خود برداشت کرنے کے لیے تیار رہتا۔ اس سلسلے کا ایک واقعہ فرشتہ نے ان الفاظ میں درج کیا ہے:

گویند وقتے مولانا را مرضے طاری شد' سلطان ابراہیم بعیادت او رفتہ۔ بعد از تفتیش احوال و اظہار لوازم مہربانی قدحے را پر آب کردہ گرد سر مولانا گردانید و خود نوشیدہ۔ گفت 'بار خدایا' ہر بلائے کہ در راہ او باشد' نصیب من گردان و او را شفا بخش [1]۔

کہتے ہیں ایک مرتبہ مولانا شہاب الدین دولت آبادی ایک مرض میں مبتلا ہوئے۔ سلطان ابراہیم ان کی مزاج پرسی کے لیے گیا۔ حالات معلوم کرنے اور مہربانی و شفقت کے اظہار کے بعد اس نے پانی سے بھرا ہوا پیالہ مولانا کے سر پر گھمایا' وہ پانی خود پیا اور کہا اے بار خدایا! جو مصیبت اس شخص پر آنے والی ہے اس کو میرے لیے مقدر کر دے اور اس کو شفا عطا فرما۔

اس سے آگے فرشتہ لکھتا ہے:

وازیں جا عقیدہ آں صاحب تاج و تخت نسبت بعلمائے شریعت محمدی ﷺ می تواں کرد کہ تا چہ غایت بود [2]۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شریعت محمدی ﷺ کے علمائے کرام کے بارے میں یہ صاحبِ تاج و تخت کس درجہ عقیدت رکھتا تھا اور اس کو ان سے کتنی گہری محبت تھی۔

تصانیف:

ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت آبادی متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کی جن تصانیف کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہو سکی ہیں' وہ یہ ہیں۔

---

[1] تاریخ فرشتہ' ج ۲' ص ۳۰۶

[2] ایضاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحر مواج:

یہ فارسی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ اس میں مصنف نے سجع کا التزام کیا ہے؛ جس کی وجہ سے اس میں حشو و مہمل الفاظ اور بے معنی جملے بھی آ گئے ہیں' لیکن اس کے باوجود یہ ایک مفید کتاب ہے۔ اس میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ آیات میں تراکیب نحوی سے متعلق بحث کا بہت زیادہ اعتنا کیا گیا ہے اور ان کے وجوہِ وصل و فصل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ارشاد:

علم نحو میں یہ ایک نہایت عمدہ کتاب ہے۔ اس میں تعبیر مسئلہ کے ضمن میں مثالیں دینے کا التزام کیا گیا ہے۔ اپنے موضوع میں یہ ایک نادر کتاب ہے۔

حواشی کافیہ:

یہ علم نحو کی مشہور کتاب کافیہ پر حواشی ہیں۔ یہ کتاب شرح ہندی کے نام سے معروف ہے۔ مولانا الٰہ داد جون پوری' علامہ غیاث الدین منصور شیرازی اور علامہ ابوالفضل خطیب گازرونی نے اس پر حواشی لکھے۔ یہ کتاب مصنف علام کی زندگی ہی میں شہرت حاصل کر گئی تھی۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ملا عبدالرحمٰن جامی نے شرح جامی کے نام سے جب کافیہ کی شرح لکھی اور قاضی شہاب الدین نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ ملا جامی نے میری کتاب ''شرح ہندی'' کا خلاصہ لکھا ہے[1]۔

شرح بزدوی:

یہ کتاب اصول فقہ میں ہے اور مبحث امر تک ہے۔ یہ کتاب انھوں نے اپنے ایک تلمیذ شیخ محمد بن عیسیٰ جون پوری کے لیے لکھی۔

بدیع البیان:

یہ کتاب فن بلاغت میں ہے اور اس کی عبارات میں سجع کی رعایت رکھی گئی ہے۔

قصیدہ بانت سعاد کی ایک طویل شرح سپرد قلم کی۔

شرح قصیدہ بردہ:

رسالہ در تقسیم علوم وصنائع۔ فارسی میں ہے۔

---

[1] بزم صوفیہ' ص ۴۴۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہدایۃ السعداء۔ یہ بھی فارسی میں ہے

مناقب السادات: یہ بھی فارسی میں ہے۔

رسالۃ فی العقیدۃ الاسلامیہ

ان کتابوں کے علاوہ بھی وہ متعدد کتب ورسائل کے مصنف تھے۔ اسلامی ہند کے یہ وہ عالم دین تھے جو تمام مروجہ اصناف علم پر عبور رکھتے تھے اور تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، لغت، ادب اور بیان پر انھیں دسترس حاصل تھی۔ اپنے زمانے میں فصاحت وبلاغت کے اونچے مرتبے پر فائز تھے۔

ان کے سوانح نگاروں نے ان کا ذکر ''وحید العصر، فرید الدہر اور صاحب تصانیف عالیہ'' کے الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔

وفات:

قاضی شہاب الدین کے سن وفات میں اختلاف ہے اور مختلف مورخین نے مختلف سنین وفات تحریر کیے ہیں۔ تاریخ فرشتہ میں مرقوم ہے کہ سلطان ابراہیم شرقی ان سے بے حد تعلق خاطر رکھتا تھا اور ان کو بھی اس سے انتہائی محبت تھی۔ اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ جب ۸۴۰ھ (۱۴۳۷ء) میں سلطان کا انتقال ہوا تو قاضی شہاب الدین اتنے مغموم ہوئے کہ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکے اور اسی سال وفات پا گئے۔ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں:

قاضی شہاب الدین نیز با سلطانِ عصر موافقت کرد۔ چنداں از فوت ابراہیم شاہ مغموم گشت کہ در ہماں سال یعنی اربعین وثمان مائۃ بعالم قدس تشریف برد۔ والبقاء للملک المعبود❶

یعنی قاضی شہاب الدین کو سلطان وقت ابراہیم شاہ شرقی سے قلبی لگاؤ تھا۔ وہ اس کی وفات سے اس درجہ غم گین ہوئے کہ اسی سال ۸۴۰ھ (۱۴۳۷ء) میں دنیائے فانی سے عالم قدس میں تشریف لے گئے۔

اس سے آگے دوسری روایت کی رو سے فرشتہ ان کا سال وفات ۸۴۲ھ (۱۴۳۸ء) تحریر کرتا ہے۔

وبعضے گویند بدو سال بعد از فوت سلطان ابراہیم طائر روحش در سنہ اثنی واربعین

وثمان مائۃ بروضہ رضوان پرواز کرد❷۔

بعض کہتے ہیں کہ سلطان ابراہیم کی وفات سے دو سال بعد ۸۴۲ھ میں ان کے طائر روح نے جنت الفردوس کو پرواز کی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اخبار الاخیار میں ان کا سال وفات ۸۴۸ھ (۱۴۴۴ء) تحریر فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

---

❶ تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۳۰۶

❷ تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۳۰۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وفات او در سنہ ثمان واربعین وثمان مائتہ۔ قبر او در شہر جون پور است ❶۔

ان کی وفات ۸۴۸ھ (۱۴۴۴ء) میں ہوئی۔ قبر شہر جون پور ہیں ہے۔

صاحب حدائق الحنفیہ مولوی فقیر محمد جہلمی نے بھی سال ارتحال ۸۴۸ھ (۱۴۴۴ء) لکھا ہے اور ''صدر نشین انجمن'' سے تاریخ وفات نکالی ہے ❷۔

تذکرہ علمائے ہند میں مولوی رحمان علی نے لکھا ہے کہ ۲۵ رجب ۸۴۹ھ (۱۲۷ اکتوبر ۱۴۴۵ء) کو ان کا انتقال ہوا۔ الفاظ یہ ہیں:

تاریخ بست وپنجم رجب سال ہشت صد وچہل ونہ ہجری رحلت فرمودہ بجون پور جانب جنوب' مسجد سلطان ابراہیم کہ بنام مسجد اٹالہ شہرت دارد مدفون شد ❸۔

کہ ۲۵ھ رجب ۸۴۹ھ (۱۲۷ اکتوبر ۱۴۴۵ء) کو رحلت فرمائی اور جون پور میں' مسجد سلطان ابراہیم کے جانب جنوب میں' جو کہ مسجد اٹالہ کے نام سے مشہور ہے' دفن ہوئے۔

میر غلام علی آزاد بلگرامی نے بھی یہی تاریخ وفات لکھی ہے۔ وہ سبحۃ المرجان میں لکھتے ہیں۔

توفی لخمس بقین من رجب المرجب سنة تسع واربعین وثمان مائة و دفن بجون پور فی الجانب الجنوبی من مسجد السلطان ابراهیم الشرقی ❹۔

۲۵ رجب المرجب ۸۴۹ھ (۱۲۷ اکتوبر ۱۴۴۵ء) کو فوت ہوئے اور جون پور میں' سلطان ابراہیم شرقی کی مسجد کے جنوبی جانب دفن کیے گئے۔

آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام میں بھی یہی تاریخ وفات لکھی ہے۔

قاضی در بست وپنجم رجب المرجب سنہ تسع واربعین وثمان مائتہ بہ گل گشت فردوس اعلی شتافت۔ مرقد منورش در بلدۂ جون پور جانب جنوبی مسجد ابراہیم شرقی ❺۔

قاضی شہاب الدین ۲۵ رجب المرجب ۸۴۹ھ (۱۲۷ اکتوبر ۱۴۴۵ء) کو عازم گل گشت فردوس ہوئے۔ ان کا مرقد منور جون پور شہر میں مسجد ابراہیم شرقی کی جنوبی جانب ہے۔

مولوی ذوالفقار احمد مرحوم نے بھی یہی تاریخ وفات تحریر فرمائی ہے ❻۔

---

❶ اخبار الاخیار، ص ۱۸۰۔

❷ حدائق الحنفیہ، ص ۳۱۸۔

❸ تذکرہ علمائے ہند، ص ۸۹۔

❹ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان' ص ۳۹

❺ مآثر الکرام، ص ۱۷۲۔

❻ ملاحظہ ہو: قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب' ص ۱۹۵' ۱۹۶ مطبوعہ مطبع فیض منبع مفید عام آگرہ۔ باہتمام محمد قادر علی خاں۔ متوفی (۱۳۱۶ھ)۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نواب صدیق حسن خان مرحوم نے ابجد العلوم میں توفی فی سنۃ ۸۴۹ھ (۱۴۴۵ء) ودفن بجون پور تحریر کیا ہے۔
سید عبدالحی حسنی لکھنوی نے بھی نزہۃ الخواطر میں یہی تاریخ لکھی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

وکانت وفاته لخمسٍ بقین من رجب سنة تسع واربعین وثمان مائة مدينة جون بور فدفن جنوبی المسجد السلطان ابراهيم الشرقی ومدرسته ❶۔

یعنی وہ ۲۵ رجب ۸۴۹ھ (۱۲۷ اکتوبر ۱۴۴۵ء) کو شہر جون پور میں فوت ہوئے اور سلطان ابراہیم شرقی کی مسجد اور اپنے مدرسے کی جنوبی جانب میں دفن کیے گئے۔

اولاد:

کسی تذکرے سے یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ قاضی شہاب الدین کی کوئی نرینہ اولاد بھی تھی۔ البتہ ان کی ایک بیٹی ضرور تھی جس کی شادی اس دور کے مشہور عالم شیخ نصیر الدین بن شیخ نظام الدین کے ساتھ ہوئی تھی۔ شیخ نظام الدین امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے' اصلاً غزنی کے باشندے تھے۔ غزنی سے وارد ہند ہوئے۔ دہلی آئے اور دہلی سے جون پور پہنچے۔ جون پور میں قاضی شہاب الدین سے تعارف ہوا تو انھوں نے ان کو سلطان ابراہیم شرقی کے مقربین میں شامل کرا دیا سلطان ان کی گوناگوں صلاحیتوں سے اس درجہ متاثر ہوا کہ انھیں مچھلی شہر کے قاضی مقرر کر دیا۔

قاضی شہاب الدین کی بیٹی سے شیخ نصیر الدین بن نظام الدین کے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ صفی الدین' رضی الدین اور فخر الدین۔!

شیخ صفی الدین اپنے زمانے کے ایک بڑے عالم تھے۔ انھوں نے علوم ظاہری کی تکمیل اپنے نانا ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے کی اور علوم باطنی کے لیے سید اشرف بن ابراہیم سمنانی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس موقعے پر شیخ صفی الدین کے مفصل حالات معرض تحریر میں لانا مقصود نہیں۔ وہ اپنے اصل مقام پر درج کیے گئے ہیں۔ یہاں ہم فقط یہ عرض کر کے آگے نکل جانا چاہتے ہیں کہ اسلامی ہند کا یہ عظیم فرزند غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ ان کے علم و فضل کا اندازہ اس سے کیجیے کہ یہ ان دو فنی کتابوں کے مصنف ہیں جو اہل علم میں مشہور و متداول ہیں۔ ان میں ایک کتاب علم صرف کی دستور المبتدی ہے اور دوسری علم نحو کی شہرہ آفاق کتاب کافیہ ابن حاجب کی بسیط و مفصل شرح ''غایۃ التحقیق'' ہے۔ یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ غایۃ التحقیق ہندی نبوغ و عبقریت کا وہ عظیم علمی شاہکار ہے جس کا ذکر حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے ❷۔

---

❶ نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۲۱۔ ابجد العلوم ص ۸۹۳۔

❷ کشف الظنون ج ۲ ص ۱۳۷۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاضی شہاب الدین کے دوسرے نواسے شیخ رضی الدین تھے۔ انھوں نے بھی اپنے نانا سے فیض علم حاصل کیا تھا۔ فقہ واصول اور علم کلام وعربیت میں دست گاہ رکھتے تھے۔ سلطان ابراہیم شرقی ان کے علم وفضل کی فراوانی سے اس درجہ متاثر تھا کہ اس نے ان کو ردولی کے منصب قضا پر متعین کر دیا تھا اور یہ ردولی ہی میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ قضا کے علاوہ ان کا مشغلہ درس وتدریس تھا۔ عمر بھر یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

تیسرے نواسے مولانا فخر الدین تھے۔ یہ بھی جون پور میں پیدا ہوئے اور اپنے نانا قاضی شہاب الدین سے تعلیم حاصل کی اور فقہ واصول اور کلام وعربیت میں مرتبہ کمال کو پہنچے۔

تلامذہ:

ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے تلامذہ کا حلقہ بڑا وسیع تھا اور ان میں بعض ایسے حضرات شامل ہیں جو علوم وفنون کی تمام مروجہ شاخوں پر گہری نظر رکھتے تھے اور بہت سی اہم کتابوں کے مصنف تھے۔ ان میں سے چند کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ **مولانا علاء الدین جون پوری:** انھوں نے ایک عرصہ اپنے استاذ گرامی کی صحبت میں گزارا اور ان سے تعلیم حاصل کی۔ ملک العلما کو ان سے جو تعلق تھا' اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے ان کے لیے ''کافیہ'' کی شرح لکھی' جو ''شرح ہندی'' کے نام سے معروف ہے اور جس کا ذکر اوپر کی سطور میں ہوا۔ ان کے اس لائق شاگرد (مولانا علاء الدین جون پوری) نے اس شرح پر حاشیہ تحریر کیا۔

۲۔ **مولانا عبدالملک جون پوری:** جون پور میں پیدا ہوئے۔ ایام طفولیت ہی میں قاضی شہاب الدین سے وابستہ ہو گئے تھے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں سند فراغ حاصل کی۔ پھر درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔ اپنے عصر کے جلیل القدر عالم تھے۔ استاذ کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔

۳۔ **شیخ محمد بن عیسیٰ:** ۷۸۰ھ (۱۳۷۸ء) میں دارالسلطنت دہلی میں پیدا ہوئے۔ حملہ تیمور کے دور میں دیگر بزرگان دین کے ساتھ ان کے والد گرامی دہلی سے جون پور چلے گئے تھے۔ شیخ محمد بن عیسیٰ وہاں گئے تو شیخ فتح اللہ اودھی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ شیخ فتح اللہ نے تکمیل علوم شرعیہ کا حکم دیا تو قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیے۔ ان کی ذہانت وقابلیت کی وجہ سے قاضی شہاب الدین ان پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ انھوں نے اپنے اس لائق شاگرد کے لیے بحث امر تک اصول بزدوی کی شرح سپرد قلم کی۔

ملک العلما شیخ شہاب الدین کے نواسوں اور شاگردوں کے حالات حروف تہجی کی ترتیب سے آئندہ صفحات میں علیحدہ علیحدہ بیان کیے گئے ہیں۔ یہاں چند الفاظ میں صرف ان کا تعارف مقصود تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۰۔ قاضی احمد بن محمد جون پوری

قاضی احمد بن محمد گیلانی اپنے عصر کے ممتاز مصنف اور مفتی تھے۔ ان کا لقب نظام الدین تھا اور اپنے لقب ہی سے مشہور تھے۔ ان کے آباو اجداد میں سے ایک بزرگ عرب سے وارد ہند ہوئے اور گجرات (کاٹھیاوار) میں سکونت پذیر ہو گئے ــــــ وہیں نظام الدین کی ولادت ہوئی اور اسی شہر میں پلے بڑھے۔ اپنے دور کے مشہور اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور فقہ واصول میں مرتبۂ بلند پر فائز ہوئے حتیٰ کہ اپنے وقت کے جید علما میں گردانے گئے اور کبار فقہائے ہند میں ان کا شمار ہونے لگا۔ اس زمانے میں سلطان ابراہیم شرقی اورنگ جون پور پر متمکن تھا۔ یہ حکمران علم وعلما سے انتہائی محبت رکھتا تھا۔ اس کی علم پروری اور علما دوستی کی شہرت سن کر شیخ نظام الدین یعنی علامہ احمد بن محمد جون پور پہنچے اور ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے ملے۔ ملک العلما ان کی علمی قابلیت سے بہت متاثر ہوئے اور انھیں سلطان ابراہیم شرقی سے ملایا۔ سلطان نے ان کی علمی وفقہی قابلیت اور مختلف صلاحیتوں سے اثر پذیر ہو کر ان کو جون پور کا قاضی مقرر کر دیا اور اپنی عنایت وقبولیت سے نوازا۔ پھر انھوں نے جون پور ہی میں مستقل طور سے اقامت اختیار کر لی اور خود کو جون پوری کہلانے لگے۔

علوم دینیہ میں قاضی نظام الدین کا مرتبہ اس درجہ بلند تھا اور ملک العلما شہاب الدین ان کے علمی تبحر سے اتنے متاثر تھے کہ ان کے پاس استفتا آتے تو ان پر اس وقت تک اپنی مہر نہ لگاتے تھے جب تک قاضی نظام الدین ان پر دستخط ثبت نہ کر دیتے تھے۔ مسائل فقہ کے سلسلے میں وہ دیگر علما کے دستخطوں اور مہر کو زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے۔

قاضی نظام الدین جون پوری مصنف بھی تھے مگر ان کی تصانیف میں سے جس اہم تصنیف کا ہمیں علم ہو سکا ہے، وہ فتاویٰ ''ابراہیم شاہیہ'' ہے۔ یہ فتاویٰ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک حصہ فارسی میں ہے جس کو حصہ اول کہنا چاہیے۔ یہ حصہ عبادات پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ عربی میں ہے۔ اس میں معاملات سے متعلق فقہی احکام درج کیے گئے ہیں

یہ فتاوی سلطان ابراہیم شرقی کی طرف منسوب ہے۔ اس کا ذکر حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے اور لکھا ہے:

> ھو کتاب کبیر من افخر الکتب کقا ضیخان ' جمعه من مائة و ستین کتاب للسلطان ابراھیم شاہ❶۔
>
> یہ بہت بڑی کتاب ہے اور فتاویٰ قاضی خاں کی طرح اہم ترین فقہی کتابوں میں سے ہے۔ مصنف نے یہ کتاب سلطان ابراہیم شرقی کے لیے لکھی اور اسے ایک سو ساٹھ کتابوں

❶ کشف الظنون ج ۱ ص ۳، ج ۲، ص ۱۲۸۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سے جمع کیا ہے۔

فتاویٰ ابراہیم شاہی کا حصہ عربی اور حصہ فارسی دونوں غیر مطبوعہ ہیں اور ان کے قلمی نسخے جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا ہے' مندرجہ ذیل مقامات پر موجود ہیں۔

۱۔ پنجاب یونیوسٹی میں اس کا حصہ فارسی بھی موجود ہے اور حصہ عربی بھی۔ حصہ فارسی کا نمبر ۱۲/۸۹۹۱ PDU ہے۔ اوراق ۱۵۸ اور سطور فی صفحہ ۲۷ ہیں۔ مکتوبہ 'وقت چاشت' روز دوشنبہ' ۱۲۶۹ھ (۱۸۵۳ء)۔ کاتب کا نام درج نہیں۔ خط نسخ اور نستعلیق۔

حصہ عربی نمبر ARDII۹۸ اوراق ۴۳۵۔ سطور فی صفحہ ۲۳۔ خط نستعلیق کاتب کا نام درج نہیں۔

۲۔ رام پور لائبریری میں فتاویٰ ابراہیم شاہی کے دو نسخے ہیں۔ ایک حصہ کتاب الطہارت سے کتاب الفرائض تک ہے اور ۹۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا نمبر ۳۵۱ ہے۔ دوسرا نسخہ ناقص الطرفین ہے اور ۴۸۰ صفحات پر محیط ہے۔ اس کا نمبر ۳۵۲ ہے ❶۔

۳۔ کتب خانہ آصفیہ (حیدر آباد دکن) میں اس کے حصۂ فارسی کا ایک نسخہ ہے جس کا نمبر ۱۱۷ ہے اور ۱۰۰۴ھ (۱۵۹۶ء) کا مکتوبہ ہے۔ صفحات ۱۳۱۹ اور سطور فی صفحہ ۲۱ ❷۔

اسی کتب خانے میں اس کے حصہ عربی کے نسخے کا نمبر ۲۷ ہے جو عمدہ کاغذ پر خوش خط' خط نسخ میں ہے۔ ۱۰۸۷ھ کا مکتوبہ ہے۔ کاتب کا نام سید محمد ہے۔ حصہ اول صفحہ ایک سے صفحہ ۴۴۶ تک ہے اور حصہ دوم صفحہ ۴۴۷ سے شروع ہو کر صفحہ ۸۰۵ پر ختم ہوتا ہے۔ سطور فی صفحہ ہر دو حصہ ۲۵ ❸۔

۴۔ کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے' جس کا مطلب یہ ہے یہ کتاب پاکستان اور ہندوستان کے علاوہ ترکی میں بھی موجود ہے ❹۔

قاضی احمد بن محمد جون پوری کی یہ تصنیف جو فتاویٰ ابراہیم شاہی کے نام سے موسوم ہے' اپنے موضوع میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اور اس کا شمار برصغیر کی کتب فقہ ہوتا ہے۔ صدیاں گزر جانے کے باوجود اب بھی یہ قلمی صورت میں دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہے اور اہل علم اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

قاضی احمد بن محمد جون پوری نے ایک روایت کے مطابق ۸۷۴ھ (۱۴۷۰ء) میں اور ایک روایت کے مطابق ۸۷۵ھ (۱۴۷۱ء) میں وفات پائی۔ ان کی قبر چاپک پور میں ہے جو اعمال جون پور میں واقع ہے ❺۔

---

❶ فہرست کتب عربی' کتاب خانہ ریاست رام پور' ص ۲۲۰' ۲۲۱۔ مطبع احمدی' ریاست رام پور۔ (مطبوعہ مئی ۱۹۰۲ء)

❷ فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ' مخزونہ کتب خانہ آصفیہ' سرکار عالی۔ (حصہ دوم)' ص ۱۳۹۔ مطبوعہ ۱۳۵۷ھ

❸ ایضاً' ص ۱۳۔

❹ کشف الظنون' ج ۱ ص ۳ ج ۲' ص ۱۲۸۳۔

❺ نزہۃ الخواطر' ج ۳ ص ۲۱' ۲۲ بحوالہ تجلی نو۔ تاریخ جون پور شیراز ہند' ص ۶۰۸۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ راقم کی کتاب برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ' صفحہ ۱۶۷ تا ۱۹۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۱۔ شیخ احمد بن عمر پنڈوی

شیخ احمد کا لقب نور الدین بھی تھا اور علاء الدین بھی۔ یہ شیخ احمد بن عمر بن اسعد لاہوری پنڈوی ہیں۔ مشہور عالم، عابد و زاہد اور فقیہ تھے۔ تدین و تقویٰ کی وجہ سے لوگ ان کو نور الحق، علاء الحق اور قطب العالم کہتے تھے۔ اپنے دور کے اولیا میں سے گردانے جاتے تھے۔ ریاضت و مجاہدہ میں اونچے مرتبے پر فائز تھے۔ سرزمین بنگال کے شہر پنڈوہ میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی۔ شیخ حمید الدین احمد حسینی ناگوری مدفون بہ پنڈوہ سے تعلیم حاصل کی اور اپنے والد مکرم شیخ عمر بن اسعد کے حضور طریقت و تصوف کی منزلیں طے کیں اور عرصے تک اس ضمن میں ان سے وابستگی اختیار کیے رکھی۔ قناعت و عفت اور ضبط نفس کے اوصاف سے متصف تھے اور ہر طرف سے منقطع ہو کر ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں منہمک رہتے تھے۔

منقول ہے کہ جو فقرا ان کے والد کی خانقاہ میں مقیم تھے، یہ ان کی خدمت میں مصروف رہتے۔ پورے آٹھ سال تک ان کے لیے جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتے رہے۔ ان کے بھائی اعظم خاں منصب وزارت پر فائز تھے۔ ان کو ان کی خدمت فقرا کا یہ انداز پسند نہ تھا اور اسے اپنی خاندانی اور علمی وجاہت کے منافی سمجھتے تھے۔

مدت تک فقرا کی رہائش گاہ میں جھاڑو دیتے اور ان کے بیت الخلا صاف کرتے رہے۔ کہتے ہیں ایک روز جھاڑو دے رہے تھے کہ بیت الخلا میں خانقاہ کا ایک فقیر بیٹھا تھا، جسے یہ معلوم نہ تھا کہ شیخ احمد باہر جھاڑو دینے میں مصروف ہیں۔ اس کی ساری غلاظت شیخ احمد پر آپڑی۔ مگر شیخ بالکل خاموش رہے، نہ گھبرا کر اپنی جگہ سے اِدھر اُدھر ہوئے اور نہ کوئی لفظ زبان سے نکالا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ فقیر کو تکلیف پہنچے اور وہ آزردہ خاطر ہو۔

اپنے والد محترم شیخ عمر کی وفات کے بعد مسند نشین خلافت ہوئے اور ان سے شیخ حسام الدین مانک پوری اور بہت سے لوگوں نے ظاہری و باطنی علوم کی تحصیل کی۔

ان کی تصانیف میں سے کچھ تو وہ مکتوبات ہیں جو انھوں نے اپنے تلامذہ اور عقیدت مندوں کو لکھے اور کچھ کتابیں ہیں، جن میں مونس الفقرا اور انیس الغربا زیادہ مشہور ہیں۔ ایک کتاب اذکار القوم و اشغالها ہے۔

ان کے کچھ ملفوظات بھی کتابوں میں منقول ہیں جو فارسی زبان میں ہیں۔

اس عابد و زاہد فقیہ اور معروف عالم دین نے ۹ ذی القعدہ ۸۱۸ھ (۱۰ جنوری ۱۴۱۶ء) کو شہر پنڈوہ میں وفات پائی اور وہیں دفن کے گئے [1]۔

۱۲۔ قاضی اسحاق مالوی

قاضی اسحاق بن ابو اسحاق مالوی سلطان علاء الدین محمود شاہ مالوی کے زمانے کے عالم دین اور نامور فقیہ تھے۔ ان کا شمار کبار مشائخ چشتیہ میں ہوتا تھا۔ سلطان علاء الدین محمود شاہ ان کی نیکی و تدین سے اس درجے

[1] نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۲۴ تا ۲۷ بحوالہ گنج ارشدی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متاثر تھا کہ جنگ و جہاد کے لیے کسی طرف کا رخ کرتا تو پہلے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور فتح و کامرانی اور حصول برکت کے لیے ان سے دعا کی التجا کرتا۔ اسی سلطان کے عہد حکومت میں ان کا انتقال ہوا❶۔

۱۳۔ قاضی اسماعیل اصفہانی

قاضی اسماعیل بن عبداللہ اصفہانی گجراتی فقہ و اصول کے جید علما میں سے تھے۔ عالم طفولیت میں اپنے والد (عبداللہ) کے ساتھ گجرات آئے اور پھر ان سے اور دیگر علمائے گجرات سے تعلیم حاصل کی۔ علم کی منزلیں طے کر چکے تو شہر بھڑوچ کے عہدۂ قضا پر متعین کیے گئے اور طویل عرصے تک اس منصب پر فائز رہے۔ بعد ازاں سلطان محمود کبیر کے ایام حکومت میں ان کو شہر احمد آباد کے قاضی مقرر کر دیا گیا' جس پر تمام عمر متمکن رہے۔

صالحیت و عفت اور دین داری میں ان کا مقام بہت اونچا تھا۔ تصوف و طریقت سے بھی لگاؤ تھا۔ یہ علم انھوں نے شیخ محمد بن عبداللہ حسینی گجراتی سے حاصل کیا تھا۔

تاریخ وفات ۲۶ ربیع الاول ۸۶۵ھ (۹ جنوری ۱۴۶۱ء) ہے❷۔

۱۴۔ شیخ اسماعیل بن صفی الدین ردولوی

شیخ اسماعیل بن صفی الدین بن نصیر الدین ردولوی ۱۲ ربیع الثانی ۷۸۹ھ (۱۲ اپریل ۱۳۸۷ء) کو پیدا ہوئے۔ ان کی کنیت ابوالمکارم تھی اور شیخ اسماعیل ابوالمکارم خطیب نعمانی کے نام سے معروف تھے۔ ان کا سلسلہ نسب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ملتا ہے۔ ان کے والد شیخ صفی الدین ایک بڑے عالم تھے جو قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے نواسے اور ان کے شاگرد تھے۔ شیخ اسماعیل نے اپنے والد ہی سے تعلیم حاصل کی اور والد نے اپنے اس بیٹے کے لیے دو کتابیں تصنیف کیں جو درس نظامیہ میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ ایک علم صرف کی مشہور کتاب دستور المبتدی اور دوسری کافیہ ابن حاجب کی مفصل و بسیط شرح غایۃ التحقیق۔

شیخ صفی الدین اپنے اس بیٹے کو بڑی نصیحتیں کیا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے علما کے لیے ضروری ہے کہ وہ کم کھائیں' کم سوئیں اور شب کو کثرت سے مطالعہ کریں۔ یہ بھی فرماتے کہ رات کا مطالعہ قوت حافظہ کو بڑھاتا ہے۔ انھوں نے اسماعیل کو وصیت کی تھی کہ علمائے سوء میں سے نہ ہو جانا' اس لیے کہ بے عمل عالم اسی طرح ہے جیسا کہ کمان بغیر تانت کے نیز عالم بلا عمل اس آئینے کی مانند ہے جس پر گرد و غبار کی تہیں جمی ہوئی ہوں۔

شیخ اسماعیل بے حد ذکی اور تیز ذہین تھے۔ سولہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے تھے اور پھر اپنے آپ کو درس اور افادۂ عام میں مشغول کر لیا تھا۔ اپنے والد شیخ صفی الدین کی وفات کے بعد باقاعدہ ان کی مسند پر

❶ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۲۸۔ گلزار ابرار' ص ۱۲۷' ۱۲۸

❷ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۳۱۔ بحوالہ تاریخ دکن۔ آصفی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیٹھے اور حسن قبول سے بہرہ مند ہوئے۔ تدریس اور افتا کی مسند پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ ہر جمعے کو مجلس وعظ بھی منعقد کیا کرتے تھے۔

بدھ کے روز ۱۳ ربیع الاول ۸۶۰ھ (۲۰ فروری ۱۴۵۶ء) کو وفات پائی[1]۔

۱۵۔ سید اشرف جہاں گیر

والد اور والدہ:

محمد اشرف نام اور جہاں گیر لقب تھا۔ حسنی حسینی سید تھے۔ آل سمنان سے تعلق رکھتے تھے۔ ولادت بھی سمنان میں ہوئی۔ والد کا اسم گرامی محمد ابراہیم تھا جو سمنان کے حکمران تھے۔ والدہ مکرمہ کا نام خدیجہ تھا۔ یہ خاتون خواجہ محمد یسوی کی دختر تھیں۔ نہایت نیک اور عابدہ وزاہدہ۔ بالالتزام تہجد کی نماز پڑھتیں۔ رات کو قیام کرتیں اور دن کو روزہ رکھتیں۔

سلطان محمد ابراہیم کے ہاں کوئی بیٹا نہ تھا۔ تین لڑکیاں پیدا ہوئیں تو اس نواح کے ایک بزرگ سے جن کا نام ابراہیم تھا نرینہ کے لیے دعا کی درخواست کی۔ انھوں نے اللہ کے حضور دعا کی جس کے نتیجے میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اشرف رکھا اور بالکل ابتدائی عمر میں مکتب میں داخل کرا دیے گئے۔ حافظہ تیز تھا۔ ابھی سات سال کو پہنچے تھے کہ قرأت سبعہ کے ساتھ قرآن مجید حفظ کر لیا اور چودہ سال کی عمر میں معقولات ومنقولات کی تمام کتابیں پڑھ لیں جس کی وجہ سے پورے عراق میں مشہور ہو گئے۔

والد کی وفات اور تخت نشینی:

انیس سال کے تھے کہ والد بزرگ وار سید محمد ابراہیم وفات پا گئے۔ ان کی وفات کے بعد حکومت سمنان کی بھاگ ڈور ہاتھ میں لی اور مہمات ملکی میں مشغول ہو گئے۔ ساتھ ہی اس دور کے عظیم بزرگ شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی اور دیگر علما و مشائخ سے تصوف وطریقت اور دیگر علوم کی تحصیل میں بھی منہمک رہے۔ عرصے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ان کا دور حکومت انتہائی عدل وانصاف کا دور تھا۔

ترک حکومت:

سید محمد اشرف اپنے زمانۂ حکومت میں فرائض وسنن اور نوافل کی ادائیگی بھی باقاعدگی سے کرتے اور اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت خضر سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے کہا

---

[1] نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۳۱، ۳۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر سلطنت الٰہی طلب کرنا چاہتے ہو تو اس دنیوی سلطنت کو ترک کر دو اور دیار ہند کا رخ کرو۔ صبح ہوئی تو والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' خواب بیان کیا اور حکومت سے دست بردار ہو کر عازم ہند ہونے کی تمنا ظاہر کی۔ والدہ نے نہایت شفقت سے فرمایا تمھاری ولادت سے قبل میرے والد نے بتایا تھا کہ میرے گھر میں ایک بیٹا پیدا ہوگا' جس کے نور ہدایت سے تمام عالم منور ہوگا۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ وقت آ پہنچا۔ جاؤ رختِ سفر باندھو۔ اللہ تم کو یہ سفر مبارک کرے ❶۔

عزم ہند:

والدہ کی اجازت سے بہت خوش ہوئے۔ زمامِ حکومت اپنے بھائی سلطان محمد کے ہاتھ میں دی اور عازم ہند ہو گئے۔

سمنان سے روانہ ہوئے تو بارہ ہزار سپاہی اور توپچی تین منزل تک الوداع کہنے کے لیے ساتھ گئے۔ وہاں سے ماوراء النہر ہوتے ہوئے بخارا پہنچے اور بخارا سے سمرقند گئے۔ سمرقند تک سواری میں کچھ گھوڑے ساتھ تھے۔ لیکن ان گھوڑوں کے ساتھ فقرا کی مجلس میں گئے تو ان کو راحت کے بجائے رسوائی کا باعث سمجھا اور یہ تمام گھوڑے فقرا کو دے دیے۔

اوچ میں داخلہ:

سمرقند سے برصغیر پاک و ہند کی طرف روانہ ہوئے اور اس کی سرحدوں کو عبور کر کے اوچ میں داخل ہوئے۔ اوچ کو اس زمانے میں علوم ظاہری و باطنی کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ شیخ سید جلال الدین حسین بن احمد بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت متوفی ۱۰ ذی الحجہ ۷۸۵ کی بساط طریقت آراستہ تھی۔ سید اشرف ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شیخ کی نظر ان پر پڑی تو فرمایا۔

بعد از مدتے بوئے طالب صادق بدماغ رسیدہ' بعد از روزگارے نسیم از گلزار سیادت وزیدہ۔ فرزند! بسیار مردانہ برآمدہ' مبارک باد۔ زود قدم در راہ نہ کہ برادرم علاء الدین منتظر مقدم شریف ہستند' زینہار در راہ جائے نمانی ❷۔

یعنی ایک مدت کے بعد طالب صادق کی خوشبو دماغ میں پہنچی ہے اور ایک عرصے کے بعد گلزار سیادت کی نسیم جاں افزا کے دلنواز جھونکے نصیب ہوئے ہیں۔ فرزند! تم بہت ہی مردانہ انداز سے آئے ہو۔ میری طرف سے ہدیہ تبریک قبول کرو۔ اس راہ سعادت افروز میں جلد جلد قدم اٹھاؤ کہ برادرم علاء الدین تمھاری تشریف آوری کے منتظر ہیں۔ راستے میں ہرگز کہیں نہ ٹھہرنا۔

---

❶ لطائف اشرفی' ج ۲' ص ۹۲' ۹۳

❷ لطائف اشرفی' ج ۲' ص ۹۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دہلی اور بہار کا قصد:

مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے مستفیض ہو کر عازم دہلی ہوئے۔ وہاں کے مشائخ وعلما سے متمتع ہو چکے تو بہار کا قصد کیا۔ قصبہ بہار میں عین اس وقت پہنچے جب حضرت شرف الدین احمد یحییٰ منیری متوفی ۶ شوال ۷۸۲ھ کا جنازہ رکھا ہوا تھا۔ شیخ منیری نے وصیت کی تھی کہ ان کی نماز جنازہ وہی شخص پڑھائے جو صحیح النسب سید ہو' تارکِ سلطنت ہو اور سات قرأتوں کا قاری ہو۔ یہ تمام شرطیں سید اشرف سمنانی میں پائی جاتی تھیں' لہٰذا حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت ان کے حصے میں آئی۔

ورودِ بنگال اور شیخ احمد بن عمر سے استفاضہ:

وہاں سے بنگال روانہ ہوئے۔ سرزمین بنگال میں اس زمانے میں شیخ احمد بن عمر بن اسعد لاہوری پنڈوی کا دینی اور روحانی فیض جاری تھا۔ یہ بزرگ شیخ علاء الدین اور نور الدین کے القاب سے ملقب تھے۔ بلند مرتبے کے عالم تھے۔ ان کے خاندان کے اکثر افراد بڑے بڑے شاہی مناصب پر فائز تھے' جن میں سے بعض لوگ مسند وزارت پر متعین تھے اور بعض دیگر اونچے عہدوں پر سرفراز۔! مگر خود شیخ احمد بن عمر لاہوری پنڈوی نے درویشانہ وفقیرانہ انداز اختیار کر لیا تھا اور زہد وعبادت کی راہوں پر گامزن ہو گئے تھے۔ وہ جلیل القدر عالم دین بھی تھے' اس لیے جہاں لوگ حصول تصوف کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے' وہاں ظاہری علوم کی تحصیل کا جذبہ اور تحقیق مسائل دینیہ کا داعیہ بھی انھیں ان کے باب عالی پر دستک کے لیے مجبور کرتا ___ انتہا درجے کے سخی اور مہمان نواز تھے۔ کہتے ہیں ان کی خانقاہ کے مصارف اتنے زیادہ تھے کہ بڑے بڑے امرا وزرا اس پر تعجب کا اظہار کرتے۔ سید اشرف سمنانی کی آمد سے پہلے انھوں نے اپنے عقیدت مندوں سے کہا تھا

آں کسے کہ از دو سال انتظار اوی کشیدہ ایم وطریق مواصلت اوی دیدہ ایم' امروز فردای رسد [1]۔

جس شخص کے آنے کا ہم دو سال سے انتظار کر رہے ہیں اور اس کی راہ تک رہے ہیں' وہ آج کل میں پہنچنے والا ہے۔

سید اشرف جب پنڈوہ کے قریب پہنچے تو دوپہر کا وقت تھا اور شیخ احمد علاء الدین قیلولہ کر رہے تھے۔ یکا یک اٹھے' آنکھیں کھولیں اور فرمایا۔ ''بوئے یاری آید۔'' یار کی خوشبو آ رہی ہے۔

یہ کہہ کر تیزی سے شہر سے باہر نکلے۔ معتقد اور ارادت مند بھی بھاری تعداد میں ساتھ ہو گئے۔ شہر سے ایک کوس کے فاصلے پر سید اشرف کا استقبال کیا۔ سید اشرف کی نظر حضرت شیخ پر پڑی تو دور سے دوڑے اور انھیں سلام کی۔ شیخ نے محبت سے اٹھایا اور گلے لگایا۔ پھر فرمایا:

---

[1] ۔ لطائف اشرفی' ج ۲' ص ۹۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے　　باامید رسد امید وارے

خانقاہ میں لائے اور بڑی تعظیم سے پیش آئے۔ بیعت لی اور ''جہاں گیر'' کا لقب عطا کیا۔ مرشد کی طرف سے اس لقب پر سید اشرف فرماتے ہیں:

مرا از حضرت پیر جہاں بخش　　خطاب آمد کہ اے اشرف جہاں گیر

کنوں گیرم جہان گیرم جہان معنوی را　　کہ فرمان آمد کہ از شاہم جہاں گیر

لطائف اشرفی میں منقول ہے کہ ایک دفعہ سید اشرف جہاں گیر کمر باندھ رہے تھے۔ ادھر سے شیخ علاء الدین بھی تشریف لائے اور پوچھا۔ کیا کر رہے ہو؟ جواب دیا۔

میان برائے خدمت می بندم۔

خدمت خلق کے لیے کمر کس رہا ہوں۔

فرمایا۔

اگر می بندی محکم بہ بند کہ ہیچ در میان نداری۔

اگر کمر کس رہے ہو تو مضبوط کسو تا کہ درمیان میں کوئی چیز باقی نہ رہے۔

عرض کیا:

آرزوئے نفس از میان بیرون کشیدہ ام تا زندہ ام۔

اپنے اندر سے نفس کی خواہشات کو دور کر دیا ہے اور جب تک زندہ رہوں گا انھیں دور ہی رکھوں گا۔

شیخ نے یہ جواب سنا تو فرمایا۔

مبارک باد۔

بارہ سال شیخ احمد علاء الدین کی خدمت میں رہے اور اس اثنا میں باطنی و روحانی فیوض سے خوب متمتع ہوئے۔

جون پور کا قصد اور ضلع اعظم گڑھ میں ورود:

اب مرشد نے اپنے اس عظیم المرتبت خلیفہ کو علاقہ جون پور کی طرف تشریف لے جانے کی ہدایت کی۔ وہاں سے رخصت ہوئے تو بہت سے لوگ ہم سفر تھے اور اونٹ اور گھوڑے بھی خاصی تعداد میں ساتھ تھے۔ بعض لوگ درویشی کے ساتھ ان کی یہ شان امارت دیکھ کر معترض ہوئے تو فرمایا۔

ہیچ طویلہ و رگل زدہ ام نہ در دل ❶۔

کوئی طویلہ نہ سطح زمین پر تعمیر کرتا ہوں نہ دل کی گہرائیوں میں۔!

اسی اثنا میں ضلع اعظم گڑھ (یو۔ پی، ہندوستان) کے ایک قصبے محمد آباد گنہ میں پہنچے۔ وہاں کے علما و فضلا

❶ لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۱۰۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملنے کے لیے آئے تو دوران گفتگو میں بات چیت کا رخ خلفاے اربعہ رضوان اللہ علیہم کی طرف پھر گیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ سید اشرف جہاں گیر نے خلفائے راشدین کی مدح وتوصیف میں ایک رسالہ تحریر کیا تھا۔ اس میں انھوں نے دیگر خلفا کی بہ نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے زیادہ مدحیہ الفاظ استعمال کیے تھے۔ علما نے اس رسالے کو موضوع بحث بنالیا اور ان پر شیعیت کا الزام عائد کیا۔ دوسرے دن جمعہ تھا۔ جمعے کی نماز کے بعد علما کا محضر ہوا جس میں انھوں نے سید اشرف کے خلاف فتویٰ صادر کر دیا۔ لیکن محمد آباد گہنہ کے مفتی اور سب سے بڑے عالم دین مولانا سید خاں نے علما کے اس انداز کلام اور فتویٰ سے اختلاف کیا اور سید اشرف کی حمایت کی اور کہا شیخ اشرف سید ہیں۔ اگر انھوں نے اپنے جد امجد کی شان میں زیادہ مدحیہ کلمات استعمال کیے ہیں تو اس میں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ مولانا سید خاں کے الفاظ کا یہ اثر ہوا کہ تمام علما خاموش ہو گئے اور سید اشرف نے مولانا کو دعائیں دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز میں قصبے کے دیگر علما بھی ان کی نیکی اور تدین کا اعتراف کرنے لگے۔

محمد آباد گہنہ سے ظفر آباد پہنچے اور وہاں سے جون پور گئے۔ جون پور میں ایک مسجد میں قیام کیا' جہاں بہت سے لوگ شرف زیارت اور حصول فیض کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے۔

قاضی شہاب الدین سے ملاقات:

ان کی آمد کی اطلاع قاضی شہاب الدین دولت آبادی کو ہوئی تو وہ بھی ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ قاضی ممدوح کے حالات گزشتہ صفحات میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ ان کا اصل وطن تو غزنی تھا لیکن ان کے آبا واجداد ہندوستان آگئے تھے۔ انھوں نے دولت آباد میں پرورش پائی۔ اس دور کے چوٹی کے علما سے تعلیم حاصل کی اور علمی وعملی اعتبار سے شہرت وناموری کی بلندیوں پر پہنچے۔ متعدد علمی وفنی کتابوں کے مصنف تھے۔

قاضی شہاب الدین ان سے ملنے آئے تو بہت متاثر ہوئے اور قلبی تعلق یہاں تک پہنچا کہ کبھی روزانہ اور کبھی دوسرے یا تیسرے روز ضرور آتے۔ سید اشرف جہاں گیر بھی ان کے علم وفضل کی فراوانی سے اثر پذیر ہوئے۔ ان کی معروف تصنیف ''ارشاد'' جو علم نحو سے متعلق ہے' سید اشرف کی نظر سے گزری تو تعجب وحیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی اور کتاب کے متعلق فرمایا۔

ایں کہ می گویند کہ سحر از ہندوستان راست آمدہ' غالباً ایں راست سحر بود ❶۔

یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ جادو ہندوستان سے آیا ہے' غالباً یہ رائے صحیح ہے۔

روحانی فیوض:

قاضی شہاب الدین نے ان سے باطنی اور روحانی فیوض حاصل کیے اور اس مرتبہ بلند پر فائز ہوئے کہ شیخ

❶ لطائف اشرفی' ج ۲' ص ۱۰۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشرف نے ان کو خرقہ خلافت پہنایا اور ملک العلماء کا خطاب عطا کیا۔ لطائف اشرفی کے مصنف رقم طراز ہیں۔

حضرت قاضی خدمتے شائستہ و ملازمتے بایستہ شد و الباس خرقہ کردند و بخطاب ملک العلما مخاطب کردند ❶۔

یعنی حضرت قاضی شہاب الدین دولت آبادی شیخ اشرف جہاں گیر کی خدمت و ملازمت میں رہے۔ شیخ نے خرقہ خلافت ان کے زیب تن کیا اور انھیں ملک العلما کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

سلطان ابراہیم شرقی کی عقیدت:

اس زمانے میں جون پور کے اورنگ سلطنت پر ابراہیم شرقی متمکن تھا' جو علما و فضلا کا قدر دان اور علم پرور حکمران تھا۔ ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی وہ انتہائی تکریم کرتا تھا اور دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ان کی رائے کو ترجیح دیتا تھا۔ ملک العلما نے اس سے شیخ اشرف سمنانی کے علم و فضل اور زہد و اتقا کا ذکر کیا تو بہت خوش ہوا اور اپنے امرا و وزرا اور اعوان و خوانین کی معیت میں کئی بار ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کی تفصیلات لطائف اشرفی میں مرقوم ہیں۔ اس کے ایک اقتباس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

قاضی شہاب الدین نے شیخ اشرف سمنانی سے عرض کیا کہ آج سلطان اشرف ملاقات سے مشرف ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن اس خادم کی خواہش ہوئی کہ آج یہ فقیر' خدمت میں حاضر ہو لے تو کل پھر سلطان کے ساتھ قدم بوسی کا شرف حاصل کر لے گا۔ شیخ اشرف سمنانی نے فرمایا اس فقیر کے نزدیک تم سلطان سے بہت بہتر ہو۔ اگر سلطان آتے ہیں تو آنے دو' وہ حاکم ہیں۔ جب قاضی شہاب الدین کو رخصت کیا تو ان کے بارے میں معتقدین سے فرمایا کہ جس قدر اس شخص کو فضیلت حاصل ہے ہندوستان میں کسی دوسرے شخص کو کم حاصل ہے۔ دوسرے دن شیخ اشرف وظائف میں مشغول تھے کہ معلوم ہوا سلطان ابراہیم خوانین اور دوسرے لوگوں کے ساتھ آ رہا ہے۔ جب یہ جماعت مسجد کے دروازے پر پہنچی تو حضرت قاضی نے سلطان سے عرض کی کہ اتنے ازدحام کے ساتھ حضرت سید کی ملاقات کے لیے جانا مناسب نہیں' ان کو تکلیف ہوگی۔ سلطان نیچے اتر آیا اور اپنی جماعت سے بیس اصحاب فضیلت اور اہل فراست کو منتخب کر کے حاضر خدمت ہوا اور حد سے زیادہ ادب و احترام سے پیش آیا۔ اس نے قلعہ جنادہ کی فتح کے لیے ایک بہت بڑا لشکر بھیجا تھا' جس کے لیے وہ متردد تھا۔ اس نے حسب حال سید سمنانی کے سامنے یہ اشعار پڑھے:

ولی کان انور است از جام جمشید — رواں روشن تر از خورشید باشد
چہ حاجت عرض کردن بر ضمیرش — کسے کو را یقین امید باشد

---

❶ لطائف اشرفی' ج ۲' ص ۴۱۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ نے فرمایا:

اگر بہ یقین شد قدمت استوار گردز دریانم از آتش برآر

سلطان رخصت ہونے لگا تو شیخ نے ایک مسند عطا کی، جس سے وہ بہت خوش ہوا۔ اور محل میں پہنچا تو کہا۔

چہ سید یست عالی جناب و مقاصد مآب۔ الحمد للہ کہ در ہندوستان چنین مردم در آمدہ اند۔''

یہ سید کس قدر عالی جناب و مقاصد مآب ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس مرتبے کے لوگ بھی ہندوستان آتے ہیں۔

قلعہ فتح ہو چکا تو تین روز کے بعد چند آدمیوں کے ساتھ سلطان پھر حاضر خدمت ہوا۔ روٹی کا ٹکڑا اور شربت ساتھ لایا۔ لوگوں نے قلعے کی فتح پر شیخ کو مبارک باد دی مگر شیخ نے کہا۔ سلطان کو مبارک باد دو کہ اس نے بند دروازے کو کھولا ہے۔ اب سلطان کی عقیدت ان سے بہت بڑھ چکی تھی۔ عرض کیا۔ یہ بندۂ عاجز تو جناب کے ہاتھ پر بیعت ہو چکا، بندہ زادے بھی حلقہ بیعت میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ اسی روز تین شہزادے شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ سلطان نے بہت نذرانے دینے کی کوشش کی لیکن شیخ نے قبول نہیں کیے۔ پھر اس نے ان سے وہیں مستقل طور پر سکونت پذیر رہنے کی درخواست کی۔ فرمایا تمھاری سلطنت کی حدود سے باہر نہ جاؤں گا۔ اس جواب سے سلطان بہت خوش ہوا۔ وہ دو مہینے وہاں مقیم رہے۔ چھوٹے بڑے ہر قسم کے لوگ ان کی بیعت سے سعادت اندوز ہوئے [1]۔

اشاعت اسلام:

جون پور سے روانہ ہو کر وہ گرد و نواح کے دیگر مقامات میں گئے اور لوگوں میں اسلام کی تبلیغ کی۔ ایک مقام پران کا مقابلہ ایک ہندو جوگی سے ہوا۔ اس جوگی کا یہ دعوی تھا کہ وہ ہوا میں اڑ سکتا ہے، مگر شیخ سے گفتگو ہوئی تو اتنا متاثر اور مرعوب ہوا کہ اس قسم کے تمام غلط دعووں سے تائب ہو گیا۔ اپنی مذہبی کتابیں جلا ڈالیں۔ اس کے پانچ ہزار چیلے تھے ان سب کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اس جوگی نے بابا کمال پنڈت کے نام سے شہرت پائی۔ بعض تذکروں میں مرقوم ہے کہ جوگی سے مقابلہ کچھوچھہ کے مقام پر ہوا اور اس کی مڑھی میں خانقاہ بنوائی گئی [2]۔

ایک مرتبہ بنارس گئے اور وہاں کے بت خانوں کے پجاریوں سے مناظرے کیے۔ دونوں طرف سے کرامات اور خرق عادات کا اظہار ہوا۔ آخر میں وہاں کے ایک ہزار ہندو شیخ کے قول و عمل سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے [3]۔

---

[1] لطائف اشرفی، ج ۲، ص ۱۰۵، ۱۰۶۔

[2] بزم صوفیہ، ص ۴۵۱

[3] ایضاً ۴۵۵ بحوالہ لطائف اشرفی، ج ۱، ص ۴۱۲۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان ہی دنوں اجودھیا پہنچے اور وہاں کے ملوک وامرا نے حلقہ ارادت میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔

رودلی میں آمد:

اثنائے سفر اور ضمن تبلیغ میں رودلی بھی گئے۔ وہاں شیخ صفی الدین اور شیخ سماء الدین سے ملاقات ہوئی جن کا شمار اس دور کے عظیم المرتبت علما میں ہوتا تھا۔ یہ دونوں حضرات شیخ سے بہت فیض یاب ہوئے۔ شیخ صفی الدین کا درجہ تو علوم وفنون میں بہت بلند تھا۔ خود شیخ ان کی فراوانی علم سے متاثر ہوئے۔ فرماتے ہیں۔

در بلاد ہند کسے را کہ بفنون درخشندہ غرائب وشیون عجائب پیراستہ دیدم وی بود ❶۔

یعنی بلاد ہند میں اگر میں نے کسی کو مختلف اور متنوع علوم وفنون میں پیراستہ اور آراستہ دیکھا ہے تو وہ (شیخ صفی الدین رودلوی) ہیں۔

قصبہ جائس میں:

اسی دوران میں وہ جائس کے مقام پر پہنچے جو اس نواح میں بارونق اور خاصی آبادی پر مشتمل ایک قصبہ تھا۔ وہاں کے تین ہزار آدمی ان کے حلقہ بیعت میں داخل ہوئے۔ قصبے میں ایک معروف عالم دین فروکش تھے جن کا نام مولانا غلام الدین تھا۔ اور علوم کی مختلف شاخوں پر عبور رکھتے تھے اور فقہ میں خاص طور پر انھیں درک حاصل تھا۔ یہ بھی شیخ اشرف جہاں گیر سے بیعت ہوئے اور خلیفہ مقرر کیے گئے۔ ان کے علاوہ ایک اور بزرگ تھے جو شیخ کمال کے نام سے معروف تھے۔ ان کو بھی سید اشرف جہاں گیر کی طرف سے خلعت عطا کی گئی۔

شیخ خیر الدین اور قاضی محمد سدھوری سے ملاقات:

اب سید اشرف اس علاقے کے ایک مقام سدھورہ پہنچے جو معروف قصبہ تھا۔ اس قصبے میں شیخ خیر الدین اور قاضی محمد سدھوری دو مشہور علمائے دین اقامت گزیں تھے۔ انھوں نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ شیخ خیر الدین کا شمار اس عصر کے جید علما میں ہوتا تھا۔ ان کو فقہ اور اصول فقہ کے بعض مسائل کے بارے میں کچھ الجھن پیدا ہوئی تو ہم عصر علما کی طرف رجوع کیا اور ان سے چند سوالات کیے، مگر کسی سے تسلی بخش جواب نہ پایا۔ پھر اس نواح میں شیخ اشرف جہاں گیر تشریف لائے تو ان سے ملاقات ہوئی اور ان سے ان سوالات کی تشریح کے لیے مستدعی ہوئے۔ شیخ نے اس انداز سے ان کی تشریح کی کہ شیخ خیر الدین مطمئن ہو گئے اور اسی وقت ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ بیعت کرنے والوں میں قاضی محمد سدھوری بھی تھے جو اپنے وقت کے ایک بڑے عالم دین تھے۔ لطائف

❶ لطائف اشرفی، ج ۱، ص ۴۰۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشرفی میں ان کے علم وفضل کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

قاضی محمد سدھوری بفنون علوم غریبہ وشیون معلوم عجیبہ پیراستہ بودند۔ خصوص درعلوم اصول مشار الیہ بودند ❶۔

یعنی قاضی محمد سدھوری یوں تو علوم کے تمام گوشوں اور فنون مختلفہ کے تمام پہلوؤں سے مزین تھے مگر اصول فقہ میں بالخصوص ان کو جو امتیاز و درک حاصل تھا' اس میں ان کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا۔

ارباب حکومت سے تعلقات:

شیخ اشرف جہاں گیر چوں کہ خود حکمران رہ چکے تھے اور حکومت ان کو وراثت میں ملی تھی اس لیے ارباب حکومت اور اصحاب ثروت کے عادات واطوار سے خوب آگاہ تھے اور ان کی نفسیات کے بارے میں پورا علم رکھتے تھے۔ لہٰذا ان سے اتنا ہی تعلق رکھتے تھے جتنا کہ ان کی اصلاح کے لیے ضروری سمجھتے ____۔ ان سے کسی قسم کا لالچ ان کے ذہن میں نہ تھا۔ اگر مال و دولت کی حرص میں گرفتار ہوتے تو خود ہی اسے کیوں ترک کرتے اور کیوں حکومت کو خیر باد کہہ کر فقر و درویشی کی راہوں پر قدم زن ہوتے۔

ان کے حلقہ ارادت میں والیٔ جون پور سلطان ابراہیم شرقی' والیٔ اودھ نواب سیف خاں اور ان کے علاوہ بہت سے امراو وزرا اور خوانین شامل تھے' مگر کسی سے کبھی کسی قسم کی دینوی عزہ و جاہ کے متمنی نہیں ہوئے۔ ایک مرتبہ نواب سیف خاں نے اودھ کا ایک قریہ پیش کرنے کی درخواست کی' جس کی آمدنی اس دور کے مروجہ سکّے کے لحاظ سے ایک لاکھ تنکہ تھی' مگر لینے سے انکار کر دیا اور اسے قبول کرنا درویشی کی شانِ قناعت کے منافی سمجھا۔

چار نقصان دہ چیزیں:

حکمرانوں سے زیادہ تعلق وربط کبھی نہیں رکھا۔ البتہ ان کی عادات پر ہمیشہ نظر رہی اور کوشاں رہے کہ ان کی ظاہری اور باطنی حالت درست ہو اور وہ چار چیزوں سے بالخصوص دامن کشاں رہیں جو ان کے لیے اخلاقی اور روحانی طور پر نہایت نقصان رساں ہیں۔ وہ چار چیزیں یہ ہیں۔

۱۔ سلاطین کا لذائذ دنیا میں مستغرق ہو جانا۔
۲۔ اپنے مقربین ومصاحبین سے بدخلقی کے ساتھ پیش آنا۔
۳۔ سزا دینے میں زیادتی کرنا۔
۴۔ رعیت پر ظلم کرنا ❷۔

---

❶ لطائف اشرفی' ج ۱' ص ۴۰۹
❷ بزم صوفیہ' ص ۴۵۶ بحوالہ لطائف اشرفی ج ۱' ص ۱۶۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادشاہوں اور حکمرانوں کے لیے نصیحت:

شیخ اشرف جہاں گیر نے بادشاہوں اور حکمرانوں کو بڑی نصیحتیں اور ہدایتیں کی ہیں۔ فرماتے ہیں' بادشاہ اپنے اوقات اس طرح ترتیب دیں کہ فجر کی نماز کے بعد اشراق تک وظیفہ پڑھیں۔ پھر علما و صلحا کی مجلس میں بیٹھیں اور چاشت کے وقت تک ان سے عدل و انصاف کے متعلق آیات قرآنی کے مطالب پوچھیں۔ اس مجلس میں اپنے وزرا و ندما کو بھی شریک کریں۔ لوگ جو معروضات پیش کریں' ان کا مناسب جواب دیا جائے' حسب حال کارروائی کی جائے اور ہر شخص کے جائز مدعا کو پورا کیا جائے۔ اس کے بعد دربار عام منعقد ہو' جس میں رعایا اور مسلمانوں کے قضایا اور دعاوی پیش ہوں اور شریعت کے مطابق انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو۔ مشائخ اور اصحاب سلوک کی معروضات کو جہاں تک ممکن ہو' کسی کے توسط سے سنا جائے۔ سادات' قضات اور مشائخ کی درخواستوں کو بادشاہ اور حکمران تک ضرور پہنچائے اور اس گروہ کا صدر کسی ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جو دین دار اور ہمدرد ہو' بلکہ ایسے شخص کو صوفی مشرب بھی ہونا چاہیے۔

وزیر میں یہ خصوصیت ہونی چاہیے کہ وہ تمام علوم و فنون سے آراستہ ہو اور متدین اور نیک ہو۔ وکالت کا منصب کسی ایسے شخص کے سپرد کرنا چاہیے جو پسندیدہ اخلاق کا حامل' عقل مند' سریع الفہم اور حاضر جواب ہو۔ اس قسم کے ہر شخص کو کوئی نہ کوئی مناسب منصب دینا چاہیے۔ تمام کاموں سے فارغ ہو کر قیلولہ کے وقت آرام کے لیے چلے جائیں۔ قیلولہ سے فارغ ہو کر نماز پڑھیں اور کبھی نماز ترک نہ کریں۔ ظہر کی نماز کے بعد جس قدر ہو سکے قرآن مجید کی تلاوت کریں۔ خصوصاً سورہ قد سمع اللہ (سورہ مجادلہ) کی مواظبت کریں۔ کیونکہ سلاطین اس سورۃ کی مواظبت کرتے آئے ہیں۔ سلطان محمود (غزنوی) انار اللہ برہانہ' برابر یہ سورۃ پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھ کو دولت و شوکت اسی سورۃ کی بدولت نصیب ہوئی۔ حضرت (سلطان) ابراہیم شاہ (شرقی) بھی ایسا ہی فرماتے تھے۔ خود میں نے جب سلطنت چھوڑی تو پہلی چیز جو میں نے اپنے برادر عزیز محمد شاہ سے کہی' وہ یہ تھی کہ اس سورۃ کی برابر تلاوت کریں۔ کوئی کام شریعت کے خلاف انجام نہ دیں اور عدل و انصاف کے اصول میں ایک نقطے سے بھی انحراف نہ کریں تاکہ سلطنت میں خلل واقع نہ ہو [1]۔

ایک موقع پر ارکان دولت اور اعضائے سلطنت کے بارے میں فرمایا۔

تمام ارکان دولت اور اعوان مملکت الگ الگ عضو' الگ الگ حاسہ یا قوت کا درجہ رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر مستوفی' مشرب' ناظر عارض' طغرائی' منشی' دبیر' حاجب' خازن' استاذ الدار اور دوسرے عہدے دار۔ حواس خمسہ اور قوائے بشری مثلاً آنکھ' کان' ناک' زبان' لمس' فکر' وہم' حافظہ' حس مشترک کے مانند ہیں۔ امرائے سلطنت اپنی قوت' شوکت اور ہمت وغیرہ کے ساتھ اعضائے رئیسہ ہیں اور ادنیٰ درجے کے امرا ہاتھ' بازو' پنڈلی اور پاؤں کی

[1] لطائف اشرفی' ج ۲' ص ۱۶۷' ۱۶۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثل ہیں۔ حاشیہ نشین قوم اور عام رعایا وغیرہ اپنے مدارج کے مطابق اس طرح ہیں' جس طرح کہ رگ' پٹھے اور اعصاب وغیرہ۔ جس طرح ایک انسان اپنے ہر عضو کا محتاج ہے اور اگر اس کا ایک عضو نہ ہو' یا ناقص ہو تو اس کا جسمانی نظام ناقص اور ادھورا رہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جسم کا ہر عضو صحیح ہو اور اپنی جگہ ٹھیک ٹھیک کام کرے' اسی طرح ایک بادشاہ اور حکمران کو چاہیے کہ ارکان دولت اور اصحاب مناصب کو ان کی اہلیت واستعداد کے مطابق ان کی دیانت اور نیک سیرت کو معلوم کرکے اور اچھی طرح پرکھ کر انھیں مملکت کے مختلف حصوں میں مقرر کرے اور انھیں مکمل اختیار دے تاکہ وہ اپنے اپنے مفوضہ فرائض اور مقررہ امور کو کامل شرائط کے ساتھ ملک کے مصالح اور سلطنت کی بہبودی کے مطابق انجام دیں اور بادشاہ ان کے کاموں سے پوری طرح باخبر رہے اور ان کے بغیر امور مملکت کی انجام دہی میں نقص محسوس کرے [1]۔

سیاحت:

سید اشرف جہاں گیر بہت بڑے سیاح بھی تھے۔ جون پور سے رخت سفر باندھ کر انھوں نے مدینہ منورہ کی زیارت کی۔ روم' بیت المقدس' شام' دمشق' عراق' ایران' بغداد وغیرہ ممالک وبلاد کا رخ کیا۔ اپنے اصل وطن سمنان بھی گئے۔ غزنی' کابل' قندھار' ترکستان' بخارا' کربلا' نجف اور مشہد وغیرہ گئے۔ برصغیر کے بہت سے علاقوں اور شہروں میں گھومے پھرے اور اثنائے سفر میں بے شمار علما وفقہا' زہاد وعباد اور اولیا وصلحا سے ملاقات کی۔ دوران سفر میں مشہد گئے تو امیر تیمور وہاں موجود تھا۔ وہ ان سے بہت عقیدت واحترام سے ملا۔

تصنیفات:

سید اشرف جہاں گیر علوم وفنون کی مختلف اصناف پر گہری نظر رکھتے تھے۔ وہ محض عالم ہی نہ تھے' مصنف بھی تھے۔ ان کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ الاشرفیہ:

۲۔ مختصر فی النحو: یہ کتاب علم نحو سے متعلق ہے۔

۳۔ تعلیقات علیٰ ہدایۃ الفقہ والاصول: اس کا تعلق فقہ اور اصول فقہ سے ہے۔

۴۔ مختصر فی اصول الفقہ: یہ اصول فقہ کے بارے میں ہے

۵۔ شرح عوارف المعارف: یہ کتاب تصوف کے بارے میں ہے۔

۶۔ شرح فصوص الحکم: اس کا تعلق بھی علم تصوف سے ہے۔

۷۔ قواعد العقائد: یہ علم کلام میں ہے۔

---

[1] ... ص ۱۱۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۸۔ اشرف الانساب مختصر:
۹۔ بحر الانساب: یہ انساب و سیر کے سلسلے کی تصنیف ہے۔
۱۰۔ بحر الاذکار:
۱۱۔ فوائد الاشرف و اشرف الفوائد۔
۱۲۔ بشارۃ الذاکرین۔
۱۳۔ تنبیہ الاخوان۔
۱۴۔ حجۃ الذاکرین۔
۱۵۔ الفتاویٰ الاشرفیہ۔
۱۶۔ تفسیر نوربخشیہ: قرآن مجید کی تفسیر ہے۔
۱۷۔ اوراد الاشرفیہ۔
۱۸۔ دیوان شعر: ان کا مجموعہ کلام۔
۱۹۔ مراۃ الحقائق و کنز الدقائق۔
۲۰۔ بشارۃ المریدین۔
۲۱۔ ارشاد الاخوان۔
۲۲۔ مکتوبات: مولف و جامع نظام الدین یمنی۔
۲۳۔ ملفوظات: یہ نظام الدین یمنی نے لطائف اشرفیہ میں جمع کیے۔

وفات:

ایک سو بیس برس کی عمر پا کر ۲۷ محرم ۸۰۸ھ (۲۵ جولائی ۱۴۰۵ء) کو کچھوچھہ میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔ ''اشرف المومنین'' سے مادہ تاریخ نکلتا ہے[1]۔

۱۶۔ شیخ اعظم ثانی لکھنوی

نویں صدی ہجری کے ایک اور عالم دین اور فقیہ شیخ اعظم ثانی بن شیخ ابوالبقا بن شیخ موسیٰ بن شیخ ضیاء الدین کرمانی تھے۔ ان کا شمار اپنے وقت کے فحول علما اور جلیل القدر فقہا میں ہوتا تھا۔ ظاہری و باطنی علوم سے بہرہ یاب تھے۔ ان علوم کی تحصیل انھوں نے شیخ ابوالفتح جون پوری متوفی ۱۳ ربیع الاول ۸۵۸ھ (۱۳ مارچ ۱۴۵۴ء) سے کی۔ شیخ ضیاء لکھنوی اور شیخ سعد الدین خیر آبادی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ شیخ سعد اللہ کندوری متوفی

[1] لطائف اشرفی۔ بزم صوفیہ۔ اخبار الاخیار ص ۱۶۶۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۳۔ نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۳۲ تا ۳۴

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۳ ربیع الثانی ۸۲۹ھ (۴ مارچ ۱۴۲۶ء) کے معاصر تھے اور ان سے بدرجہ غایت تعلق خاطر رکھتے تھے۔ کہتے ہیں علم فقہ میں ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ مسائل فقہیہ سے متعلق زبان کو حرکت دیتے تو بڑے مدلل اور واضح الفاظ میں تقریر کرتے۔ علم فقہ کے موضوع پر ان کے کئی رسالے بھی ہیں۔

ان کے پردادا شیخ ضیاء الدین ہلاکو خاں کے عہد میں کرمان سے برصغیر تشریف لائے اور شاہ سمرقندی سے ملاقات کے لیے لکھنؤ پہنچے اور پھر ان سے اس درجہ محبت پیدا ہوئی کہ ان کی وجہ سے اسی شہر میں متوطن ہو گئے۔

شیخ اعظم اپنے بعد تین بیٹے چھوڑ کر جنت کو سدھارے، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں (۱) شیخ محمد عرف شیخ قاضی۔ (۲) شیخ احمد فیاض اور (۳) شیخ نصیر الدین۔ ان تینوں بزرگوں میں سے ایک کی اولاد لکھنؤ اور دیوہ وغیرہ کے علاقوں میں موجود ہے۔

شیخ اعظم ثانی کی تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی ❶۔

شیخ اعظم ثانی لکھنوی کے حالات میں اگرچہ کتب رجال میں یہ مرقوم ہے کہ وہ فقیہ تھے، مسائل فقہ کو مدلل اور صاف انداز میں بیان کرتے تھے اور فقہ سے متعلق انھوں نے کچھ رسائل بھی تصنیف کیے، مگر ان کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا۔ شاید کہیں قلمی شکل میں ہوں گی۔ کوئی کتاب چھپی نہیں ہو گی۔

ـــــ ب ـــــ

۱۷۔ قاضی برہان الدین مالوی

قاضی برہان الدین مالوی اپنے دور کے جید عالم اور فقیہ تھے۔ ان کا شمار کبار مشائخ صوفیہ میں ہوتا تھا۔ ہوشنگ شاہ غوری کے عہد میں مالوہ کے دارالسلطنت مانڈو میں تشریف لائے۔ چوں کہ علم و فضل اور تصوف و طریقت سے بہرہ یاب تھے، اس لیے والیٔ مالوہ ہوشنگ شاہ غوری ان سے بہت متاثر ہوا اور ان کے حلقہ بیعت داخل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ بادشاہ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ان سے اثر پذیر ہوئے اور انھوں نے وہیں سکونت اختیار کر لی۔ قاضی برہان الدین نے ۸۱۵ھ (۱۴۱۲ء) میں وفات پائی اور یہ وہی سال ہے جس سال کہ ہوشنگ شاہ غوری عازم جاج نگر ہوا تھا ❷۔

۱۸۔ شیخ بڈھن بہرائچی

شیخ بڈھن علوی بہرائچی اپنے وقت کے فقیہ اور مرد صالح تھے۔ شیخ حسام الدین فتح پوری سے تحصیل علم کی جو شیخ عبدالمقتدر بن رکن الدین شریحی کندی کے تلمیذ رشید تھے۔ ان سے طریقہ چشتیہ کے مطابق تصوف کی تعلیم بھی

❶ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۳، ۲۴

❷ نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۴۲۔ گلزار ابرار اور مرآۃ سکندری۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل کی، جس کی وجہ سے ان کا شمار اس دور کے مشہور مشائخ میں ہونے لگا۔ تمام طرق تصوف کے شناور تھے اور اس کے حصول کے لیے باقاعدہ مختلف صوفیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ طریقہ مداریہ، طریقہ سہروردیہ اور اکثر طرق مشہورہ شیخ اجمل بن امجد حسینی بہرائچی جون پوری سے اخذ کیے۔ شیخ بڈھن سے شیخ محمد بن قاسم نے کسب علم اور اخذ فیض کیا۔

۸۔ شوال المکرم ۸۸۰ھ (۴ فروری ۱۴۷۶ء) کو وفات پائی ❶۔

ت

۱۹۔ قاضی تاج الدین نحوی

قاضی تاج الدین بلخی نحوی علوم عربیہ اور علم نحو کے عالم اور مشہور فاضل تھے۔ شیخ محمود قریشی کی نسل سے تھے۔ بلخ سے وارد ہند ہوئے اور لکھنوتی میں سکونت اختیار کی۔ یہ وہ عالم دین تھے جنھوں نے تمام عمر درس وافادہ میں صرف کر دی۔ ان کا حلقہ درس بہت وسیع تھا اور بے شمار لوگوں نے ان سے فیض علم حاصل کیا۔ ان کے اخلاف میں سے شیخ منجھن بن عبداللہ بن خیر الدین لکھنوتی کا اسم گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہے ❷۔

ان کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا۔ غالباً یہ کسی کتاب کے مصنف نہ تھے، البتہ بطور مدرس ان کا مرتبہ بہت بلند تھا اور علوم عربیہ اور علم نحو کی تدریس میں خاص طور پر دسترس حاصل تھی۔

۲۰۔ قاضی تاج الدین ظفر آبادی

قاضی تاج الدین ناصحی ادہمی عمری ظفر آبادی کا شمار اپنے عصر کے نامور فضلا کی جماعت میں ہوتا ہے۔ فقیہ اور عالم دین تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب مشہور بزرگ شیخ ابراہیم بن ادہم عمری سے ملتا ہے۔ ظفر آباد کی مسند قضا پر فائز ہوئے اور وہیں اقامت گزین ہو گئے۔ عمر کا آدھا حصہ درس وافادہ عام میں گزرا۔ پھر تمام مصروفیتوں سے کنارہ کش ہو کر تصوف وطریقت کی راہ پر گامزن ہو گئے اور شیخ اسد الدین حسینی واسطی سے وابستگی اختیار کر لی اور پوری زندگی زہد واتقا کی روح پرور فضا میں بسر کر دی۔ قرآن مجید کے حافظ تھے اور اس درجہ پُر اثر اور دردناک لہجے میں تلاوت کرتے کہ لوگوں کے دل کھینچ لیتے۔

۸۳۱ھ (۱۴۲۸ء) میں فوت ہوئے اور ظفر آباد میں دفن کیے گئے ❸۔

معلوم ہوتا ہے یہ کسی ایسی کتاب کے مصنف تو نہ تھے جس سے ان کے فقہی مرتبہ کا اندازہ ہو سکتا ہو، البتہ فقہیات کی تدریس اور مسائل فقہ کے حل وکشود میں مرجع خلائق تھے۔

---

❶ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۴۳۔ بحوالہ مسالک المسالکین۔

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۴۴۔ گلزار ابرار، ص ۱۹۷۔

❸ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۴۴، ۴۵۔ بحوالہ تجلی نور۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۱۔ شیخ تاج الدین نہروالی

شیخ تاج الدین بن یوسف بن احمد سوہی نہروالی گجراتی' فقہ اور علوم عربیہ کے جید علما میں سے تھے۔ اپنے والد گرامی قدر شیخ یوسف بن احمد سوہی ایرجی اور شیخ عبداللہ بن محمود حسینی بخاری گجراتی سے اخذ علم کیا۔ نہروالا میں مقبرۂ شیخ حسام الدین ملتانی میں ان کا سلسلۂ درس جاری تھا۔ اس عالم وفقیہ سے خلق کثیر نے کسب علم کیا❶۔

ان کے بارے میں صرف یہی معلوم ہو سکا ہے کہ یہ اپنے دور کے نامور فقیہ اور مدرس تھے' اس سے زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں اور یہ پتا نہیں چل سکا کہ یہ کسی کتاب کے مصنف بھی تھے یا نہیں۔

ـــــ ج ـــــ

۲۲۔ شیخ جلال الدین مانک پوری

شیخ جلال الدین بن اسماعیل عمری مانک پوری شیخ حسام الدین مانک پوری کے جد امجد تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے جید علما میں سے تھے۔ تصوف میں بھی مرتبہ کمال پر فائز تھے۔ علوم ظاہری اور تصوف وطریقت کی تعلیم شیخ نظام الدین اولیا کے خلیفہ شیخ محمد سے حاصل کی تھی۔ متقی اور عبادت گزار تھے۔ رات کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ رات کے حصہ اول میں' جب لوگ بیدار ہوتے' یہ سو جاتے اور دوسرے حصے میں' جب لوگ میٹھی نیند کے مزے اڑا رہے ہوتے یہ جاگ اٹھتے اور شب کی تنہائیوں میں نماز تہجد میں مصروف ہو جاتے اور نماز فجر تک اللہ کی عبادت کرتے۔ ان کا معمول تھا کہ ہر رات اکتالیس مرتبہ سورہ یٰسٓ کی تلاوت کرتے۔ نماز چاشت کے بعد درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے اور طلبا کو علوم دینیہ کی تعلیم دیتے۔

شیخ جلال الدین کا ذریعہ معاش کتابت تھا۔ قرآن مجید کی کتابت کر کے دہلی بھیجتے' جس کا ہدیہ سکہ رائج الوقت پانچ سو تنکہ وصول ہوتا۔ بغیر وضو قلم ہاتھ میں نہ پکڑتے۔ جن دنوں شہر میں چوروں اور ڈاکوؤں کا زور ہو جاتا' گوشت کھانا بند کر دیتے کہ کہیں یہ گوشت چوری کے جانور کا نہ ہو۔

ان کے شیخ طریقت محمد وہ بزرگ تھے جو بادشاہوں جیسا لباس پہنتے' دولت مندوں کی طرح زندگی بسر کرتے اور ملوک وسلاطین کے ہاں آمد و رفت رکھتے تھے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیخ محمد مانک پور تشریف لے گئے۔ ملاقات کے لیے قاضی شہر اور ان کے بیٹے بھی آئے اور دل میں یہ ٹھانی کہ شیخ محمد ہمارے لیے اگر مصری مہیا کر دیں تو ہم انھیں صاحب کشف و کرامت جانیں۔ اب شیخ محمد نے مولانا جلال الدین مانک پوری سے کہا۔

❶ نزہۃ الخواطر ج ۳' ص ۴۵۔ گلزار ابرار' ص ۱۴۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدعیان برائے امتحان می آیند پارۂ بنات حاضر آرند

کچھ لوگ ہمارا امتحان لینے آرہے ہیں، تھوڑی سی مصری لے آؤ۔

قاضی اور اس کے بیٹے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مجلس میں مصری موجود پائی، جسے دیکھ کر وہ بہت شرمندہ ہوئے۔

قاضی کو جب یقین ہو گیا کہ شیخ محمد فی الواقع بہت بڑے بزرگ ہیں تو عرض گزار ہوا کہ

درخانہ بندہ مہمان شوید۔

اس بندۂ عاجز کے گھر مہمان کی حیثیت سے تشریف لے جایے۔

شیخ نے فرمایا۔

شیخ فرمود چہل سال گزشت کہ طعام از خانہ قاضیان نمی خورم۔

چالیس سال سے کسی قاضی کے گھر سے کھانا نہیں کھایا۔

لیکن جب یہ محسوس کیا کہ ان الفاظ سے قاضی شہر کے دل کو تکلیف پہنچی ہے تو فرمایا آپ کے بیٹے کی محکمہ انصاف سے کوئی آمدنی تو نہیں ہوتی؟ عرض کیا جی نہیں۔ فرمایا: یہ لڑکا اپنی ملکیت سے کھانا مہیا کرے تو ہم ضرور کھائیں گے ❶۔

قاضی جلال الدین مانک پوری اگرچہ بہت بڑے فقیہ اور عالم دین تھے، مگر ان کی کسی تصنیف کا پتا نہیں چل سکا البتہ یہ واقعہ ہے کہ وہ طلبا کو کتب فقہ کی باقاعدہ تعلیم دیتے تھے اور ان کی معلومات فقہیہ کا دائرہ وسیع تھا۔

۲۳۔ مولانا جمال الدین کشمیری

مولانا جمال الدین کشمیری کا شمار حدیث، فقہ، اصول اور علوم عربیہ کے جلیل القدر علما میں ہوتا ہے۔ شیخ علی بن شہاب حسینی ہمدانی کے ساتھ وارد کشمیر ہوئے اور پھر ان کے حکم سے وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ اس زمانے میں سرزمین کشمیر کی عنان حکومت سلطان قطب الدین شاہ مرزا کے ہاتھ میں تھی اور شیخ علی بن شہاب نے اس کی تعلیم کے لیے انھیں کشمیر میں اقامت گزین ہونے کا حکم دیا تھا۔

مولانا جمال الدین نے تمام علائق دینوی سے منقطع ہو کر اپنے آپ کو درس و افادہ کے لیے وقف کر دیا تھا اور ان کے شب و روز طلبا کو علوم دینیہ سے بہرہ ور کرنے میں بسر ہوتے تھے۔

مشہور عالم ملا کمال الدین ان کے بھائی تھے۔ بابا فتح اللہ حقانی ان کے شیخ اور استاذ تھے۔ تلامذہ کی وسیع جماعت میں شیخ ابوالفقر انصیر الدین بھی شامل ہیں، جنھوں نے ان سے حدیث کی سند حاصل کی۔ اپنے وقت کے بہت سے اکابر مشائخ نے ان سے استفاضہ کیا جن میں مشہور عالم و صوفی بابا نصیب الدین اور شیخ اسماعیل چشتی کے

❶ اخبار الاخیار، ص ۱۷۸۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۴۱۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳۔ ص ۴۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

مولانا جمال الدین کا معمول تھا کہ وہ اکثر شیخ نورالدین کی قبر پر جاتے اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے۔ایک دن شیخ نصیرالدین نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

فضل العالم علی العابد کفضلی علیٰ ادنا کم۔❶

یعنی عالم اسی نسبت سے عابد پر فضیلت رکھتا ہے، جس طرح کہ میں، تم میں ادنیٰ صحابی پر فضیلت رکھتا ہوں۔

اس فرمان نبوی کی روشنی میں آپ کی فضیلت شیخ نورالدین سے زیادہ ہے۔مولانا جمال الدین نے فرمایا ں نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ شیخ نورالدین، رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا۔ ے جمال! یہ شیخ نورالدین ہے۔جو کام اس نے کیا ہے وہ کسی نے نہیں کیا۔

مولانا جمال الدین زیادہ تر طلبا کی تعلیم و تدریس میں مشغول رہتے۔گوشت بہت کم کھاتے اور نہایت ادہ زندگی بسر کرتے۔لباس میں کسی قسم کے تکلف کے عادی نہ تھے۔ایک قمیص پہنتے اور بے تکلفی سے ریا پر بیٹھتے۔

منقول ہے کہ مولانا جمال الدین کے شیخ اور استاذ بابا فتح اللہ حقانی کی ایک بیٹی مولانا جمال الدین کے قد میں تھیں، اور دوسری ان کے بھائی ملا کمال الدین کے عقد میں۔

ان کی قبر کشمیر میں نہر بھٹ کے کنارے ہے❷۔

مولانا جمال الدین نے تمام عمر حدیث وفقہ اور علوم دینیہ پڑھانے میں صرف کردی، مگر غالباً اس وضوع سے متعلق کوئی تصنیف اپنی یادگار نہیں چھوڑی۔اگر کوئی تصنیف ہو بھی تو ہمیں اس کا علم نہیں ہو سکا۔

اب سوال یہ ہے کہ شیخ علی بن شہاب الدین حسینی ہمدانی کون بزرگ تھے، جن کی معیت میں مولانا جمال لدین مرحوم سرزمین کشمیر میں تشریف لائے اور پھر مستقل طور سے یہیں اقامت گزین ہو گئے۔

بات یہ ہے کہ وادئ کشمیر میں جن بزرگان دین نے اسلامی تعلیمات کی ترویج و تبلیغ کے لیے اہم کردار ادا کیا، ان میں سید علی ہمدانی کا اسم گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔بہت سے لوگ انھیں علی ثانی کے نام سے یاد کرتے ہیں، مگر باشندگان کشمیر انھیں شاہ ہمدان یا امیر کبیر کے القاب سے ملقب کرتے ہیں۔یہ ہمدان کے اس علوی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جو ان کی ولادت سے قبل کم وبیش دو سو سال سے ہمدان میں فرد کش تھا اور جس کے اکثر افراد مختلف اوقات میں ہمدان کے اعلیٰ مناصب پر فائز رہے تھے۔

---

❶ جامع ترمذی۔ابواب العلم۔باب فی فضل الفقہ علی العبادۃ۔اس حدیث میں ''عالم'' سے مراد وہ عالم ہے جو عابد بھی ہو۔اور ''عابد'' سے وہ عابد مراد ہے جو پوری طرح عالم اور دین کے تقاضوں سے آگاہ نہ ہو۔

❷ ...ین شمیری۔تذکرہ علمائے ہند، ص ۴۳۔نزہۃ الخواطر ج ۳، ص ۱۵۰۔حدائق الحنفیہ، ص ۴۲۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق ان کا تاریخ ولادت ۱۲ر رجب ۷۱۴ھ (۱۲ر اکتوبر ۱۳۱۴ء) ہے ❶۔ مگر شیخ کے ایک معاصر مورخ نے ان کی سال ولادت ۷۱۳ھ (۱۳۱۳ء) تحریر کی ہے ❷۔

ان کے والد محترم سید شہاب الدین' حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند نام دار حضرت زین العابدین کی اولاد سے تھے۔ والدہ مکرمہ کا نام فاطمہ تھا' جن کا سلسلہ نسب تیرھویں پشت میں رسول اللہ ﷺ سے ملتا ہے۔

سید شہاب الدین ہمدان کے والی تھے اور اپنے زمانے کے امراو وزرا سے ان کے گہرے مراسم تھے' لیکن بیٹے کو باپ کی ان مصروفیات سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور وہ بچپن ہی سے دینوی معاملات سے گریزاں تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے ماموں سید علاء الدولہ سمنانی متوفی ۷۳۶ھ (۱۳۳۵ء) سے حاصل کی۔ قرآن مجید بھی ان ہی سے حفظ کیا اور منقولات و معقولات کے حصول کے لیے بھی ان ہی کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھے۔ بارہ سال کے ہوئے تو سید سمنانی نے ان کو اپنے ایک شاگرد اور مرید شیخ ابوالبرکات تقی الدین علی دوستی کے حوالے کر دیا' مگر چند روز کے بعد اپنے دور کے مشہور صوفی شیخ محمود مزدقانی کی خدمت میں چلے گئے۔ علم حدیث شیخ نجم الدین ابوالسیان محمد بن احمد الموفق سے حاصل کیا۔ بہت سے بلاد و ممالک کی سیاحت کی اور بارہ حج کیے۔ ۷۷۳ھ (۱۳۷۲ء) میں ختلان گئے تو بعض روایات کے مطابق ماوراء النہر میں امیر تیمور سے کسی معاملے میں اختلاف ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے سات سو سیدوں اور مریدوں سمیت سرزمین ایران کی سکونت ترک کر کے ربیع الاول ۷۷۴ھ (ستمبر ۱۳۷۲ء) میں کشمیر جا پہنچے۔ اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ کشمیر آ چکے تھے۔ اب کی اپنے مرید اور قریبی رشتے دار سید حسین سمنانی کے ہاں مقیم ہوئے اور چھ ماہ کے بعد حج بیت اللہ کی غرض سے عازم حجاز ہو گئے۔ بعد ازاں ۷۸۱ھ (۱۳۷۹ء) میں کشمیر آئے۔

سید علی ہمدانی بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ تحائف الابرار کی روایت کے مطابق ان کی تعداد ایک سو ستر تک پہنچتی ہے۔ ان میں سے ایک کتاب کا نام ذخیرۃ الملوک ہے۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے اور دس جلدوں پر محیط ہے۔ اردو' لاطینی' ترکی اور فرانسیسی زبانوں میں اس کے تراجم چھپ چکے ہیں۔ اس میں توحید کی معرفت' اوامر و نواہی' انسان کے فرائض و حقوق' دین حقانی' معرفت الٰہی' امور جہاں بانی اور وظائف و اوراد وغیرہ سے متعلق تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

اس کتاب میں جا بجا قرآن مجید سے استنباط' احادیث سے استشہاد اور بزرگان دین کے اقوال سے استناد کیا گیا ہے۔ ذخیرۃ الملوک کے علاوہ ان کی تصانیف میں رسالہ مشارب الاذواق' رسالہ اصطلاحات الصوفیہ' مرآۃ التائبین' مکتوبات امیریہ' رسالہ فتحیہ' رسالہ شرح حل مشکل' رسالہ اورادفتحیہ' رسالہ واردات' رسالہ مناجات' رسالہ مودۃ القربیٰ' منازل السالکین' اربعین اور السبعین فی فضائل امیر المومنین' مجمع الاحادیث' شرح اسمائے حسنیٰ' رسالہ

❶ تحائف الابرار' ص ۱۱۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۱۴۸۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۸۷۔ بروکلمان۔ تکملہ' ج ۲' ص ۳۱۱

❷ خلاصۃ المناقب۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدوسیہ' رسالہ معرفت زاہد اور رسالہ اعتقادیہ لائق تذکرہ ہیں۔

سید علی ہمدانی فقہی مسلک کے اعتبار سے شافعی تھے۔ اسلام کے سچے اور مخلص مبلغ۔ اہل دل سے انتہائی محبت رکھتے تھے۔ درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ طبیعت میں جلال اور جمال دونوں صفات موجود تھیں۔ خلاف شرع بات دیکھ کر بہت جلد طیش میں آجاتے اور اس ضمن میں مریدوں کو سخت الفاظ میں تنبیہ کرتے۔ علمائے دین کو ان کی لغزشوں کی اصلاح کی طرف توجہ دلاتے۔ حاکموں کو ارتکاب خطا پر سخت الفاظ میں ٹوکتے اور عذاب الٰہی سے ڈراتے۔ تبلیغ دین کے سلسلے میں اتنے حساس تھے اور اس درجہ جذبات میں آجاتے کہ بڑی سے بڑی مخالفت کی بھی پروا نہ کرتے۔ ان کے مختلف اوصاف کی بنا پر دولت شاہ نے ان کو تیموری دور کے سلطان العرفاء والسادات لکھا ہے۔

صاف گوئی اور حق بیانی میں اس قدر جرأت مند تھے کہ نتائج سے بے پروا ہو کر والیٔ ملک تک کو سر دربار ٹوک دیتے۔ ایک مرتبہ حاکم بلخ نے آگ میں گرم کیے ہوئے آہنی گھوڑے پر سوار کرانے کی دھمکی دی' لیکن سید ہمدانی اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔

اسی طرح ان کی حق گوئی سے تنگ آکر چند عالموں نے ان کو زہر کھلا دیا۔ جان تو بچ گئی مگر اس کا اثر عمر بھر باقی رہا۔

ہمدان' ختلان اور کشمیر ان کی تعلیمات کے مراکز تھے۔ ان میں کشمیر تو بے دینی کا گھر تھا۔ یہاں انھوں نے تبلیغ اسلام کے لیے اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں۔ ان سے قبل اگرچہ شرف الدین بلبل شاہ (۷۲۷ھ۔ ۱۳۲۷ء) سید جلال الدین بخاری (۷۴۷ھ) سید تاج الدین اور ان کے ساتھی سید حسین سمنانی اور سید یوسف وادیٔ کشمیر میں تشریف لے آئے تھے اور ان بزرگان دین کی تبلیغی مساعی سے باشندگان کشمیر کسی حد تک اسلام سے متعارف بھی ہو گئے تھے' لیکن ان کے اندر عقیدۂ توحید میں رسوخ' اسلامی شعار سے وابستگی اور دینی امور سے محبت سید علی ہمدانی کی تبلیغی مساعی کی بدولت پیدا ہوئی۔

مسلمانوں کے علاوہ کشمیری ہندوؤں کو بھی ان کی تبلیغ نے بہت متاثر کیا اور وہ کثیر تعداد میں حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے دو ہندو سنیاسیوں نے اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد تو بے شمار لوگ اس نعمت سے متمتع ہوئے اور پوری وادیٔ کشمیر میں اسلام کے نعرے گونجنے لگے۔ بقول مفتی غلام سرور لاہوری:

احکام شریعتِ غرا بطفیل آں محبوب کبریا در کشمیر رواج یافتند و ہزار ہا گمراہان لایعقل رہ براہ آوردند ❶۔

یعنی کشمیر میں احکام شریعت اسی محبوب خدا کی وجہ سے پھیلے اور ہزاروں گمراہ لوگ ان کی تبلیغ سے راہِ راست پر آئے۔

تحائف الابرار کی روایت کے مطابق سینتیس (۳۷) ہزار غیر مسلم ان کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔

اس عظیم مبلغ اسلام نے تہتر سال کی عمر پا کر ۶ ذی الحجہ ۷۸۶ھ (۱۹ جنوری ۱۳۸۵ء) کو داعی اجل کو لبیک

❶ [illegible] اصفیا' ج ۲' ص ۲۹۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہا اور کشمیر میں دفن کیے گئے۔ بعض روایات کے مطابق وفات کے وقت ''یا اللہ یا رفیق یا حبیب'' کے الفاظ ورد زبان تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کا وظیفہ پڑھتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اسی لیے ان کی قبر پر یہ اشعار مرقوم ہیں:

حضرت شاہ ہمدان کریم　　آئیہ رحمت زکلام قدیم
گفت دم آخر وتاریخ شد　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید علی ہمدانی کی پوری زندگی اسلام کی تبلیغ اور توحید کی ترویج میں گزری ❶۔

ح

۲۴۔ قاضی حمادالدین گجراتی

قاضی حمادالدین بن محمد اکرم گجراتی' جید عالم اور فقیہ تھے۔ ان کا شمار اپنے دور کے مشہور افاضل میں ہوتا تھا۔ علاقہ گجرات کے شہر نہروالا کے قاضی القضاۃ تھے۔ ان کے کہنے سے اس زمانے کے بہت بڑے فقیہ مفتی رکن الدین ناگوری نے فتاویٰ حمادیہ تصنیف کیا۔ اس کے مقدمے میں مصنف نے ان کے علم وفضل اور وسعت معلومات کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب میں شہر نہروالا میں آیا تو وہاں کی مسند قضا پر جمال الملت والدین قاضی حمادالدین متمکن تھے۔ میں ان سے ملا تو معلوم ہوا کہ وہ بہت بڑے عالم وفاضل اور مجتہد ہیں' حق وباطل کے درمیان حد فاصل ہیں اور شریعت کو اساس وبنیاد ٹھہرا کر فیصلے کرتے ہیں' اس لیے کوئی شخص ان کے سامنے غلط بیانی سے کام لینے اور خلاف واقعہ بات کرنے کی جرات نہیں کرسکتا۔ ذہنی پاکیزگی' معرفت وشعور' تجربہ اور مہارت کی نعمت سے متمتع ہیں۔ فتاویٰ حمادیہ کی تصنیف کے وقت وہ پینتیس سال سے نہروالا کے منصب قضا پر فائز تھے اور جمہور فقہا کے اقوال اور فتاویٰ کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ قاضی حمادالدین نے فتاویٰ حمادیہ کی ترتیب وتالیف پر قاضی رکن الدین اور ان کے بیٹے مولانا داؤد کو مقرر کیا اور انھوں نے مختلف کتب فتاویٰ اور فقہا کی تصنیفات جمع کرکے فتاویٰ حمادیہ کے نام سے ایسی کتاب تصنیف کی جو معتمد علیہ روایات کی حامل اور عقل ودرایت کی میزان پر پوری اترتی ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور غیر مطبوعہ ہے اور مخطوطے کی صورت میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور' انڈیا آفس لائبریری لندن' مانچسٹر لائبریری' کتب خانہ خدیویہ مصر' رام پور لائبریری' بانکی پور لائبریری اور کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے ❷۔

---

❶ مفتاح التواریخ' ص ۹۵۔ تذکر علمائے ہند' ص ۱۴۸۔ حدائق الحنفیہ' ص ۲۹۷' ۲۹۸۔ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۸۷ تا ۹۰۔ ادبی دنیا (کشمیر نمبر)' ص ۳۰۵ تا ۳۱۳۔

❷ فتاویٰ حمادیہ کے بارے میں تفصیلی معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: راقم کی کتاب برصغیر پاک وہند میں علم فقہ' ص ۱۲۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

___خ___

۲۵۔ مولانا خواجگی دہلوی

مولانا خواجگی بن محمد دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی۔ شیخ معین الدین عمرانی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ان سے فقہ و اصول اور علوم عربیہ کی تعلیم حاصل کی اور ان علوم میں درجہ اجتہاد تک پہنچے۔ ان کا شمار نویں صدی ہجری کے جلیل القدر علما کی جماعت میں ہوتا تھا۔ طویل عرصے تک دار السلطنت دہلی میں ان کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ اس زمانے میں جن حضرات نے ان سے اخذ علم کیا' ان میں ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا اسم گرامی خاص طور سے لائق تذکرہ ہے۔

مولانا خواجگی' جہاں جید عالم دین تھے' وہاں تصوف و طریقت سے بھی قلبی لگاؤ رکھتے تھے اور اس باب میں شیخ نصیر الدین محمود اودھی چراغ دہلی کے فیض یافتہ تھے۔

مولانا خواجگی دہلی ہی میں تھے کہ شیخ محمد بن یوسف حسینی دہلوی المعروف بہ سید محمد گیسوؒ دراز نے خواب دیکھا کہ عنقریب ارض ہند پر مغل حملہ آور ہوں گے جو کھیتی باڑی کو تباہ اور مال مویشی کو ہلاک کر دیں گے اور بے شمار انسانی جانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے [1]۔ یہ خواب انھوں نے مولانا خواجگی سے بیان کیا تو وہ اپنے تلمیذ رشید مولانا شہاب الدین دولت آبادی کو ساتھ لے کر دہلی سے نکلے اور کالپی چلے گئے۔ مولانا خواجگی تو کالپی ہی میں سکونت پذیر ہو گئے مگر مولانا شہاب الدین جون پور تشریف لے گئے۔ جون پور کے تخت حکومت پر سلطان ابراہیم شرقی متمکن تھا جو بڑا نیک دل اور علم و علما کا قدر دان حکمران تھا۔ اس نے مولانا شہاب الدین کی علمی قابلیت سے متاثر ہو کر ان کو جون پور کا قاضی القضاۃ مقرر کر دیا۔ اس نے کئی بار مولانا خواجگی سے مستقل طور سے جون پور میں سکونت اختیار کرنے کی درخواست کی۔ وہ اس کے کہنے سے جون پور گئے مگر کچھ عرصے کے بعد واپس کالپی تشریف لے گئے اور بقیہ زندگی وہیں بسر کی۔

مولانا خواجگی جس زمانے میں دہلی میں مولانا معین الدین عمرانی سے تعلیم حاصل کرتے تھے' ان کا معمول تھا کہ درس کے بعد شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی خدمت میں بھی جاتے' لیکن مولانا عمرانی اس عام مخالفت کی بنا پر جو علمائے دین کو فقرا و صوفیا سے ہوتی ہے' چراغ دہلی کے مرتبہ علمی کے قائل نہ تھے اور کبھی ان سے ملاقات کو نہ گئے۔ ایک مرتبہ مولانا عمرانی کو اتنی شدید کھانسی ہو گئی کہ معالجوں نے ناقابل علاج قرار دے دیا اور وہ ان کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر مولانا خواجگی نے استاذ سے عرض کیا۔

---

[1] تیمور نے ۸۰۱ھ/۱۳۹۹ء میں ہندوستان پر حملہ کیا اور وہی کچھ ہوا جو انھوں نے خواب میں دیکھا تھا۔ خواب کے علاوہ حالات بھی ایسے ہی پیدا ہو گئے تھے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا خواجگی بعرض رسانید کہ چہ شود اگر مخدوم جہت ملاقات شیخ قدم رنجہ فرمایند و استمداد ہمت نمایند کہ از برکت صحبت و نظر ایشاں شفا حاصل شود۔

مخدوم محترم! اس میں کیا مضائقہ ہے کہ آپ چراغ دہلی کی ملاقات کے لیے تشریف لے چلیں۔ ان سے دعا کی درخواست کی جائے۔ ممکن ہے ان کی برکت صحبت و نظر سے صحت حاصل ہو جائے۔

پہلے تو مولانا نے یہ مشورہ قبول فرمانے سے انکار کیا مگر جب بیماری سے زیادہ پریشان ہوئے تو رضامندی ظاہر کر دی اور چراغ دہلی سے ملنے کے لیے روانہ ہو گئے۔ دروازے سے نکل کر ابھی خانقاہ میں گئے ہی تھے کہ چراغ دہلی گھر گئے اور کھانا' جو چاول اور دہی مشتمل تھا' منگوایا اور مولانا کے سامنے رکھا۔ ظاہر ہے کہ دونوں چیزیں کھانسی کے مریض اور بلغمی مزاج والے شخص کے لیے سخت مضر ہیں' اس لیے مولانا نے انکار کیا مگر چراغ دہلی نے سخت اصرار کے ساتھ کھانا ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

شیخ فرمود کہ میل کنید بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر تناول فرمایے

انھوں نے کھانا شروع کیا مگر جب دسترخوان سے اٹھے تو کھانسی نے بہت ہی زور پکڑا۔ شیخ کے حکم سے طشت منگوایا گیا اور وہ تمام بلغمی مادہ جس سے کھانسی ہوتی تھی' طشت میں آ رہا اور مولانا مکمل طور سے صحت یاب ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد مولانا معین الدین عمرانی کا شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی ملاقات سے انکار' ارادت مندی میں بدل گیا۔ اور دونوں ایک دوسرے سے مسرت افزا جذبات سے ساتھ ملنے لگے۔

مولانا خواجگی نے ۸۹۹ھ (۱۴۹۴ء) میں شہر کالپی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے ❶۔

مولانا خواجگی کا شمار نویں صدی ہجری کے برصغیر پاک و ہند کے ان فقہائے گرامی قدر میں ہوتا ہے جن کی کسی تصنیف کا ہمیں علم نہیں ہو سکا۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ وہ عمر بھر درس و تدریس میں مشغول رہے اور طلبا کو علم فقہ اور دیگر علوم عربیہ کی تعلیم سے بہرہ مند کرتے رہے۔

۲۶۔ مولانا خواجگی کڑوی

شیخ خواجگی بن احمد بن شمس الدین عریفی ملتانی کا لقب شیخ شمس الدین تھا۔ بہت بڑے عالم اور اپنے عصر کے فاضل شخص تھے۔ اسماعیل بن جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے۔ علم و معرفت کے لیے شیخ علاء الدین

❶ اخبار الاخیار' ص ۱۴۳' ۱۴۴۔ ماثر الکرام' ص ۱۶۸۔ گلزار ابرار' ص ۳۵۹' ۳۰۶ تاریخ الاولیا' ج ۲ ص ۲۱۰' ۲۱۱۔ خزینۃ الاصفیا' ج ۱ ص ۳۷۸' ۳۷۹۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۵۸۔ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۶۳' ۶۴۔ تاریخ شیراز ہند' جون پور' ص ۶۵۶ تا ۶۵۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسینی جیوری کی خدمت میں گئے اور ایک عرصہ تک ان سے وابستہ رہے۔

شیخ خواجگی کڑوی حدیث اور فقہ میں بھی مہارت رکھتے تھے اور تصوف وطریقت کی بھی تمام منزلیں طے کر چکے تھے۔ تصوف وسلوک کے موضوع سے متعلق ان کی ایک تصنیف بھی ہے جس کا نام المرید والمراد ہے۔ حدیث رسول اللہ صلی اللہ وسلم سے ان کے قلبی لگاؤ اور دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ شیخ حسن صغانی لاہوری کی معروف تصنیف مشارق الانوار سے چالیس احادیث کتابی صورت میں جمع کیں جن کا نام الاربعین رکھا۔ ان کی یہ اربعین بہت مقبول ہوئی۔

شیخ احمد بن محمد حسینی کڑوی نے اپنی بعض تصنیفات میں یہ واقعہ تحریر کیا ہے۔ کہ عالم رؤیا میں ان کے والد مکرم کو رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور وہ حضور ﷺ سے عرض گزار ہوئے کہ آپ ﷺ ان کے جد امجد کی اربعین سماعت فرمائیں اور اس میں مندرج احادیث کی تصحیح کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' یہ احادیث تم نے کس کتاب سے نقل کی ہیں؟ عرض کیا صغانی کی مشارق الانوار سے! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مشارق الانوار کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس بشارت پر انھوں نے الحمدللہ کہا اور اللہ کی ثنا بیان کی اور پھر شروع سے آخر تک پوری مشارق الانوار زبانی یاد کر لی۔

مولانا خواجگی کڑوی اپنے دور کے اچھے شاعر بھی تھے۔

اس عالم وفقیہ اور عابد وزاہد نے ۱۸ محرم ۸۹۸ھ ۹ نومبر ۱۴۹۲ء کو وفات پائی۔ ان کی قبر شہر کڑھ میں دریائے گنگا کے کنارے ہے اور اس پر ان ہی کے یہ دو شعر مکتوب ہیں:

برائے خدا اے عزیزان من نویسید برگور من این سخن
کہ چوں خواجگی درتہ خاک شد نکوشد زحکم جہاں پاک شد ❶

مولانا خواجگی کڑوی کے حالات میں تذکرہ نگاروں نے اس بات کی تو صراحت کی ہے کہ وہ اپنے دور کے معروف فقیہ تھے مگر اس موضوع کے بارے میں نہ ان کی کسی کتاب کا ذکر کیا ہے اور نہ ان کی دیگر فقہی کاوشوں کی نشان دہی کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ممدوح کتب فقہیہ پر عبور رکھتے تھے اور ان کتابوں کی تدریس وتعلیم کے فرائض بھی انجام دیتے تھے مگر فقہ کی کسی کتاب کے مصنف نہ تھے۔

۲۷۔ مولانا خواجہ مانک پوری

نویں صدی ہجری کے خطۂ ہند میں جن بلند پایہ علمی شخصیتوں کا ظہور ہوا اُن میں مولانا خواجہ مانک پوری کی ذات گرامی لائق تذکرہ ہے۔ یہ مولانا خواجہ بن جلال الدین عمری مانک پوری ہیں جو مولانا حسام الدین مانک پوری کے والد اور عالم وزاہد شخص تھے۔ ان کا شمار فقہ واصول اور علوم عربیہ کے جید اور نامور علما کی جماعت میں ہوتا

❶ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۶۴' ۶۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔انھوں نے اپنے والد گرامی قدر شیخ جلال الدین عمری اور دیگر علمائے عصر سے اخذ علم کیا۔نہایت قانع اور متورع بزرگ تھے۔ان کے بارے میں بعض عجیب وغریب واقعات کتابوں میں مرقوم ہیں۔

ان واقعات میں سے ایک یہ ہے مولانا خود اور ان کے اہل خانہ تین روز سے فاقے کی حالت میں تھے کہ ایک شخص ایک فتویٰ پوچھنے آیا اور سونے کا ایک ٹکڑا ساتھ لایا۔مولانا نے اس کو فتویٰ تو دے دیا مگر سونے کا وہ ٹکڑا واپس کر دیا۔اس پر اہل خانہ نے ان پر خفگی کا اظہار کیا' لیکن مولانا خاموش رہے اور کسی کو کوئی جواب نہ دیا۔ اتنے میں ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ ''امیر عین الدین آئے ہیں اور آپ کو سلام کہتے ہیں۔وہ کچھ دعائیں پڑھ رہے تھے کہ بعض ایسے مشکل الفاظ سامنے آئے جو ان کی سمجھ سے بالا تھے۔امیر نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہاں کوئی عالم دین ہے؟ لوگوں نے مولانا موصوف کا نام لیا۔وہ آپ کو یاد کرتے ہیں اور آپ سے مشکل الفاظ سمجھنا چاہتے ہیں''۔

امیر عین الدین کے پیغام پر مولانا خواجہ مانک پوری اس کے پاس گئے اور جو مشکل اس کو درپیش تھی وہ حل کر دی۔اس پر امیر بہت خوش ہوا اور اس نے اس قدر سونا بھی دیا جتنا کہ انھوں نے واپس کر دیا تھا اور ساتھ ہی کپڑے اور کھانے کی چیزیں بھی پیش کیں۔یہ ان کے صبر کا بدلہ تھا جس پر اہل خانہ اور دیگر لوگوں نے انتہائی مسرت کا اظہار کیا۔اس پر اپنے گھر والوں سے شیخ نے کہا۔

چوں ہمت کردیم و مال مشکوک باز گردانیدیم' خدائے تعالیٰ ما را از وجہ او حلال عطا کرو[1]۔

کہ ہم نے ہمت کر کے مال مشکوک واپس کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے ہمیں مال حلال عطا کر دیا۔

مولانا خواجہ بن شیخ جلال الدین عمری کا شمار بھی ان ہی فقہائے کرام میں ہوتا ہے' جن کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا۔غالباً یہ بھی فقہا کی اسی جماعت سے تعلق رکھتے تھے جو تصنیف وتالیف میں نہیں بلکہ درس وتدریس میں مشغول ومنہمک رہتی تھی۔

۲۸۔شیخ خوندمیر پٹنی

شیخ خوندمیر کا سلسلہ نسب یہ ہے: شیخ خوندمیر بن سید بڈھا بن یعقوب بن محمود حسینی پٹنی گجراتی۔سرزمین گجرات (کاٹھیاوار) میں پیدا ہوئے اور اپنے چچا شادی بن یعقوب سے علم فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ان ہی سے تصوف وطریقت کا علم اخذ کیا۔پھر پٹن سے احمد آباد منتقل ہو گئے اور وہاں کے مشہور علما وصوفیا یعنی شیخ عبداللہ بن محمود حسینی بخاری گجراتی اور شیخ عبدالفتاح سے کسب فیض کیا۔شیخ عبدالفتاح نے شیخ علاء الدین سے اور انھوں نے شیخ محمد بن یوسف حسینی (نزیل گلبرگہ) سے استفاضہ کیا تھا۔

شیخ خوندمیر کا شمار اس دور کے اصحاب فضل وصلاح میں ہوتا ہے۔وہ باوقار اور بلند مرتبت بزرگ

[1] اخبار الاخیار' ص ۱۷۸۔تذکرہ علمائے ہند ص ۵۷'۵۸۔نزہۃ الخواطر' ج ۳ ص ۶۵'۶۶۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔

۱۰ ربیع الثانی ۸۷۴ھ (۱۷ اکتوبر ۱۴۶۹ء) کو فوت ہوئے ❶۔

ان کی کسی تصنیف کا پتا نہیں چل سکا۔

۲۹۔ شیخ خضر بن حسن بلخی

شیخ خضر کا نسب نامہ یہ ہے: خضر بن حسن بن مبارک بن عثمان بن محی الدین عمری ادہمی بلخی۔ بعض حضرات نے ان کے سلسلہ نسب کو مشہور بزرگ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچایا ہے' لیکن صاحب نزہۃ الخواطر سید عبدالحی حسنی لکھنوی کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے ❷۔

شیخ خضر بن حسن اپنے عصر کے ممتاز عالم دین تھے اور علم حدیث میں بالخصوص مہارت رکھتے تھے۔ وارد ہند ہوئے تو جون پور تشریف لے گئے۔ لکھنؤ میں بھی ان کا سلسلہ تدریس جاری رہا۔ ان کی علمی خدمات کی بنا پر ملیح آباد کے مضافات میں ان کو متعدد دیہات عطا کیے گئے تھے۔

جن حضرات نے ان سے اخذ علم کیا ان میں ان کے فرزند گرامی قدر شیخ قطب الدین کا اسم گرامی خصوصیت سے لائق تذکرہ ہے ❸۔

ان کا شمار علمائے کرام کی اس جماعت میں ہوتا ہے جن کی تصنیفات اور علمی سرگرمیوں کی تفصیلات سے تاریخ کے اوراق خالی ہیں۔

د

۳۰۔ مفتی داؤد بن رکن الدین ناگوری

مفتی داؤد بن رکن الدین بن حسام الدین ناگوری' فقہ واصول اور علوم عربیہ کے جید عالم تھے جو علاقہ گجرات کے ایک شہر نہروالہ کی مسند افتا پر فائز تھے۔ فقہ کی مشہور کتاب فتاویٰ حمادیہ ان کے والد مکرم شیخ رکن الدین ناگوری کی تصنیف ہے' لیکن جیسا کہ شیخ موصوف نے اس کے مقدمے میں وضاحت کی ہے' اس کی ترتیب وتصنیف میں ان کے بیٹے مفتی داؤد بھی ان کے شریک تھے اور اس سلسلے میں انھوں نے ان کی بہت مدد کی ❹۔

❶ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۶۷۔ بحوالہ مرآۃ احمدی۔

❷ نزہۃ الخواطر' ج ۲' ص ۱۱۹' ۱۲۰۔

❸ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۶۸۔

❹ مقدمہ فتاویٰ حمادیہ و نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۶۸۔ اس ضمن میں مفصل معلومات کے لیے ملاحظہ ہوں حالات مفتی رکن الدین ناگوری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۱۔ قاضی رضی الدین ردولوی

قاضی رضی الدین بن نصیر الدین بن نظام الدین ردولوی ملک العلماء قاضی شہاب الدین احمد بن عمر زاولی دولت آبادی کے نواسے تھے اور علم وفضل کے بلند مرتبے پر فائز تھے۔ جون پور میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی۔ اپنے نانا قاضی القضاۃ شہاب الدین دولت آبادی کے حلقہ تلمذ میں شامل ہو کر حصول علم کی منزلیں طے کیں اور کافی عرصہ ان سے وابستہ رہے۔ یہاں تک کہ سب مروجہ علوم حاصل کر لیے اور اپنے تمام معاصرین واقران میں فقہ واصول، علم کلام اور علوم عربیہ میں ممتاز گردانے گئے۔

یہ سلطان ابراہیم شرقی کا عہد حکومت تھا اور وہ علما وفقہا کا بے حد قدر دان تھا۔ وہ ان کے علوم دینیہ پر عبور اور فقاہت سے اس درجہ متاثر ہوا کہ ان کو شہر ردولی کا قاضی مقرر کر دیا۔ پھر یہ وہیں اقامت گزیں ہو گئے اور فرائض قضا کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ درس وتدریس میں بھی مشغول رہے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا[1]۔

یہ وہ نامور فقیہ اور عالم دین تھے جنھوں نے غالباً کوئی تصنیف تو اپنی یادگار نہیں چھوڑی مگر قاضی اور مدرس کی حیثیت سے علم فقہ کی خوب اشاعت کی اور اس سلسلے میں بڑی شہرت پائی۔

۳۲۔ رکن الدین جون پوری

شیخ رکن الدین جون پوری کا سلسلۂ نسب یہ ہے: رکن الدین بن صدر الدین بن شرف الدین بن جلال الدین بن محمود بن جابر بن شیخ عبداللہ انصاری ہروی ثم ہندی جون پوری۔

شیخ رکن الدین جون پوری اپنے زمانے کے مشہور رجال فضل وصلاح میں سے تھے اور معروف فقیہ بھی تھے۔ ان کے والد شیخ صدر الدین سلطان خضر بن سلیمان کے ایام حکومت میں دہلی آئے اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ والد کی وفات کے بعد شیخ رکن الدین دہلی سے جون پور منتقل ہو گئے۔ اس زمانے میں جون پور کے تخت حکومت پر سلطان ابراہیم شرقی متمکن تھا اور جون پور کو علما ومشائخ کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ شیخ رکن الدین نے وہاں شیخ تاج الدین جھونسوی (غالباً یہ جھانسوی ہے) سے تصوف وطریقت کا درس لیا۔ پھر شیخ جلال الدین حسین بن احمد حسینی بخاری وارد جون پور ہوئے تو انھوں نے ان سے بھی فیض حاصل کیا۔ جون پور آنے کے بعد شیخ رکن الدین کے نام کے ساتھ ''جون پوری'' کی نسبت کا اطلاق ہونے لگا اور اس نواح میں انھیں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ ایک وقت آیا کہ ان کے عقیدت مندان کو سجدہ کرنے لگے تھے لیکن وہ ان کو اس سے روکتے نہ تھے۔ یہ فعل

[1] نزہۃ الخواطر، ج ۳ ص ۱۷، بحوالہ انوار الصفی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوں کہ شرک لغیر اللہ کے مترادف تھا' اس لیے ملک العلما قاضی شہاب الدین کو سخت ناگوار گزرا۔ انھوں نے شیخ رکن الدین کو اس سے کئی مرتبہ ٹوکا اور کہا کہ وہ اپنے مریدوں کو اس فعل شرک کے ارتکاب سے روکیں۔

شیخ عبدالعزیز جون پوری سیرۃ الاولیا میں رقم طراز ہیں کہ کبیر ہندی جون پور آئے' تو قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے تلامذہ اور اصحاب ارادت نے ان کو پریشان کرنا شروع کر دیا لیکن شیخ رکن الدین نے ان کی حمایت کی اور پھر ان سے جون پور سے نکل جانے کے لیے کہا۔

شیخ رکن الدین سے جن لوگوں نے استفادہ کیا ان میں شیخ عبدالملک جون پوری' قاضی محمد بن علا منیری شامل ہے۔

شیخ موصوف نے ۱۱ ربیع الثانی ۸۷۴ھ (۱۸/ اکتوبر ۱۴۶۹ء) کو وفات پائی۔ ان کی قبر جون پور کے محلّہ تارتلہ میں ہے[1]۔

تذکرہ نویسوں نے ان کا شمار فقہا میں کیا ہے' مگر ان کی کسی تصنیف اور فقہی کاوش کا علم نہیں ہو سکا۔ معلوم ہوتا ہے ان کی فقہی سرگرمیاں محض درس و تدریس تک محدود تھیں۔ تصنیف و تالیف سے دلچسپی نہ رکھتے تھے یا اگر کوئی تصنیف تھی بھی تو ہمارے احاطہ معلومات سے باہر ہے۔

سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کو کرنا چاہیے۔ کسی شخص کو سجدہ کرنا یا کسی سے اپنے لیے سجدہ کرانا صریحاً شرک ہے۔ ان کا ارادت مندوں کو اپنے لیے سجدے سے نہ روکنا دائرۂ شرک میں داخل ہے۔

۳۳۔ شیخ رکن الدین دہلوی

شیخ رکن الدین بن شہاب الدین فقیہ اور مرد صالح تھے۔ ان کا شمار مشاہیر مشائخ چشتیہ میں ہوتا تھا۔ دارالسلطنت دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت کی منزلیں طے کیں۔ ان کے والد گرامی شیخ شہاب الدین دہلوی اپنے دور کے معروف عالم دین تھے۔ انھوں نے ان ہی سے تعلیم حاصل کی۔ والد کی وفات کے بعد ان کی جگہ مسند مشیخت پر متمکن ہوئے اور بڑی شہرت پائی۔

جن حضرات نے شیخ رکن الدین سے فیض حاصل کیا' ان میں صاحب تمہیدات مسعود بیگ کا نام قابل ذکر ہے[2]۔

مسعود بیگ کا اصل نام شیر خاں تھا اور سلطان فیروز شاہ کے اقربا میں سے تھے۔ نہایت عمدہ قسم کا شاہانہ اور امیرانہ لباس زیب تن کرتے تھے۔ لیکن اچانک دل میں ایسی کیفیت پیدا ہوتی کہ کپڑے پھاڑ ڈالتے اور گریبان چاک کر دیتے۔ عام طور سے طبیعت پر حالت سکر طاری رہتی اور کسی سے بات نہ کرتے۔ توحید اور تصوف

[1] نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۶۹' ۷۰۔ بحوالہ گنج ارشدی

[2] نزہۃ الخواطر' ج ۳ ص ۷۰۔ گلزار ابرار' ص ۹۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے موضوع پر ان کی کئی تصانیف ہیں جن میں تمہیدات اور مرأۃ العارفین کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔
مسعود بیگ شاعر بھی تھے۔ ان کے مجموعہ کلام میں قصائد' غزل وغیرہ ہر قسم کے اشعار موجود ہیں ❶۔

۳۴۔ شیخ رکن الدین ظفر آبادی

شیخ رکن الدین قریشی ظفر آبادی کا شمار اکابر فقہائے حنفیہ میں ہوتا ہے۔ تفسیر' حدیث' فقہ اور اصول فقہ میں عبور رکھتے تھے۔ صاحب نزہۃ الخواطر سید عبدالحی حسنی لکھنوی' مناقب درویشیہ کے حوالے سے ان کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ انھیں رسول اللہ ﷺ کی ایک لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں۔ ان کی نیکی اور تدین کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ روزے سے رہتے اور مشکوک لقمہ حلق سے نیچے نہ اترنے دیتے۔

علم وفضل کی فراوانیوں کے علاوہ انھیں تصوف وطریقت سے بھی گہرا لگاؤ تھا اور شیخ اسد الدین حسینی ظفر آبادی سے فیض یافتہ تھے۔ ان کی معیت میں جہاد فی سبیل اللہ میں بھی کوشاں رہے اور ظفر آباد ہی کو مستقل طور سے اپنا مسکن بنالیا تھا۔

شیخ رکن الدین کی وفات ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) میں ہوئی۔ ان کے بعض عقیدت مندوں نے تاریخ وفات ''رکن الدین افتاد'' سے نکالی ہے ❷۔

ان کا شمار بھی ان اصحاب علم بزرگوں میں ہوتا ہے جن کی کسی تصنیف کا ذکر تذکرہ نگاروں نے نہیں کیا اور پھر یہ ضروری بھی نہیں کہ ہر فقیہ یا عالم دین لازماً صاحب تصنیف بھی ہو۔ بعض علمائے عظام نے قلم وقرطاس سے رابطہ نہیں رکھا' فقط درس وتدریس کو اپنا مشغلہ قرار دیے رکھا اور ان کے نزدیک خدمت دین کا اصلی اور بنیادی طریق یہی تھا جیسا کہ بے شمار علما اب بھی اس پر عمل پیرا ہیں۔ معلوم ہوتا ہے شیخ رکن الدین ظفر آبادی بھی ان ہی حضرات میں سے تھے۔

ایک لاکھ احادیث کا زبانی یاد ہونا عجیب سا معاملہ ہے۔ اس کی صحت پر بہر حال تامل ہے۔

۳۵۔ مفتی رکن الدین ناگوری

مفتی ابوالفتح رکن الدین ناگوری بن حسام الدین ناگوری کا شمار ان فقہا میں ہوتا ہے جو فقہ اور اصول میں مہارت رکھتے تھے' اور علاقہ گجرات (کاٹھیاواڑ) کے ایک معروف شہر نہر والا کے منصب افتا پر فائز تھے۔ ان کی تصنیف فتاویٰ حمادیہ ہے جو ایک ضخیم کتاب ہے۔ یہ کتاب انھوں نے قاضی حماد الدین بن محمد اکرم گجراتی کے حکم سے تصنیف کی' جو نہر والہ کے قاضی القضاۃ اور اپنے زمانے کے مشہور فاضل اور نامور فقیہ تھے۔ اس کتاب کی

❶ تذکرہ علمائے ہند' ص ۲۲۶
❷ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۷۰۔۷۱۔ بحوالہ تجلی نور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تصنیف وترتیب کے مراحل مفتی رکن الدین نے اپنے بیٹے مفتی داؤد کی اعانت وشراکت میں طے کیے۔ یہ فقہ کی نہایت اہم کتاب ہے جو ان دونوں فقہا..... مفتی رکن الدین ناگوری اور ان کے بیٹے مفتی داؤد..... نے تفسیر' حدیث' فقہ اور اصول فقہ کی دوسو سولہ کتابوں سے استفادہ کر کے مکمل کی۔ اس کی تفصیل کتاب کے مقدمے میں بیان کی گئی ہے۔ یہ کتاب "الحمد الله الذی نور قلوب الموحدین بنور التوحید و الایمان" کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ اس کی تصنیف میں جن کتب فقہ سے استفادہ کیا گیا' مقدمۂ کتاب میں ان کے نام درج کیے گئے ہیں' جن میں ہدایہ' الکافی' شرح مجمع البحرین' شرح وقایہ' شرح طحاوی' تحفۃ الفقہا' المحیط' الواقعات حسامی' فتاویٰ البرہانی' فتاویٰ تاتارخانی' جواہر الفتاویٰ' جامع الفتاویٰ' فتاویٰ ولوالجی' الخلاصہ' خزانۃ الفقہ' فتاویٰ سمرقند' فتاویٰ قراخانی' فتاویٰ النوازلی' فتاویٰ الصیرفی' زادالفقہا' دستور القضاۃ' الذخیرہ' المبسوط' فتاویٰ الابانہ' حاشیہ بزدوی' فتاویٰ الناطفی' وغیرہ کتب فقہ کے علاوہ مشکوٰۃ المصابیح اور تفاسیر میں سے معالم التنزیل' تفسیر کبیر' تفسیر شیخ شہاب الدین سہروردی اور تفسیر کشاف وغیرہ شامل ہیں۔

فتاویٰ حمادیہ' اگرچہ فقہ احناف سے متعلق مسائل پر محیط ہے' لیکن اس میں ان کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جو فقہ امام شافعی پر محتوی ہیں۔

فتاویٰ حمادیہ کے مقدمے سے واضح ہوتا ہے کہ مفتی ابوالفتح رکن الدین بن حسام الدین ناگوری کا اصل وطن نہروالہ نہیں تھا بلکہ وہ کسی دوسری جگہ سے جا کر نہروالہ میں متوطن ہوئے تھے۔ وہ کہتے ہیں "کہ جب میں نہروالہ میں گیا تو دیکھا کہ یوں تو اس شہر کے تمام لوگ بہترین عادات واطوار کے حامل ہیں' مگر وہاں کے قاضی القضاۃ حمادالدین بن محمد اکرم تو نہایت صالح' معرفت وشعور سے بہرہ ور' تجربہ ومہارت میں یگانہ اور ذہنی وقلبی اعتبار سے مجسمہ خلوص ہیں۔ وہ پینتیس سال سے نہروالہ کی مسند قضا پر فائز ہیں۔ ان کے رعب ودبدبہ اور ذاتی وعلمی وجاہت کا یہ عالم ہے کہ کوئی شخص ان کے سامنے جھوٹی شہادت دینے اور غلط بیانی کرنے کی جرات نہیں کرسکتا۔ وہ تنفیذ احکام میں بے مثل کردار کے مالک ہیں اور دعاوی ومقدمات کے فیصلے جمہور فقہا کے اقوال اور فتاویٰ کے مطابق کرتے ہیں۔ ان کے والد گرامی قاضی محمد اکرم بھی عالم وفقیہ اور متورع ومتقی ہیں۔"

ان ہی قاضی حمادالدین نے مفتی رکن الدین اور ان کے بیٹے مولانا داؤد کو یہ خدمت علمی انجام دینے پر مامور کیا اور کہا کہ وہ ایک ایسی کتاب مرتب کریں جو ان مسائل فقہی پر مشتمل ہو جن پر جمہور فقہا کا اجماع ہے اور جس کے مندرجات عقل ودرایت کی میزان پر پورا اترتے ہیں۔ چنانچہ بڑی محنت اور تلاش وکاوش سے انھوں نے ایک کتاب مرتب کی جسے قاضی حمادالدین کی طرف منسوب کر کے فتاویٰ حمادیہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ فتاویٰ حمادیہ میں دوسو سولہ کتابوں سے مسائل مستنبط ومستخرج کیے گئے ہیں' جن میں سے چند کتابوں کے نام گزشتہ سطور میں بیان کیے جا چکے ہیں۔

نویں صدی ہجری کی یہ فقہی کتاب جو ارض ہند میں مرتب کی گئی' اب بھی دنیا کے مختلف کتب خانوں میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مخطوطے کی صورت میں موجود ہے۔ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے اس قلمی کتاب کے دنیا کی حسب ذیل سات لائبریریوں میں چودہ نسخے محفوظ ہیں۔

۱۔ اس کا ایک نسخہ پاکستان میں ہے جو پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور کے شیرانی کلکشن میں موجود ہے۔ اس کا نمبر ۳۹۰۹ اور یہ ۴۳۰ اوراق پر محیط ہے۔ سطور فی صفحہ ۱۲ سے ۲۳ تک ہیں۔ کتاب کے اکثر حصے اچھی حالت میں ہیں اور آسانی سے پڑھے جا سکتے ہیں۔ آخر کے بعض مقامات کرم خوردہ ہیں۔ شروع میں غلام علی رضوی کی مہر ہے۔

۲۔ انڈیا آفس لائبریری لندن میں اس کے تین نسخے ہیں، جن کے نمبر علی الترتیب ۱۶۸۹، ۱۶۹۰ اور ۱۶۹۱ ہیں۔ پہلا نسخہ خط نسخ میں ہے جو اٹھارھویں صدی میں دہلی میں لکھا گیا۔ اس کے مختلف مقامات پر حواشی بھی ہیں۔ دوسرے نسخے کا سال کتابت ۱۸۲۲ء ہے۔ یہ خط نستعلیق میں ہے اور دہلی کا کتابت شدہ ہے۔ اس کے بعض مقامات پر حواشی ہیں اور کچھ صفحات ضائع ہو چکے ہیں۔ تیسرا نسخہ ۱۶۹۰ء کا مکتوبہ ہے۔ یہ بھی خط نستعلیق میں ہے اور اس کے بھی چند مقامات پر حواشی ہیں جو مختلف ہاتھوں کے لکھے ہوئے ہیں اور بہت سے فقہی نکات پر مشتمل ہیں ❶۔

۳۔ کتب خانہ خدیویہ مصر میں اس کے دو نسخے ہیں۔ ایک نسخہ خط نسخ میں ہے اور کاتب ابراہیم بن محمد از نوطی ہے۔ اس کی کتابت جمعرات کے روز ۳ ربیع الاول ۱۲۷۲ھ کو مکمل ہوئی ❷۔ دوسرے نسخے کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔

۴۔ مانچسٹر لائبریری میں بھی یہ کتاب موجود ہے۔ اس کا کاتب بدھ کے روز بعد از اشراق ۲۵ صفر ۱۱۲۹ھ (۲۸ جنوری ۱۷۱۷ء) کو اس کی کتابت سے فارغ ہوا۔ اس نے اپنا نام اس طرح لکھا ہے:

احقر العباد جعفر بن مرحوم قاضی غلازیول۔

اس کے ابتدا اور آخر میں ایک مہر ہے جس میں ۱۷۸۹ء۔۱۲۰۴ھ و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہٗ احمد اور احمد بن محمد درویش کے الفاظ کندہ ہیں۔ یہ کتاب ہندوستان کے بہترین خط نسخ میں لکھی گئی ہے۔ الفاظ صاف اور نمایاں ہیں اور بالکل آسانی سے پڑھے جا سکتے ہیں ❸۔

۵۔ بانکی پور لائبریری میں بھی یہ کتاب موجود ہے اور اس کا نمبر ۱۷۲۳ ہے۔ یہ نسخہ ناقص الآخر ہے۔ تاریخ کتابت درج نہیں۔ غالباً بارھویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے ❹۔

---

❶ ملاحظہ ہو کٹیلاگ آف انڈیا آفس لائبریری، ج ۲، جز ۳۔ فقہ ص ۲۷۲، ۲۷۳۔

❷ فہرست کتب خانہ خدیویہ مصر، ج ۳ ص ۸۸

❸ کٹیلاگ مانچسٹر لائبریری۔ حصہ عربی فقہ۔ کالم نمبر ۳۲۴، ۳۲۶۔ کتاب نمبر ۲۰۴

❹ کٹیلاگ آف بانکی پور لائبریری، ج ۱۹ جز ۲، ص ۲۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۔ رام پور لائبریری میں اس کے دو نسخے ہیں۔ایک نسخے کا نمبر ۳۶۲ ہے اور خط نسخ میں ہے۔صفحات ۵۹۰ ہیں۔دوسرا نسخہ خط نستعلیق میں ہے۔صفحات ۷۱۰ ہیں اور نمبر ۳۶۳ ہے ❶۔

۷۔ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں اس کے چار نسخے ہیں جن کے نمبر علی الترتیب ۱۸، ۱۹، ۱۰۵ اور ۱۰۶ ہیں۔نمبر ۱۸ بہت عمدہ خط نسخ میں ہے۔سن تحریر اور نام کاتب مرقوم نہیں۔البتہ ابتدائے کتاب میں سال خریداری ۱۲۵۹ھ لکھا ہے۔غالباً تیرھویں صدی ہجری کے شروع کا مکتوبہ ہے۔کل اوراق ۳۱۴ ہیں اور ہر صفحے کی ۲۳ سطور ہیں۔

نسخہ نمبر ۱۹ آدھا خط نسخ میں ہے اور آدھا نستعلیق میں بظاہر ایک ہی شخص کا کتابت شدہ معلوم ہوتا ہے۔ ۱۰۸۴ھ کا مکتوبہ ہے۔کاتب کا نام مرقوم نہیں۔کل اوراق ۱۵۷ ہیں اور سطور فی صفحہ ۲۷ ہیں۔

نسخہ نمبر ۱۰۵ خط نستعلیق میں ہے۔نام کاتب اور سال کتابت درج نہیں۔

جملہ اوراق ۲۴۲ ہیں اور سطور فی صفحہ ۲۵ ہیں۔

نسخہ نمبر ۱۰۶ خط نستعلیق میں ہے۔نام کاتب اور سال کتابت درج نہیں۔البتہ وسط کتاب اور آخر میں ایک مہر ثبت ہے جس پر قاضی معین الدین کے الفاظ کندہ ہیں۔ورق اول پر سال خرید ۱۲۰۷ھ مرقوم ہے۔بظاہر یہ نسخہ گیارھویں صدی ہجری کے وسط کا کتابت شدہ معلوم ہوتا ہے۔کل اوراق ۴۰۰ اور سطور فی صفحہ ۱۷ ہیں ❷۔

کتب خانہ خدیویہ مصر کی کتب فہرست میں یہ الفاظ بھی لکھے ہیں کہ یہ کتاب ۱۲۴۱ھ میں ہندوستان میں چھپ چکی ہے۔

بانکی پور لائبریری کے کٹیلاگ میں مرقوم ہے کہ یہ کتاب ۱۲۴۱ھ میں کلکتہ میں شائع ہو چکی ہے۔

کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں یہ الفاظ درج ہیں کہ یہ کتاب ہندوستان میں چھپ چکی ہے۔

فتاویٰ حمادیہ فقہ کی ایک اہم کتاب ہے۔پنجاب یونیوسٹی میں اس کا جو نسخہ موجود ہے حسب ذیل مضامین ومندرجات پر مشتمل ہے۔

كتاب الطهارة، كتاب الصلوٰة، كتاب الزكوٰة، كتاب الصوم، كتاب الحج، كتاب النكاح، كتاب الطلاق، كتاب العتاق، كتاب الايمان، كتاب الحدود والسرقه، كتاب السير، كتاب اللقيط واللقطة، كتاب الابان، كتاب المفقود، كتاب الشركة، كتاب الوقف، كتاب البيوع، كتاب الكفالة، كتاب الحوالة، كتاب الدعوىٰ، كتاب الاقرار، كتاب

❶ فہرست کتب عربی۔کتب خانہ رام پور، ص ۱۳۳۲، مطبوعہ مئی ۱۹۰۲ء

❷ فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ (حصہ دوم) مخزونہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن ص ۱۳۳، ۱۳۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الصلح' کتاب المضاربة' کتاب الودیعة' کتاب العاریة' کتاب الھبة'
کتاب الاجارة' کتاب الاکراہ' کتاب الحجر' کتاب الغضب' کتاب
الشفعة' کتاب القسمة' کتاب المزارعہ' کتاب الصید والذبائح'
کتاب الاضحیة' کتاب الاستحسان' کتاب احیاء' الموات والسرب'
کتاب الرھن' کتاب الجنایات' کتاب الوصایا' کتاب الفرائض۔

فہرست مضامین سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں حصہ عبادات بھی ہے اور حصہ معالات بھی۔ یہ کتاب برصغیر پاک وہند کا ایک اہم علمی اور فقہی سرمایہ ہے [1]۔

نہروالہ کے قاضی القضاۃ قاضی حمادالدین گجراتی' فتاویٰ حمادیہ کے مصنف کے معاون' مفتی داؤد بن مفتی رکن الدین ناگوری فتاویٰ حمادیہ کے مصنف مفتی رکن الدین ناگوری اور قاضی حمادالدین گجراتی کے والد مکرم قاضی محمد اکرم گجراتی کے مفصل حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ جو معلوم ہو سکے ہیں' وہ سید عبدالحی لکھنوی کی تصنیف نزہۃ الخواطر میں مرقوم ہیں اور یہ اسی قدر ہیں' جس قدر کہ فتاویٰ حمادیہ کے مقدمے میں مندرج ہیں [2]۔

ــــ ز ــــ

۳۶۔ شیخ زین الدین عربی

شیخ زین الدین بن بدرالدین عربی' عالم وفاضل بزرگ تھے اور فقہ وتصوف اور فنون ادبیہ میں مہارت رکھتے تھے۔ سلوک وطریقت میں بھی درجہ ممتاز پر فائز تھے اور اس ضمن میں شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری سے فیض یافتہ تھے۔ طویل عرصہ ان کی صحبت وملازمت میں بسر کیا تھا۔ فارسی زبان میں ان کی ایک تصنیف ہے جو راحۃ القلوب کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کتاب ان کے شیخ (شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری) کے حالات وملفوظات پر مشتمل ہے اور حمد وسپاس بے قیاس الخ کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے [3]۔

ان کا شمار بھی نویں صدی ہجری کے برصغیر پاک وہند کے ان علمائے عظام کی جماعت میں ہوتا ہے جنھوں نے علم فقہ باقاعدہ اساتذہ سے پڑھا تھا اور اس میں اپنا ایک مقام رکھتے تھے لیکن اس موضوع میں ان کی کوئی تصنیف ہم تک نہیں پہنچی اور بعد میں ان کا زیادہ تر وقت اصحاب وتصوف کی صحبت میں گزرا۔

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: راقم الحروف کی تصنیف ''برصغیر پاک وہند میں علم فقہ۔'' مقالہ فتاویٰ حمادیہ' ص ۱۲۶ تا ۱۶۶۔

[2] ملاحظہ ہو: نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۵۱' ۶۸' ۷۱' ۱۵۷۔

[3] نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۷۴' ۷۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ـــــ س ـــــ

۳۷۔ شیخ سارنگ لکھنوی

شیخ سارنگ صوفی دہلوی ثم لکھنوی۔ اپنے وقت کے مرد صالح اور حنفی المسلک فقیہ تھے۔ ابتدا میں سلطان فیروز شاہ والیٔ ہند کے معزز امرا میں سے تھے۔ علاقہ مالوہ میں ملک ہند کا شہر سارنگ پور ان ہی نے تعمیر اور آباد کیا' جس نے بعد میں بڑی شہرت حاصل کی۔

شیخ سارنگ سلطان فیروز شاہ کے حلقہ امرا میں شامل تھے کہ ایک بزرگ شیخ قوام الدین بن ظہیر الدین عباسی کردی سے منسلک ہو گئے اور ان سے اس درجہ اثر پذیر ہوئے کہ ان پر جذب وسکر کی کیفیات طاری ہونے لگیں۔ اسی اثنا میں حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا اور حرمین شریفین کی زیارت سے متمتع ہوئے۔ بعد ازاں دیگر مشائخ کی خدمت میں طویل عرصے تک رہے۔

ان کی وفات ۱۶ شوال ۸۵۵ھ (۱۱ نومبر ۱۴۵۱ء) کو ہوئی۔ قبر صوبہ یوپی کے موضع مجھگوہ میں ہے جو مضافات بسوہ میں واقع ہے [1]۔

۳۸۔ شیخ سراج الدین کالپوی

سراج الدین کالپوی سراج الحریق کے نام سے معروف تھے۔ اپنے دور کے فقیہ اور صالح بزرگ تھے۔ مولانا خواجگی دہلوی کے شاگرد تھے۔ تصوف میں مخدوم مہانیاں جہاں گشت شیخ جلال الدین حسین بن احمد حسینی بخاری سے فیض یافتہ تھے [2]۔

شیخ سراج الدین کالپوی حنفی وہ بزرگ ہیں جنھیں علم فقہ سے تعلق تو تھا مگر غالباً اس موضوع پر کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔

۳۹۔ شیخ سراج الدین گجراتی

شیخ سراج الدین بن علامہ کمال الدین دہلوی گجراتی عابد وزاہد بھی تھے اور فقیہ بھی۔ اپنے والد مکرم علامہ کمال الدین دہلوی سے علم فقہ کی تکمیل کی اور ان ہی کی تربیت سے تصوف میں لگاؤ پیدا ہوا۔

---

[1] اخبار الاخیار' ص ۱۵۵۔ نزہۃ الخواطر ج ۳' ص ۷۶۔ ۷۷۔ الفوائد السعدیہ۔

[2] نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۷۷۔ خزینۃ الاصفیاء۔ اخبار الاخیار' ص ۱۶۳' ۱۶۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علامہ کمال الدین کا اصل مشغلہ درس وتدریس تھا۔ شیخ سراج الدین نے بھی والد کی وفات کے بعد مسند درس کو رونق بخشی اور ان سے ان کے بیٹے شیخ علم الدین اور دوسرے لوگوں نے استفادہ کیا۔

شیخ سراج الدین کی وفات ۱۹ جمادی الاولیٰ ۸۱۷ھ (۶/اگست ۱۴۱۴ء) کو علاقہ گجرات کے شہر نہروالہ میں ہوئی اور وہیں دفن کیے گئے ❶۔

۴۰۔ شیخ سعد الدین خیر آبادی

شیخ سعد الدین بن قاضی بڈھن بن شیخ محمد قدوائی انامی خیر آبادی بہت بڑے عالم اور اپنے وقت کے نامور بزرگ تھے۔ فقہ، اصول فقہ، علوم عربیہ، نحو اور تصوف میں یگانۂ روزگار تھے۔ ان کے والد قاضی بڈھن خیر آباد کے منصب قضا پر متعین تھے۔ سعد الدین ابھی عالم طفولیت ہی میں تھے کہ سایہ پدری سر سے اٹھ گیا۔ باپ کی وفات کے بعد آغوشِ مادر میں تربیت پائی اور حصول علم میں مشغول ہو گئے۔ پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر اس دور کے عظیم فقیہ اور عالم دین شیخ محمد اعظم بن ابوالبقا لکھنوی کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے اور علم حاصل کیا۔ حصول علم کے بعد تصوف کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے لیے شیخ محمد مینا بن ❷ قطب الدین لکھنوی کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھے۔ پورے بیس سال ان کی خدمت میں حاضر رہے اور اس راہ کی تمام منازل پر عبور حاصل کیا۔ حتیٰ کہ شیخ کی وفات کے بعد لکھنؤ شہر میں ان کی مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور عرصہ دراز تک وہاں رہے۔ بعد ازاں لکھنؤ سے خیر آباد منتقل ہو گئے اور وہاں تبلیغ دین میں مصروف ہوئے۔

جو حضرات ان کے فیض صحبت سے تصوف کی راہوں پر گام فرسا ہوئے اور ان سے انسلاک اختیار کر کے اس چشمہ صافی سے سیراب ہونے کا شرف حاصل کیا، ان میں شیخ عبدالصمد بن علم الدین سائنپوری، شیخ اللہ داد رضوی، شیخ صفی الدین، شیخ مبارک سندیلوی، شیخ سالار، سید صفی الدین انبالوی، شیخ اللہ دیا اور دیگر بہت سے حضرات شامل ہیں۔

شیخ سعد الدین خیر آبادی نے اپنے آپ کو صرف تصوف وطریقت ہی کے حوالے نہیں کر دیا تھا بلکہ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف سے بھی پورا تعلق رکھا۔ ان کی تصنیفات کا دائرہ بہت وسیع تھا جس میں علم فقہ، اصول فقہ اور علم نحو وغیرہ سب علوم شامل ہیں۔ شرح بزدوی، شرح حسامی، شرح کافیہ، شرح مصباح اور شرح رسالہ مکیہ ان کی مشہور مصنفات ہیں۔ شرح جامی پر بھی حواشی تحریر کیے۔

شیخ سعد الدین بہت بڑے مہمان نواز تھے جو کچھ آتا لوگوں میں تقسیم کر دیتے، کوئی چیز اپنے پاس نہ رکھتے۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس دن وہ فوت ہوئے، گھر میں کفن کے لیے بھی کچھ موجود نہ تھا۔

---

❶ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۷۷۔ خزینۃ الاصفیاء۔ اخبار الاخیار، ص ۱۶۳، ۱۶۴۔

❷ ان کا اسم گرامی شیخ محمد تھا لیکن شاہ مینا کے نام سے معروف تھے۔ سال وفات ۸۷۰ھ (۱۴۶۶ء) ہے اور شاہ مینا روڈ، متصل میڈیکل کالج روڈ لکھنؤ میں مدفون ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برصغیر پاک و ہند کے اس فقیہ اور جید عالم دین نے ۸۸۲ھ (۱۴۷۷ء) میں داعی اجل کو لبیک کہا اور خیر آباد میں دفن کیے گئے ❶۔

۴۱۔ شیخ سعد الدین لکھنوی

شیخ سعد الدین بن شیخ الاسلام سعد اللہ بن قاضی سماء الدین بکری بجنوری، صالح عالم دین اور شیخ وقت تھے۔ ان کے پانچ بھائی اور تھے، جوان سے عمر میں چھوٹے تھے۔ یہ اپنے باپ کے چھٹے بیٹے تھے جو بعض امور میں اپنے دیگر بھائیوں سے مختلف رجحانات رکھتے تھے۔ لکھنؤ سے چار میل کے فاصلے پر ایک گاؤں میں پیدا ہوئے جو بجنور کے نام سے موسوم تھا اور اسی گاؤں میں نشو و نما پائی۔ حصول علم کے بعد درس و تدریس کی صورت میں علوم دینیہ کی نشر و اشاعت اور افادۂ عام میں مشغول ہو گئے۔ ان کے حلقہ درس کی وسعتوں کا یہ حال تھا کہ دور دراز کے علاقوں سے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور علمی استفادہ کرتے۔ تدریس کا انداز کچھ ایسا تھا کہ طلبا ان سے بہت متاثر ہوتے اور ان کے مباحث علمیہ غور سے سنتے۔ منتہی اور ذہین طلبا بالخصوص ان کی طرف رجوع کرتے۔

شیخ سعد الدین شاعر بھی تھے۔ سعدی تخلص کرتے تھے اور عمدہ شعر کہتے تھے۔ ان کے چند اشعار یہ ہیں:

چوں داری مونسے چوں قل ہو اللہ خطی درکش بگرد ماسوی اللہ

☆☆☆

چوں دوست موافق است سعدی سہل است جفائی ہر دو عالم

☆☆☆

گریہ برعیوب کس نکنی خندہ برعیب دیگراں چہ زنی

اس نامور عالم دین نے ۲۹ جمادی الاولیٰ ۸۸۱ھ (۱۹ ستمبر ۱۴۷۶ء) کو وفات پائی۔ ان کے ایک شاگرد نے "مخدوم قطب الاولیا" تاریخ وفات نکالی ❷۔

۴۲۔ شیخ سعد اللہ کنتوری

شیخ سعد اللہ بن محمد متوکل کنتوری، اپنے وقت کے معروف فقیہ تھے۔ مہد علم اور آغوش دین میں پرورش

---

❶ اخبار الاخیار، ص ۹۳، ۹۴۔ خزینۃ الاصفیا، ج ۱ ص ۴۰۱، ۴۰۲۔ ابجد العلوم ص ۸۹۴۔ انوار العارفین، ص ۴۵۸، ۴۵۹۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۷۵، ۷۶۔ تاریخ الاولیاء، ج ۲ ص ۲۲۶، ۲۲۷۔ سبحۃ المرجان، ص ۴۲۔ مآثر الکرام، ص ۱۷۴۔ عین الولایت سراج الہدایت، ص ۴۵، ۵۲۔ حدائق الحنفیہ، ص ۳۳۶۔ سیر العلماء، ص ۱۵۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۷۸، ۷۹۔

❷ تذکرہ علمائے ہند، ص ۷۵۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۷۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پائی۔ والد مکرم شیخ محمد متوکل اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے استفاضہ کیا اور اپنے دور کے مشہور مشائخ میں سے گردانے گئے۔ عابد و زاہد اور قناعت پسند تھے۔ ضروریات کا دامن بہت محدود اور مختصر کر لیا تھا۔

ایک روایت کے مطابق انھیں شیخ اشرف جہاں گیر بن ابراہیم سمنانی سے بھی شرف اجازہ حاصل تھا۔

اس عالم دین نے اپنے والد گرامی شیخ محمد متوکل کی زندگی ہی میں ۸۰۶ھ (۱۴۰۴ء) کو انتقال کیا[1]۔

۴۳۔ شیخ سلام اللہ مندوی

شیخ سلام اللہ مندوی عالم کبیر اور شیخ وقت تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے جلیل القدر علما میں سے تھے۔ حاکم مالوہ محمود شاہ خلجی کے عہد کے عالم دین تھے اور یہ حکمران ان کے علم و فضل کی ہمہ گیری سے حد درجہ متاثر تھا۔ اور ان کی انتہائی تکریم کرتا تھا اس نے ان کو سید العلماء کا خطاب دیا تھا[2]۔

ان کا شمار غالباً نویں صدی ہجری کے برصغیر پاک و ہند کے ان فقہا اور اصولیین میں ہوتا ہے جو کتب فقہ اور مسائل فقہ پر عبور رکھنے کے باوجود اس اہم موضوع سے متعلق کسی کتاب کے مصنف نہیں تھے یا تھے بھی تو ہمیں ان کی کسی تصنیف کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہوئیں۔

۴۴۔ قاضی سناء الدین غزنوی

قاضی سناء الدین کا سلسلۂ نسب یہ ہے: سناء الدین بن نظام الدین بن صدر الدین حسین زینبی غزنوی ثم مچھلی شہری۔ عالم و فقیہ اور شیخ وقت تھے۔ غزنی میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ اپنے والد شیخ نظام الدین کے ساتھ ۸۱۷ھ (۱۴۱۴ء) میں وارد ہند ہوئے اور مچھلی شہر میں سکونت اختیار کی۔ قاضی نظام الدین کو ان کے علم و فضل کی وجہ سے مچھلی شہر کا قاضی مقرر کیا گیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد وہاں کی مسند قضا ان کے بیٹے قاضی سناء الدین کے سپرد کی گئی، جن کا شمار اس دور میں فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے جید علما میں ہوتا تھا[3]۔

قاضی سناء الدین غزنوی کا اسم گرامی بھی برصغیر پاک و ہند کے ان فقہائے کرام میں شامل ہے جن کی کسی تصنیف کا سراغ نہیں مل سکا۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ وہ فقہ اور اس کے متعلقات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تذکرہ نگار انھیں فقیہ اور اصولی قرار دیتے ہیں۔

---

[1] نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۸۰ بحوالہ البحر الزخار و خزینۃ الاصفیا۔

[2] نزہۃ الخواطر، ج ۳ ص ۸۱ بحوالہ تاریخ فرشتہ

[3] نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۸۲

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ــــ ش ــــ

۴۵۔ شیخ شمس الدین اونوی

شیخ شمس الدین اونوی گجراتی' نیک طینت اور خوش خصال فقیہ تھے۔ ان کا شمار ان بلند بخت فقہائے ہند میں ہوتا ہے جو فضل وصلاح میں ممتاز درجے پر فائز تھے۔ ایک گاؤں ''اونہ'' کے رہنے والے تھے جو سرزمین گجرات میں' اعمال سورت میں واقع تھا۔ ان کی تاریخ ولادت کا علم نہیں ہوسکا' البتہ تذکروں میں تاریخ وفات مرقوم ہے' جو یکم شعبان ۸۰۴ھ ہے❶۔

شیخ شمس الدین اونوی گجراتی کا شمار برصغیر پاک وہند کے ان فقہائے کرام میں ہوتا ہے' جو اگرچہ علم وفضل اور فقہ اصول اعتبار سے بلند مرتبے کے حامل تھے' مگر انھوں نے اس موضوع کے بارے میں کوئی کتاب اپنی یادگار نہیں چھوڑی۔

۴۶۔ شیخ شہاب الدین اودھی

شیخ شہاب الدین اودھی عالم وفقیہ تھے اور قاضی قدوۃ الدین اسرائیلی اودھی کی اولاد سے تھے۔ ذکاوت فکر اور حدت ذہن کا یہ حال تھا کہ لوگ انھیں ''پرکالہ آتش'' کہتے تھے۔ انھوں نے شیخ بدیع الدین سے علم طریقت حاصل کیا اور پھر یہ کیفیت طاری ہوئی کہ منصب قضا چھوڑ دیا اور کتابیں دریائے گنگا میں غرق کردیں۔ ان کی قبر سرزمین اودھ کے ایک قریہ ''بڑا گاؤں'' میں ہے❷۔

نویں صدی ہجری کے برصغیر پاک وہند کے اس عالم دین اور ماہر فقہ کے حالات کا' اس سے زیادہ علم نہیں ہوسکا۔

معلوم نہیں یہ کیا تصوف ہے کہ پڑھنا لکھنا چھوڑ دو اور کتابیں ضائع کردو۔

ــــ ص ــــ

۴۷۔ مولانا صدر جہاں گجراتی

مولانا صدر جہاں گجراتی اپنے وقت کے شیخ اور فاضل تھے۔ ان کا شمار اس دور کے جید علمائے فقہ' مشہور

❶ نزہۃ الخواطر' ج ۳ ص ۸۴۔ بحوالہ مرأت احمدی

❷ نزہۃ الخواطر' ج ۳ ص ۸۷

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماہرین اصول اور معروف اصحاب کلام میں ہوتا ہے۔ درس وتدریس اور افادۂ عوام ان کا اصل مشغلہ تھا۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا جن میں شیخ احمد بن برہان بن ابومحمد غوری خاص طور سے قابل ذکر ہیں ❶۔

ان کے معاصرین میں شیخ محمد بن عبداللہ حسینی بخاری کا اسم گرامی لائق تذکرہ ہے ❷۔ بعض مسائل میں شیخ احمد بن برہان غوری، شیخ محمد بن عبداللہ پر سخت تنقید کرتے تھے۔ بعد میں ان سے ملاقات ہوئی اور چند مسائل کلامیہ میں باہمی گفتگو کا موقع ملا تو ان کے فضل وکمال سے متاثر ہوئے اور اس کا اعتراف کیا ❸۔

۴۸۔ شیخ صفی الدین ردولوی

شیخ صفی الدین بن نصیر الدین بن نظام الدین ردولوی، نویں صدی ہجری کے دیار ہند کے عظیم المرتبت عالم اور فاضل کبیر تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ ان کے جد امجد شیخ نظام الدین اصلاً غزنی کے باشندے تھے جو ہلاکو خاں کے زمانے میں بعہد سلطان علاء الدین خلجی ہندوستان تشریف لائے اور دہلی میں اقامت گزیں ہوئے۔ ان دنوں قاضی شہاب الدین دولت آبادی بھی دہلی میں قیام پذیر تھے اور ان کا آبائی وطن بھی غزنی تھا اور یہ سب لوگ قاضی عبدالمقتدر شریکی کندی کے حلقہ تلامذہ میں شامل تھے۔ بعد ازاں دہلی پر مغل حکمران تیمور لنگ کے حملے کا خطرہ پیدا ہوا تو قاضی شہاب الدین اور شیخ نظام الدین دہلی کی سکونت ترک کر کے جون پور چلے گئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جون پور کے تخت حکومت پر سلطان ابراہیم شرقی متمکن تھا اور یہ بادشاہ، رحم دل اور علم وعلما کا قدر دان تھا۔ اس بادشاہ نے ان علما کی بڑی پذیرائی کی اور ان کے اکرام واحترام

❶ شیخ احمد بن برہان بن ابومحمد بن ابراہیم بن محمد غوری گجراتی، شاہان غوریہ کی نسل سے تھے۔ گجرات میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ شیخ صدر جہاں گجراتی سے علم حاصل کیا اور شیخ محمد بن عبداللہ حسینی بخاری سے طریقت وتصوف کا درس لیا۔ ایک عرصے تک ان سے فیض یاب ہوتے رہے، یہاں تک کہ مرتبہ کمال کو پہنچے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے ظاہری اور باطنی فیوض حاصل کیے۔ اپنے شیخ (محمد بن عبداللہ حسینی بخاری) کی وفات کے بعد چونسٹھ سال کی عمر پا کر ۲۲ ربیع الاول ۸۸۲ھ (۴/ جولائی ۱۴۷۷ء) کو فوت ہوئے اور احمد آباد کے قریب تاج پور میں دفن کیے گئے۔ بعض لوگوں نے ان کی تاریخ وفات ''آخر الاولیا'' نکالی ہے۔ (نزہۃ الخواطر، ج ۳ ص ۵ نیز ملاحظہ ہو: مرآت احمدی۔

❷ شیخ محمد بن عبداللہ بن محمود بن حسین حسینی بخاری، کو سراج الدین ابوالبرکات گجراتی بھی کہتے ہیں۔ یہ شاہ عالم کے نام سے مشہور تھے۔ ۱۷ ذی القعدہ ۸۱۷ھ (۲۸ جنوری ۱۴۱۵ء) کو گجرات میں پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے اور شیخ سراج الدین علی گجراتی اور دیگر علما سے تعلیم حاصل کی۔ اپنے والد شیخ احمد بن عبداللہ مغربی سے طریقت کا درس لیا۔ بڑے بارعب اور صاحب عزوجاہ بزرگ تھے۔ ملوک وامرا ان کے سامنے گردن جھکا کر ادب کے ساتھ دوزانو ہو کر بیٹھتے تھے۔ ۲۰ جمادی الاخریٰ ۸۸۰ھ کو ترسٹھ سال کی عمر پا کر انتقال کیا۔ (نزہۃ الخواطر، ج ۳ ص ۱۳۸، ۱۳۹۔ بحوالہ مرآت احمدی)

❸ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۸۹، بحوالہ مرآت احمدی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ شیخ نظام الدین علم وفضل سے بھی بہرہ ور تھے اور نیکی و صالحیت کے زیور سے بھی آراستہ تھے۔ ان کے بیٹے شیخ نصیر الدین بھی علم اور تقوے کی دولت سے مالا مال تھے۔ اس سے اثر پذیر ہو کر قاضی شہاب الدین نے اپنی ایک بیٹی شیخ نصیر الدین کے عقد میں دے دی۔ ان کی اس بیٹی سے شیخ نصیر الدین کے گھر تین بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام صفی الدین، فخر الدین اور رضی الدین تھے۔ ان تینوں کی تربیت ان کے نانا قاضی شہاب الدین کے ہاں ہوئی اور ان ہی سے انھوں نے اخذ علم کیا۔ ان تینوں بھائیوں میں سے شیخ صفی الدین اپنے دور میں ارض ہند کے بلند پایہ عالم تھے اور علم وحکمت میں کوئی ان کا حریف نہ تھا۔ بحر طریقت کے بھی شناور تھے اور اس سلسلے میں شیخ اشرف جہاں گیر بن ابراہیم سمنانی سے تعلق ارادت رکھتے تھے، جنھوں نے اپنے اس مرید کے علم وتحقیق کی وسعت پذیری سے متاثر ہو کر کہا تھا کہ میں نے بلاد ہند میں صفی الدین سے بڑھ کر علوم وفنون کے مختلف گوشوں میں مہارت وعبور رکھنے والا اور کوئی شخص نہیں دیکھا۔ اس ضمن میں سید عبد الحی حسنی لکھنوی نے لطائف اشرفیہ کے حوالے سے نزہۃ الخواطر میں ان کے یہ الفاظ درج کیے ہیں:

مارایت فی بلاد الهند من تجلی بغرائب الفنون وعجائب الشئون غیر الصفی ❶۔

میں نے بلاد ہند میں صفی الدین کے علاوہ ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو علوم وفنون کے عجائب وغرائب سے آراستہ ہو۔

شیخ ممدوح علوم متداولہ کے ماہر تھے اور کتب عربیہ وفارسیہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کے متون کے علاوہ شروح پر بھی ان کی عمیق نگاہ تھی۔ بہت بڑے مصنف اور فنون کی مختلف کتابوں کے شارح تھے۔ چنانچہ درج ذیل کتابیں ان کے رشحات قلم کا نتیجہ ہیں۔

۱۔ دستور المبتدی: یہ علم صرف کی مشہور کتاب ہے جو باقاعدہ درس نظامیہ میں شامل اور دینی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس میں علم صرف کے مسائل اور مختلف قواعد بہترین اور آسان پیرائے میں بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب انھوں نے اپنے بیٹے شیخ ابوالمکارم اسماعیل کے لیے تصنیف کی۔

۲۔ حل الترکیب کافیہ: یہ علم نحو سے متعلق علامہ ابن حاجب کی معروف کتاب ''کافیہ'' کے بعض پیچیدہ اور مشکل مسائل کی شرح ہے۔

۳۔ غایۃ التحقیق: یہ کتاب کافیہ کی مفصل اور مبسوط شرح ہے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس کی تعریف کی ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

وهو شرح ممزوج، اوله الحمد لله الذی انعم علینا بنعمه العظام..... الخ۔ وهو من تلامذة الهندی ذکره فیه ومدح حاشیته

❶ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۹۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقال ان شروح الكافية ليست بوافية الاحواشي استاذنا شهاب الدين احمد بن عمر الدولت ابادی وكثير من الناس اكتفوا بما فهموه من ظاهرها فانه حقق فيها وسماها غاية التحقيق۔ ❶

یعنی کافیہ کی یہ شرح مختلف مسائل نحو کا امتزاج ہے۔ اس کا آغاز الحمدلله الذی انعم بنعمده العظام ..... الخ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ شیخ صفی الدین ردولوی، شیخ شہاب الدین (دولت آبادی) ہندی کے تلامذہ میں سے تھے۔ اس نسبت تلمذ کا انھوں نے ذکر بھی کیا ہے اور حاشیہ کتاب میں ان کی تعریف بھی کی ہے اور لکھا ہے کہ کافیہ کی تمام شرحیں ملا کر کافی ثابت نہیں ہوسکتیں۔ کافیہ کو سمجھنے کے لیے صرف ہمارے استاذ شیخ شہاب الدین احمد بن عمر دولت آبادی کی شرح ہی کفایت کرتی ہے۔ غایۃ التحقیق میں جو کچھ لکھا گیا ہے اہل علم کی اکثریت نے اسے کافی سمجھا ہے۔ اس میں مصنف نے بہت تحقیق سے کام لیا ہے، اس لیے اس کا نام غایۃ التحقیق رکھا ہے۔

شیخ صفی الدین ایک مدت تک درس وتدریس میں مشغول رہے اور بے شمار حضرات نے ان سے کسب علم کیا۔

اس ممتاز عالم ومصنف اور فقیہ نے ۱۳ ذی القعدہ ۸۱۹ھ (۲ جنوری ۱۴۱۷ء) کو وفات پائی ❷۔

۴۹۔ شیخ صلاح الدین گجراتی

شیخ صلاح الدین بن طالب گجراتی، فقیہ اور شیخ صالح تھے۔ پہلے ان کے والد مذہباً ہندو تھے اور بت پرستی کرتے تھے، ان کا نام ٹوکا جیوتھا۔ وہ شیخ احمد بن عبداللہ مغربی کے ہاتھ پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی بھی مسلمان ہوگئیں۔ اس وقت وہ حاملہ تھیں۔ ان کے لڑکا پیدا ہوا تو اس کی اطلاع شیخ احمد بن عبداللہ مغربی کو دی اور ان سے درخواست کی کہ وہ خود ہی بچے کا نام رکھیں۔ چنانچہ شیخ نے ان کا نام صلاح الدین رکھا، جو آگے چل کر جید عالم اور فقیہ ہوئے۔ والدین نے بچے کی بہتر طریق سے تربیت کی اور اس کو حصول علم کے لیے وقف کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ برصغیر کے بہت بڑے عالم اور فقیہ ہوئے اور علم ومعرفت میں مرتبہ کمال کو پہنچے۔

انھوں نے ۱۳ ربیع الاول ۸۹۵ھ (۴ فروری ۱۴۹۰ء) کو وفات پائی ❸۔

---

❶ کشف الظنون، ج ۲، ص ۱۳۷۵۔

❷ تذکرہ علمائے ہند، ص ۹۶۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۸۹، ۹۰ بحوالہ انوار الصفی۔

❸ نزہۃ الخواطر، ج ۳ ص ۹۰، ۹۱۔ بحوالہ مرآت احمدی وتاریخ الاولیا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ض

۵۰۔ شیخ ضیاء الدین رفاعی

شیخ الدین رفاعی دیگلوری علم وفقاہت میں ممتاز درجے پر فائز تھے اور مشاہیر اصحاب فضل وصلاح میں سے تھے۔ ہندوستان آئے تو شیخ سعید الدین بن نجم الدین حسینی رفاعی کے پوتے شیخ جمن سے اخذ فیض کیا۔ شیخ ضیاء الدین نے دیگلور کے مقام پر سکونت اختیار کی جو اقلیم دکن کے علاقہ ناندیڑ میں ایک گاؤں ہے۔

انھوں نے ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) میں انتقال کیا[1]۔

ان کی کسی فقہی تصنیف کا تو علم نہیں ہوسکا' البتہ تذکرہ نگاروں نے انھیں عالم وفقیہ قرار دیا ہے۔

ع

۵۱۔ شیخ عبدالرحمٰن ہندی

شیخ عبدالرحمٰن بن احمد بن عبدالملک قریشی ہندی' اپنے زمانے کے شیخ اور جلیل القدر عالم تھے۔ دیار ہند سے ترک وطن کر کے مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ ان کا لقب وجیہ الدین اور باپ کا لقب عمدۃ الدین تھا۔ بڑے باخبر' متدین اور متین بزرگ تھے۔ فقہ حنفی کے مشہور عالم تھے۔ ۷۷۵ھ (۱۳۷۴ء) میں یا اس سے کچھ عرصہ پہلے یا بعد مکہ مکرمہ گئے اور وہیں مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی۔ وہیں شادی کی اور اللہ نے اولاد بھی عطا کی۔ جمعرات کے روز ۱۳ ربیع الاول ۸۲۷ھ (۱۴ فروری ۱۴۲۴ء) کو وفات پائی اور قبرستان معلیٰ میں دفن کیے گئے[2]۔

۵۲۔ شیخ عبدالرزاق کچھوچھوی

شیخ عبدالرزاق کا سلسلہ نسب بارھویں پشت میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے جو یہ ہے: عبدالرزاق بن عبدالغفور بن احمد بن محمد بن موسیٰ بن علی بن محمد بن حسین بن احمد بن محمد بن صالح بن عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر جیلانی۔

شیخ عبدالرزاق شیخ اشرف جہاں گیر بن ابراہیم سمنانی کی خالہ کی بیٹی کے لڑکے تھے۔ خراسان میں پیدا

---

[1] نزہۃ الخواطر' ج ۳ ص ۹۱۔ بحوالہ مہر جہاں تاب۔

[2] نزہۃ الخواطر' ج ۳ ص ۹۱ بحوالہ طرب الامائل۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ بارہ سال کی عمر کو پہنچے تو شیخ سید اشرف سمنانی کی صحبت اختیار کر لی اور وہ انھیں ہندوستان لے آئے۔ پھر ان ہی کے ہاں تربیت پائی اور علم و معرفت کی بلندیوں پر فائز ہوئے۔ اپنے دور کے صالح اور نامور فقیہ تھے۔ سید اشرف جہانگیر کی وفات کے بعد چالیس برس تک ان کی مسند پر زینت افروز رہے۔ ۷ ذی القعدہ ۸۴۸ھ (۱۵ فروری ۱۴۴۵ء) کو کچھوچھہ کے مقام پر داعی اجل کو لبیک کہا اور وہیں دفن کیے گئے ❶۔

۵۳۔ مولانا عبدالغنی مندوی

مولانا عبدالغنی مندوی ایک فاضل بزرگ اور جید عالم دین تھے۔ فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ سلطان احمد شاہ بہمنی کے عہد میں علاقہ برار کے عہدۂ صدارت پر متمکن تھے۔ ملوک و امرا کے نزدیک بڑی قدر و منزلت کے حامل تھے۔ حق گو دیانت دار اور بلند کردار تھے ❷۔

نویں صدی ہجری کے برصغیر کے اس نامور فقیہ کی نہ تو تاریخ وفات کا علم ہو سکا ہے اور نہ ان کی کسی تصنیف کا پتا چلا ہے۔ ان کا شمار نویں صدی ہجری کے فقہائے کرام کی اس جماعت میں ہوتا ہے جو اگرچہ کسی فقہی کتاب کے مصنف نہ تھے مگر مسائل فقہ پر عبور رکھتے تھے۔

۵۴۔ شیخ عبداللطیف ملتانی پٹنی

شیخ عبداللطیف بن جمال الدین بن سراج الدین بن صدرالدین عمری ملتانی ثم پٹنی گجراتی، شیخ وقت، عابد و زاہد اور عالم و فقیہ تھے۔ طریقت و سلوک سے گہری وابستگی رکھتے تھے اور اس ضمن میں شیخ برہان الدین عبداللہ بن محمود حسینی بخاری سے فیض یافتہ تھے۔ فقر و توکل ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ مستغنی المزاج تھے اور علائق دینوی سے منقطع ہو کر زہد و عبادت میں مشغول ہو گئے تھے۔

سید عبدالحی لکھنوی نزہۃ الخواطر میں مرأت احمدی کے حوالے سے رقم طراز ہیں۔

وله تسعة كتب من مصنفات لم اقف على اسمائها ❸۔

انھوں نے نو کتابیں تصنیف کہیں لیکن مجھے ان کے ناموں کا علم نہیں ہو سکا۔

نویں صدی ہجری کے اس جلیل القدر ہندی فقیہ کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ وہ ۴/ رمضان المبارک کو فوت ہوئے مگر یہ پتا نہیں چل سکا کس سنہ میں راہی جنت فردوس ہوئے ❹۔

---

❶ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۹۲ بحوالہ کوائف الاشرفیہ

❷ تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۵۰۱ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۹۳

❸ نزہۃ الخواطر، ج ۳ ص ۹۴۔ بحوالہ مرأت احمدی۔

❹ ایضاً

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۵۔ شیخ عبداللطیف گجراتی

شیخ عبداللطیف بن محمود قریشی گجراتی' داور الملک کے خطاب سے مشہور تھے۔ سلطان محمود بن محمد گجراتی کے امرا میں سے تھے۔ صالح فقیہ' شیخ وقت اور عالم دین تھے۔ تصوف سے بھی لگاؤ تھا اور شیخ محمد بن عبداللہ حسینی بخاری سے شرف ارادت حاصل تھا۔ کافی عرصہ ان سے انسلاک رہا اور فیض یاب ہوئے۔ پھر ایک دور آیا کہ سلوک وتصوف کے سوا تمام امور سے قطع تعلق کر لیا۔

اس صوفی اور زاہد فقیہ کے متعدد کشوف وکرامات اور عجیب وغریب واقعات تذکروں میں مرقوم ہیں۔ انھیں ۱۳ ذی القعدہ ۸۸۹ھ (۲ دسمبر ۱۴۸۴ء) کو شہید کیا گیا۔ بعض حضرات نے لفظ ''ذی قعدۃ'' سے تاریخ وفات نکالی ہے ❶۔

ان کی کسی تصنیف کا پتا نہیں چل سکا۔

۵۶۔ شیخ عبداللہ بن محمود حسینی بخاری

شیخ عبداللہ کا سلسلہ نسب یہ ہے: عبداللہ بن محمود بن حسین بن احمد بن حسین حسینی بخاری۔ شیخ برہان الدین کے لقب سے ملقب تھے اور کنیت ابومحمد تھی۔ لوگوں میں شیخ برہان الدین ابومحمد اوچی گجراتی کے نام سے معروف تھے اور ارض برصغیر کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ اپنے جد امجد شیخ جلال الدین حسین جہانیاں جہاں گشت کی وفات سے چار سال بعد ۱۴ رجب ۷۹۰ھ (۱۹ جولائی ۱۳۸۸ء) کو اوچ میں پیدا ہوئے۔ ابھی کاروان حیات نے دس منزلیں طے کی تھیں کہ والد شیخ محمود وفات پا گئے۔ والد کی وفات کے دو سال بعد ۸۰۲ھ (۱۴۰۰ء) میں بارہ سال کی عمر کو پہنچے تو والدہ مکرمہ اپنے اس بیٹے کو پٹن کے مقام پر لے گئیں جو علاقہ گجرات میں واقع تھا اور جس کو اس زمانے میں علم وفضل اور زہد وعبادت کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ وہاں مولانا علی شیر گجراتی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور ان سے اخذ علم کیا۔ سلطان احمد شاہ گجراتی نے شہر احمد آباد تعمیر کیا تو پٹن سے احمد آباد منتقل ہو گئے اور کئی دن دریائے سابرتی کے کنارے مقیم رہے۔ بعد ازاں وہاں سے بٹوہ نام کے ایک گاؤں میں چلے گئے اور پھر تمام عمر وہیں سکونت اختیار کیے رکھی۔

شیخ عبداللہ بن محمود پرہیزگار عالم اور فقیہ تھے اور ساتھ ہی بارعب' بلند مرتبت اور صاحب عزوشان شیخ تھے۔ تصوف وطریقت سے وابستگی رکھتے تھے۔

اس نامور فقیہ اور معروف شیخ نے اڑسٹھ سال کچھ مہینے عمر پا کر ۸ ذی الحجہ ۸۵۷ھ (۹ دسمبر ۱۴۵۳ء) کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کا سفر اختیار کیا ❷۔

---

❶ نزہۃ الخواطر' ج ۳ ص ۹۴ بحوالہ مراۃ سکندری۔

❷ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۹۶ تا ۹۸ بحوالہ مرآت احمدی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۷۔ شیخ عبداللہ ملتانی

شیخ عبداللہ ملتانی بن یوسف قریشی ملتانی اپنے دور کے معروف رجال فضل وصلاح میں سے تھے۔ شیخ صالح اور مشہور فقیہ تھے۔ سلطان بہلول لودھی کے عہد میں دہلی آئے۔ ان کی صالحیت ومشیخت اور علم وفقاہت سے متاثر ہو کر سلطان بہلول لودھی نے اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دے دی تھی۔ اس سے ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام رکن الدین رکھا۔ رکن الدین دہلی میں شیخ الاسلام کے منصب بلند پر فائز ہوئے۔ پھر رکن الدین کے بیٹے ابوالفتح ہوئے جو زہد وعبادت اور علم وفضل کے اعتبار سے اپنے دور میں مرجع خلائق تھے۔

شیخ عبداللہ ملتانی نے ۲۲ صفر ۹۰۰ھ (۲۲ نومبر ۱۴۹۴ء) کو وفات پائی [1]۔

برصغیر کے اس فقیہ کی کسی تصنیف کا پتا نہیں چل سکا۔

۵۸۔ مولانا عبدالملک جون پوری

مولانا عبدالملک العادل بن عمادالملک عمرادہمی جون پوری' جون پور میں پیدا ہوئے اور صغرسنی ہی میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے حلقہ درس میں داخل ہو گئے اور حصول علم کو اپنا مطمح نظر ٹھہرالیا۔ بہت عرصہ ان سے منسلک رہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے اور پھر درس وتدریس کو اپنا مشغلہ قرار دے لیا۔ مسند افتا کو زینت بخشی اور کئی کتابیں تصنیف کیں۔ بہت بڑے عالم اور فاضل بزرگ تھے۔ نحو اور علوم عربیہ میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ اکابر علمائے عصر میں شمار کیے جاتے تھے۔ اپنے استاذ وشیخ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے مدرسے میں مسند درس پر متمکن تھے اور اس دور میں کوئی دوسرا عالم تدریس کے سلسلے میں ان کے مثل نہ تھا۔

ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ متعدد علمی شخصیتوں نے ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کرنے کا شرف حاصل کیا' جن میں ہدایہ اور بزدوی کے شارح شیخ الہداد (اللہ داد) خاص طور سے لائق تذکرہ ہیں۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی شرح کافیہ پر (جو شرح ہندی کے نام سے معروف ہے) مولانا عبدالملک جون پوری نے حواشی تحریر کیے۔

اس جلیل القدر عالم دین نے بعہد سکندر لودھی ۱۲ ربیع الاول ۸۹۷ھ (۱۳ جنوری ۱۴۹۲ء) کو جون پور میں وفات پائی اور اپنے خاندانی قبرستان مبارک محلہ کٹ گھرہ میں دفن ہوئے [2]۔

---

[1] نزہۃ الخواطر' ج ۳ ص ۹۸ بحوالہ بحر زخار

[2] نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۹۸' ۹۹۔ بحوالہ تجلی نور۔ تاریخ شیراز ہند جون پور' ص ۶۲۸' ۶۲۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۹۔ شیخ عثمان حسینی گجراتی

شیخ عثمان حسینی گجراتی' خطۂ گجرات کے مشہور مشائخ میں سے تھے اور اپنے عصر کے نامور فقیہ اور مرد صالح تھے۔ طریقت وتصوف کے بھی دلدادہ تھے اور اس ضمن میں شیخ برہان الدین عبداللہ بن محمود حسینی بخاری سے استفاضہ کیا تھا اور کئی سال ان سے منسلک رہے تھے' جس کے نتیجے میں مرتبہ کمال کو پہنچے اور مرجع خلائق قرار پائے۔ ان کی نیکی اور خلوص کی بنا پر پران کے شیخ نے ان کو شمع برہانی کا لقب دیا اور اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا۔

احمد آباد کے قریب ایک گاؤں عثمان پور کے نام سے موسوم تھا جو ان ہی کی طرف منسوب تھا۔ یہ گاؤں دریائے سابرمتی کے کنارے واقع تھا۔ وہاں ایک دینی مدرسہ بھی تھا' جس میں طلبا دینیات کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ عثمان پور کا گاؤں شیخ عثمان ہی نے آباد کیا تھا اور یہ اسی میں سکونت پذیر تھے۔ ان کی قبر اسی گاؤں میں ہے۔

منقول ہے کہ حاکم گجرات سلطان محمود بن محمد ان سے بے حد عقیدت اور بدرجہ غایت حسن ظن رکھتا تھا۔ اکثر ان سے قرآن وحدیث اور سلوک وتصوف کا درس لیتا۔ اس کا معمول تھا کہ عام طور پر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان کے لیے بہت احترام کا اظہار کرتا۔ صرف سلطان محمود بن محمد ہی نہیں' اس سے پہلے حکمران اور اس کے خاندان کے تمام افراد' ارکان دولت اور اس کے اہل کار اور عمال حکومت ان کی خدمت میں حاضر ہوتے' ان سے پیش آمدہ مسائل دریافت کرتے اور مختلف اوقات میں پڑھنے کے لیے وظائف پوچھتے اور ان کی مجلس میں دوزانو ہو کر بیٹھتے تھے۔

سلطان محمود کے ذاتی کتب خانے کی اکثر کتابیں شیخ کے پاس ان کے مدرسے میں رہتیں اور شیخ ان کا مطالعہ فرماتے اور طلبا کو ان کے مطالعہ کی تلقین کرتے۔

شیخ عثمان گجراتی نے ماہ جمادی الاولیٰ ۸۶۳ھ (مارچ ۱۴۵۹ء) میں وفات پائی [1]۔

شیخ عثمان اپنے مدرسے میں فرائض تدریس بھی انجام دیتے تھے اور لوگوں کی روحانی اور علمی تربیت کا بھی ان کے ہاں پورا اہتمام تھا۔

۶۰۔ شیخ عزیز اللہ مندوی

شیخ عزیز اللہ بن یحییٰ بن لطف اللہ عمری مندوی' شہاب فرخ شاہ عمری کابلی کی اولاد سے تھے۔ سال ولادت ۷۶۷ھ (۱۳۶۶ء) ہے۔ شیخ کامل' عالم اجل اور فقیہ عصر تھے۔ عفت وطہارت کی گود میں پیدا ہوئے اور بلند مرتبت حضرات کی آغوش تربیت میں تعلیم پائی۔ شیخ رکن الدین مودود گجراتی سے اخذ فیض کیا اور عرصہ دراز تک ان کی صحبت میں رہے۔ پھر احمد آباد اور بلاد دکن کا سفر کیا اور مندوہ میں اقامت گزین ہوئے۔

---

[1] ۔ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۹۹۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زاہد اور متوکل علی اللہ تھے۔ قناعت اور عفاف میں بے مثل تھے۔ بے نیازی کا یہ عالم کہ نہ کسی کی نذر قبول کرتے اور نہ کل کے لیے کوئی چیز بطور ذخیرہ گھر میں رہنے دیتے۔ ایک دن پتا چلا کہ بیوی نے روٹی کا ایک ٹکڑا گھر میں رکھ لیا ہے اور وہ اس کو دودھ میں ڈال کر بیٹی کو کھلانا چاہتی ہیں۔ اس سے شیخ نے دل میں شدید تکلیف محسوس کی اور حکم دیا کہ روٹی کے اس ٹکڑے کو گھر سے نکال دیا جائے اور کسی کو دے دیا جائے۔ ذخیرے کے طور پر بالکل نہ رکھا جائے۔ اس سے اللہ پر بھروسے میں کمی پیدا ہوتی ہے۔

شیخ عزیز اللہ مندوی کے پانچ بیٹے تھے، جن کے نام یہ تھے: رحمت اللہ، سعد اللہ، حسن سرمست، نصر اللہ اور شہد اللہ۔

شیخ موصوف پچاسی سال عمر پا کر ۲۳ صفر ۸۵۲ھ (۱۲۸ اپریل ۱۴۴۸ء) کو فوت ہوئے ❶۔

۶۱۔ مولانا علاء الدین جون پوری

مولانا علاء الدین عطاء الملک بن عماد الملک عمری جون پوری، اپنے عصر کے فاضل شخص تھے۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے شاگرد تھے اور کئی سال ان کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل کیا تھا۔

قاضی شہاب الدین نے ان کی ذہانت اور علمی قابلیت سے متاثر ہو کر ان کے لیے علم نحو کی معروف کتاب کافیہ ابن حاجب کی مفصل و بسیط شرح تصنیف کی اور پھر ان کو باقاعدہ درساً درساً یہ کتاب پڑھائی۔ مولانا علاء الدین کا شمار اپنے دور کے اساتذۂ فن میں ہوتا تھا۔ تمام مروجہ علوم کے ماہر تھے۔ تقریباً بیس برس کی عمر میں مسند افتا و تدریس پر فائز ہو گئے تھے۔ پھر اس قابلیت سے یہ خدمات انجام دیں کہ ان کا شمار اکابر علمائے عصر میں ہونے لگا۔

مولانا علاء الدین جون پوری مصنف اور بعض فنی کتابوں کے شارح اور محشی بھی تھے۔ اس سلسلے میں اپنے استاذ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی شرح کافیہ پر ان کا حاشیہ خاص طور سے علمی اور فنی اہمیت کا حامل ہے۔

نویں صدی ہجری کے دیار ہند کے اس عالم دین نے جون پور میں وفات پائی اور اپنے خاندانی قبرستان کٹ گڑھ میں دفن کیے گئے ❷۔

۶۲۔ شیخ علاء الدین گوالیاری

شیخ علاء الدین قریشی گوالیاری، فاضل اور متدین بزرگ تھے۔ مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ قاضی عبد المقتدر شریکی کندی کے تلمیذ تھے۔ بہت عرصہ شہر گوالیار کی مسند افتا پر فائز رہے اور عظمت و وجاہت کی اعلیٰ منازل کو پہنچے۔ پھر ایک وقت آیا کہ تمام علائق دنیوی سے دامن کشاں ہو کر تصوف و طریقت کی راہ پر گامزن ہو گئے اور شیخ محمد بن

❶ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۰۰۔ گلزار ابرار، ص ۵۵۔۵۹۔

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۰۲ بحوالہ تجلی نور۔ تاریخ شیراز ہند جون پور، ص ۶۲۹، ۶۳۰۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یوسف حسینی دہلوی سے وابستگی اختیار کر لی۔ کئی سال ان کی خدمت میں رہے اور اخذ فیض کیا۔ آخر شعبان ۸۰۱ھ میں شیخ نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیا لیکن سکونت گوالیار ہی میں اختیار کیے رکھی اور خاصی مدت وہاں مقیم رہے۔ پھر کالپی تشریف لے گئے۔ قیام مختلف اوقات میں گوالیار اور کالپی دونوں مقامات پر رہا' اس لیے بعض تذکرہ نگاروں نے وطن کے اعتبار سے انھیں گوالیار کی طرف منسوب کیا ہے اور بعض نے کالپی کی طرف۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلے گوالیار میں اقامت رکھتے تھے' بعد میں کالپی چلے گئے تھے اور اسی شہر کو مسکن قرار دے لیا تھا۔ انھوں سے ماہ محرم ۸۳۴ھ (اکتوبر ۱۴۳۰ء) میں وفات پائی ❶۔

۶۳۔ شیخ علی بن اسعد دہلوی

شیخ علی بن اسعد بن اشرف بن علی حسینی۔ انھیں علاء الدین ابوعبداللہ دہلوی کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ دلی میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے اور اپنے زمانے کے مشہور اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر شیخ جلال الدین حسینی بخاری (جہانیاں جہاں گشت) ۷۷۷ھ (۱۳۷۶ء) میں دہلی گئے تو ان کی صحبت و ملازمت سے سعادت اندوز ہوئے۔ بعد ازاں وہ ۷۸۱ھ (۱۳۷۹ء) میں دہلی گئے تو دوبارہ ان سے منسلک ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اور جب تک وہ دہلی میں قیام فرما رہے' یہ ان سے الگ نہیں ہوئے۔ ان سے متفق' مجمع البحرین' نصف حصہ قدوری' کچھ حصہ ہدایہ' حسامی' بزدوی عقیدہ نسفیہ' لامیہ' تفسیر مدارک التنزیل' عوارف المعارف' التعرف' رسالہ مکیہ' چند رسائل تصوف' مشارق الانوار' مصابیح السنہ اور بعض دیگر کتب و رسائل پڑھے اور کچھ اوراد و وظائف سیکھے اور ان سب کا باقاعدہ تحریری طور پر سند و اجازہ حاصل کیا۔

شیخ علاء الدین دہلوی مصنف بھی تھے۔ ان کی تصنیفات میں یہ کتابیں شامل ہیں۔

خلاصۃ الالفاظ۔

جامع العلوم۔ اور

دو جلدوں میں بزبان فارسی اپنے شیخ کے ملفوظات جمع کیے ❷۔

۶۴۔ شیخ علی بن احمد مہائمی

شیخ علاء الدین ابوالحسن علی بن احمد شافعی مہائمی کو کئی علامہ دوراں' فاضل اجل' امام کبیر اور شیخ وقت تھے۔ اونچے مرتبے کے شافی المسلک عالم دین تھے۔ جماعت نوائت سے تعلق رکھتے تھے جسے بعض لوگ نوائط (بالطاء) بھی کہتے ہیں۔ نوائت' ایک قوم کا ملکی نام ہے جو بلاد دکن اور بلاد گجرات (کاٹھیاواڑ) میں مقیم ہے۔ ایک روایت

❶ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۰۳۔ بحوالہ خورشید جاہی۔

❷ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۰۳' ۱۰۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مطابق نوائت قبیلہ قریش کا وہ گروہ ہے، جس کے آباد واجداد حجاج بن یوسف کے زمانے میں اس کے مظالم سے تنگ آ کر مدینہ منورہ کی سکونت ترک کر کے بحر ہند کے ساحلی علاقوں میں آ گئے تھے اور پھر وہیں مستقل طور سے اقامت گزین ہو گئے تھے۔

مہائم، عظائم کے وزن پر ہے۔ جو ناحیہ گجرات میں بحر ہند کے کنارے کوکن کی ایک بندرگاہ ہے۔ شیخ علی بن احمد وہیں کے باشندے تھے۔

علی بن احمد ۷۷۹ھ (۱۳۷۷ء) میں پیدا ہوئے اور مشہور اساتذۂ عصر سے تعلیم حاصل کی۔ بحر ہند کے ساحلی علاقوں میں شوافع کثیر تعداد میں آباد تھے اور اپنے مسلک وعقیدے میں راسخ اور مضبوط تھے۔ اب بھی ان علاقوں میں زیادہ تر شافعی المسلک لوگ فروکش ہیں۔ شیخ علی بن احمد بھی ان ہی حضرات میں سے تھے اور اپنے وقت کے جلیل القدر عالم اور عظیم المرتبت فقیہ تھے اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کی تصانیف یہ ہیں۔

۱۔ تبصیر الرحمٰن وتیسیر المعان فی تفسیر القرآن: اسے تفسیر رحمانی اور تفسیر مہائمی بھی کہتے ہیں۔ اس تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں آیات قرآنی کا باہم ربط ثابت کیا گیا ہے اور ربط آیات میں بعض بڑے مفید اور معلومات افزا مباحث آ گئے ہیں۔ کسی زمانے میں یہ تفسیر قاہرہ میں دو جلدوں میں بھوپال کے وزیر اعظم جمال الدین مرحوم کے خرچ پر شائع کی گئی تھی۔

۲۔ الزوارف فی شرح العوارف: یہ تصوف کی مشہور کتاب عوارف المعارف کی شرح ہے۔

۳۔ مشرح الخصوص فی شرح الفصوص: فصوص مصنفہ شیخ صدر الدین قونوی کی شرح ہے۔

۴۔ استجلاء البصر فی الرد علی استقصاء النظر: یہ ابن المطہر علی کی کتاب استقصاء النظر کے رد میں ہے۔

۵۔ النور الاظہر فی کشف سر القضاء والقدر۔

۶۔ الضوء الازہر فی شرح النور الاظہر: یہ کتاب نمبر ۵ کی شرح ہے۔

۷۔ اجلۃ التابید فی شرح ادلۃ التوحید۔

۸۔ انعام الملک العلام باحکام حکم الاحکام: یہ اسرار فقہ اور محاسن شریعت کے موضوع سے متعلق ہے۔

۹۔ کتاب لمعات العراقی کا ترجمہ اور اس کی شرح

۱۰۔ رسالہ جام جہان نما کا ترجمہ۔

۱۱۔ آراء الدقائق فی شرح مرأۃ الحقائق: یہ رسالہ جام جہان نما کی شرح ہے۔

۱۲۔ شرح الفصوص: یہ فصوص الحکم کی شرح ہے۔

۱۳۔ فقہ شافعی کے بارے میں ایک رسالہ۔

۱۴۔ وجوہ اعراب قرآن کے بیان میں ایک عجیب وغریب رسالہ۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد کتب ورسائل ان کی تصانیف میں شامل ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برصغیر کے اس عظیم شافعی المسلک فقیہ' جید عالم دین اور شہرہ آفاق مصنف نے ۵۹ سال کی عمر میں جمعہ کے روز ۲۸ جمادی الاخریٰ ۸۳۵ھ (۲ مارچ ۱۴۳۲ء) کو وفات پائی ❶۔

۶۵۔ شیخ علی بن احمد زمزمی

شیخ علی بن احمد کا سلسلہ نسب یہ ہے: علی بن احمد بن علی بن محمد بن داؤد بیضاوی۔ ان کا لقب نور الدین اور کنیت ابوالحسن ہے' اور انھیں نور الدین ابوالحسن مکی زمزمی کہا جاتا ہے۔ ان کی پیدائش تو ہندوستان میں ہوئی مگر بچپن ہی میں انھیں مکہ مکرمہ لے جایا گیا اور وہیں نشو ونما پائی۔ قرآن مجید حفظ کیا اور فقہ حنفی سے متعلق کتابیں پڑھیں۔ فرائض وحساب کا علم اپنے عم محترم بدر الدین حسین بن علی زمزمی سے حاصل کیا۔ اس علم میں دسترس رکھتے تھے اور فقہ میں عمدہ اسلوب کے حامل تھے۔

کاروباری سلسلے میں شیراز گئے۔ پھر کئی مرتبہ اسی ضمن میں یمن اور ہندوستان میں بھی ان کا آنا جانا رہا۔ ہندوستان کے دوران سفر میں بعض مرتبہ گلبرگہ کے قریب بھی پہنچے۔ ان کی موت دوران سفر ہی میں ہوئی۔ وہ اس طرح کہ عدن سے ہندوستان جا رہے تھے کہ سمندر میں غرق ہو گئے۔ یہ حادثہ رمضان المبارک ۸۲۴ھ (ستمبر ۱۴۲۱ء) میں پیش آیا ❷۔

۶۶۔ قاضی علم الدین شاطبی

قاضی علم الدین بن عین الدین بن نجم الدین صدیقی شاطبی گجراتی' قرأت' تجوید' فقہ اور علوم عربیہ کے جلیل القدر علما میں سے تھے۔ طریقت وسلوک سے بھی تعلق تھا اور اس سلسلے میں شیخ صدر الدین محمد حسینی بخاری سے فیض یافتہ تھے۔ عرصے تک ان سے وابستگی اختیار کیے رکھی۔ پھر سیر وسیاحت کو نکلے تو سرزمین ہند میں داخل ہوئے اور گجرات میں سکونت اختیار کی۔ گجرات میں درس وتدریس اور افادۂ عام ان کا اصل مشغلہ تھا۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا' جن میں خود ان کے بیٹے مودود بھی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ شیخ قاضی خاں نہروالی اور علما ومشائخ کی کثیر تعداد نے ان سے اخذ علم کیا۔

انھوں نے سوموار کے دن ۲۰ رمضان المبارک ۸۶۰ھ (۲۲ راگست ۱۴۵۶ء) کو اٹھاسی سال کی عمر میں وفات پائی ❸۔

---

❶ ابجد العلوم' ص ۸۹۳' ۸۹۴۔ حدائق الحنفیہ' ص ۳۱۷۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۱۴۷۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان' ص ۳۹ تا ۴۱۔ مآثر الکرام' ص ۱۷۲' ۱۷۳۔ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۰۵' ۱۰۶

❷ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۰۶' ۱۰۷۔ بحوالہ طرب الامائل۔

❸ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۰۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶۷۔ مولانا عمادالدین غوری

مولانا عمادالدین غوری' علاقہ نارنول کے اکابر مشائخ میں سے تھے۔ ان کے ایک بزرگ کا نام بھی شیخ عمادالدین غوری تھا' یہ ان ہی کی نسل سے تھے۔ ان کو سلطان محمد تغلق نے صرف اس لیے قتل کرادیا تھا کہ انھوں نے اس کے سامنے کلمہ حق بلند کیا تھا❶۔ ان کے آباواجداد دراصل عرب کے رہنے والے تھے۔ وہ عرب سے غور آئے اور وہاں سے ان کے ایک بزرگ سلطان شہاب الدین غوری کے ہمراہ عازم ہند ہوئے۔

مولانا عمادالدین غوری کی زندگی درحقیقت دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ جس میں عالم شباب کا کچھ دور بھی شامل ہے' کھیل کود اور پہلوانی کرنے میں گزرا۔ یہ اپنے دور کے بہت بڑے پہلوان تھے' مگر چوں کہ آباواجداد متقی اور پرہیزگار تھے' اس لیے لوگ انھیں اس حرکت پر ملامت کرتے اور روکتے تھے۔ ایک روز کشتی کے لیے اکھاڑے میں اترے تو دیکھا کہ مدمقابل ان سے بہت زیادہ زوردار اور قوی ہیکل پہلوان ہے' مگر انھوں نے اس کو پچھاڑ دیا۔ اب یہ فتح کے نشے میں چور تھے۔ نہایت فخر وغرور کے عالم میں گھر کو لوٹے۔ چال اور انداز کا یہ حال تھا کہ گویا اب ان کے رعب میں زمین پھٹ جائے گی یا یہ پہاڑوں کی بلندیوں کو چھونے لگیں گے۔ اسی چال میں جارہے تھے کہ راستے میں ایک صاحب علم ودل بزرگ ملے۔ انھوں نے ان کو سختی سے کچھ باتیں کہیں اور ان حرکتوں پر ملامت کی۔ اس بزرگ کی باتوں کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ بڑے نادم ہوئے اور اسی وقت سب امور سے کنارہ کش رہنے کا فیصلہ کرلیا اور لہوولعب کی زندگی ترک کردی۔ پورے بارہ سال دنیا اور اس کے معاملات سے علیحدگی اختیار کیے رکھی۔ اعمال صالحہ' تقویٰ وطہارت' ذکر الٰہی' تلاوت قرآن' فرائض اور سنن ونوافل کی ادائیگی کو زندگی کا معمول ٹھہرالیا۔ تمام وقت اسی کام میں صرف ہونے لگا۔ ایک حجرے میں معتکف ہوگئے۔ بلاضرورت اس سے باہر نہ نکلتے' زندگی کے معمولات کو اپنے اسلاف کے قالب میں ڈھال لیا۔ فقہ اور دیگر علوم میں مہارت پیدا کرلی اور درس وتدریس کو نصب العین حیات قرار دے لیا۔

شیخ احمد بن مجدالدین شیبانی کہتے ہیں کہ میں نے ان کو اپنے بچپن کے زمانے میں دیکھا اور ان سے ملا تو اتباع سنت نبوی ﷺ میں بہت آگے بڑھے ہوئے تھے۔ کسی چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں بھی راہ سنت سے

❶ مولانا عمادالدین غوری' سلطان محمد شاہ تغلق کے زمانے میں ایک راست گو اور حق شناس عالم دین تھے۔ محمد تغلق نے ایک روز غرور سلطنت میں ان سے کہا کہ جب فیض خدا منقطع نہیں ہوا ہے تو فیض نبوت کیوں کر منقطع ہوسکتا ہے؟ اگر کوئی دعویٰ نبوت کرے اور معجزہ بھی دکھادے تو اس کی تصدیق کرنی چاہیے یا نہیں؟ بادشاہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر مولانا عمادالدین غوری کی حمیت دین جوش میں آگئی اور اس سے مخاطب ہوکر کہا۔ گہہ مخور چہ می گوئی۔ (گندگی نہ کھاؤ۔ کیا کہہ رہے ہو) بادشاہ یہ الفاظ برداشت نہ کرسکا۔ حکم دیا کہ اس کو ذبح کردیا جائے اور اس کی زبان گدی سے کھینچ دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (تذکرہ علمائے ہند' ص ۱۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باہر قدم نہ رکھتے تھے۔ کوئی کام ہوتا' اس کو سب پہلے سنت نبوی کے پیمانے سے ناپتے۔ فقر وفقرا سے بہت محبت رکھتے اور نادار کی مدد فرماتے ❶۔

برصغیر کے اس نامور عالم اور جلیل القدر فقیہ کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا اور نہ ان کی تاریخ ولادت یا وفات کا پتا چل سکا ہے۔ صرف اس قدر معلوم ہوا ہے کہ یہ نویں صدی ہجری کے دیار ہند کے قابل فخر بزرگ تھے اور علم وفقاہت اور مشیخت کے اعتبار سے اونچے خاندان کے فرد تھے۔

۶۸۔ شیخ عین الدین بیجاپوری

شیخ عین الدین بن محمد بن عین الدین بیجاپوری' معروف عالم وفقیہ اور مشہور شیخ تھے۔ علم ومعرفت کے سلسلے میں شیخ اویس بن محمد بن سراج جنیدی کے شاگرد اور فیض یافتہ تھے۔ کئی سال ان کی خدمت میں رہ کر مرتبہ کمال کو پہنچے تھے۔ ان کی وفات ۸۳۵ھ (۱۴۳۲ء) میں ہوئی ❷۔

برصغیر کے اس نامور فقیہ کی کسی تصنیف کے بارے میں معلومات نہیں حاصل ہو سکیں۔ غالباً یہ ان فقہائے گرامی قدر میں سے تھے جنھیں تصنیف وتالیف سے زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ البتہ مسائل فقہیہ اور کتب فقہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔

ـــــ غ ـــــ

۶۹۔ شیخ غوث الدین گجراتی

شیخ غوث الدین قادری بغدادی ثم گجراتی' شیخ وقت اور عالم وفقیہ تھے۔ ان کا شمار اپنے زمانے کے مشہور مشائخ کرام میں ہوتا تھا۔ درحقیقت بغداد کے رہنے والے تھے۔ ہندوستان آئے تو سلطان محمود کبیر کے عہد میں احمد آباد میں سکونت پذیر ہو گئے۔ وہاں ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا' اس میں مدت تک درس دیتے اور طلبا کو علوم دینیہ کی تعلیم سے بہرہ مند کرتے رہے۔ پھر حرمین شریفین تشریف لے گئے اور حج وزیارت کی سعادت حاصل کی۔ وہاں سے پھر ہندوستان آ گئے۔

شیخ غوث الدین گجراتی کا اصل کام درس وتدریس اور تشنگان علوم کی علمی تشنگی دور کرنا تھا۔ ان سے شیخ یعقوب بن خوندمیر گجراتی شامل ہیں۔

اس نامور فقیہ اور عالم دین نے ۲۲ صفر ۸۹۵ھ (۱۵ جنوری ۱۴۹۰ء) کو داعی اجل کو لبیک کہا ❸۔

---

❶ اخبار الاخیار' ص ۲۰۰' ۲۰۱۔ تذکرہ علمائے ہند' ص ۱۵۰' ۱۵۱۔ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۰۸' ۱۰۹

❷ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۱۱۔ بحوالہ محبوب ذی المنن۔

❸ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۱۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ف

۷۰۔ شیخ فتح اللہ اودھی

شیخ فتح اللہ بن نظام الدین صوفی اودھی کا شمار فقہ واصول اور علوم عربیہ میں اپنے عصر کے جید علمائے کرام میں ہوتا تھا۔ سالہا سال دہلی کی جامع مسجد میں منار شمسی کے قریب' مسند درس و افادہ پر متمکن رہے۔ پھر علمی مباحث ومشاغل کو ترک کر کے شیخ صدر الدین احمد بن شہاب دہلوی کے حلقہ ارادت میں شریک ہو گئے اور ذکر ومراقبہ کو اصل مشغلہ قرار دے لیا۔ مدت تک اس میں مصروف رہے۔ بہت ریاضت کی مگر صوفیا کی اصطلاح میں کہنا چاہیے کہ ابواب کشف وشہود وا نہ ہوئے اور قلب کی دنیا پر مساعی سلوک کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ اس کا ذکر اپنے مرشد شیخ صدر الدین سے کیا تو انھوں نے ترک درس اور کتابوں سے کنارہ کش ہو جانے کا حکم دیا اور فرمایا' علوم ظاہری سے تعلق خاطر کی فراوانی علوم باطنی کی راہوں پر گام فرسا ہونے میں رکاوٹ ثابت ہو رہی ہے' اس رکاوٹ کو دور کرنا چاہیے۔ مرشد کے حکم کی تعمیل کی گئی مگر باب معرفت اب بھی پوری طرح نہ کھلا اور آنکھوں سے آنسو جاری نہ ہوئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بعض نفیس اور عمدہ کتابیں ہنوز باقی تھیں اور زیر مطالعہ رہتی تھیں۔ فرمان مرشد سے ان کتابوں کی رفاقت بھی ترک کر دی گئی تو فتوحات روحانی کے بند کواڑ کھلنے لگے۔ کہتے ہیں' ادھر انھوں نے کتابیں دریا کی لہروں کے سپرد کرنا شروع کیں اور وہ غرق ہونے لگیں اور ادھر آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش شروع ہو گئی اور پھر کامل دلجمعی اور فراغت قلب سے سلوک وطریقت کی منزلیں طے کرنے لگے۔ کیوں کہ اب لوح ضمیر نقش ماسوی اللہ سے پاک ہو چکا تھا اور اقلیم قلب نے علوم ظاہری کے تسلط سے نجات حاصل کر لی تھی۔

اس صاحب دل فقیہ سے بے شمار لوگوں نے اکتساب فیض کیا' جن میں صاحب آداب السالکین شیخ محمد بن قاسم اودھی اور شیخ محمد بن عیسیٰ جون پوری خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔

ان کے کچھ رسائل ومکاتیب بھی ہیں جو انھوں نے اپنے اصحاب عقیدت کے نام تحریر کیے تھے۔

فرمایا کرتے: خیر الاعمال ادو مھاوان قل۔

کہ بہتر اعمال وہ ہیں جو ہمیشہ کیے جائیں' اگر چہ کم ہوں۔

ان کا یہ شعر بہت مشہور ہے:

یک دوست پسند کن چو یک دل داری گر مذہب مردمانِ عاقل داری

انھوں نے ۲۷ ربیع الثانی ۸۲۱ھ (۳ جون ۱۴۱۸ء) کو وفات پائی[1]۔

ان کے بارے میں عربی اور فارسی کی کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے' درج کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ کیا تصوف اور کیا طریقت ہے جو علم ومطالعہ سے کنارہ کش ہو کر حاصل ہوتا ہے؟ اساتذہ تو تصوف پر علم کو ترجیح دیتے ہیں اور

[1] اخبار الاخیار' ص ۱۶۸۔ خزینۃ الاصفیا' ج ۲ ص ۳۸۰۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۵۹۔ نزہۃ الخواطر' ج ۳ ص ۱۱۲' ۱۱۳۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب تک علم حاصل نہ کرلیا جائے اس وقت تک کوچہ تصوف اور راہِ طریقت سے دور رہنے کی تلقین فرماتے ہیں لیکن یہاں تصوف کے لیے کتابوں سے قطع علائق کا فرمان جاری کیا جارہا ہے؟ تصوف وطریقت کی یہ قسم ہر صاحب علم اور ذی عقل کی سمجھ سے بالا ہے۔ یہ جہالت کی راہ تو ہوسکتی ہے اور ہے بھی صالحیت کی راہ ہرگز نہیں ہوسکتی۔

۷۱۔ امیر فضل اللہ شیرازی

علامہ فضل اللہ بن فیض اللہ حسینی شیرازی اپنے دور کے عظیم انسان تھے۔ علم وفضل میں منفرد حیثیت کے حامل تھے۔ نکات علمیہ اور مسائل دقیقہ کو سلجھانے میں ان کا اس ماحول میں کوئی ثانی نہ تھا۔ ذکاوت وفطانت میں بے مثال تھے۔ علامہ سعد الدین عمر بن مسعود تفتازانی کے شاگرد تھے۔ والیٔ دکن سلطان علاء الدین حسن بہمنی کے ایام حکومت میں ہندوستان آئے۔ سلطان سے ملاقات ہوئی تو وہ ان کی علمی قابلیت سے اس درجہ متاثر ہوا کہ انھیں اپنے بیٹوں محمد، محمود اور داؤد کا معلم مقرر کردیا۔ پھر سلطان محمود شاہ بہمنی کا دور حکومت آیا تو وہ ان کا شاگرد تھا۔ اس نے ان کو سید صدر الشریف سمرقندی کی جگہ گلبرگہ کے منصب صدارت پر فائز کردیا۔ اس عہدے پر وہ کئی سال متعین رہے۔ بعد ازاں ۸۰۰ھ (۱۳۹۸ء) میں فیروز شاہ بہمنی تخت نشین دکن ہوا تو اس نے ان کو وکیل سلطنت کا عہدہ جلیلہ عطا کیا اور تادم واپسیں اسی عہدے پر فائز رہے۔

یہ معروف معنوں میں فقیہ تو نہ تھے لیکن ہیئت، ہندسہ اور باقی علوم حکمیہ کے جلیل القدر عالم تھے۔ علاوہ ازیں بڑے مدبر، سیاست دان، عاقل وفہیم اور صاحب فراست تھے۔ پھر ان میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ بہادر و شجاع، جنگ جو اور ماہر حرب تھے۔ اصابتِ فکر، حلاوت منطق، عذوبت لسان اور رزانت عقل میں منفرد مقام رکھتے تھے۔ غرض بہت سے فضائل وکمالات کے مالک تھے۔ متعدد مہمات میں شرکت کی اور کامیاب رہے۔ سلطان کی معیت میں چوبیس مرتبہ کفار کے ساتھ جہاد کیا اور توکل علی اللہ، حسن تدبیر، عزم وحزم، مہارت حربی، بسالت وشجاعت اور نصرت الٰہی کی بنا پر بہت سے قلعے اور شہر فتح کیے۔

ایک مرتبہ ان کے ساتھ فوج بہت کم تعداد میں تھی۔ سلطان نے ان کو راجا دیورائے کے مقابلے میں جنگ کے لیے بھیجا۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں کو اس انداز سے راجا کی فوج کے ساتھ لڑایا اور ایسی جنگی تدابیر سے کام لیا کہ حریف تنگ آگیا اور قریب تھا کہ شکست کھا جائے، مگر اس نے دھوکے سے ان کو قتل کرادیا۔ یہ ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) کے لگ بھگ کا واقعہ ہے[1]۔

۷۲۔ مولانا فخر الدین جون پوری

مولانا فخر الدین بن نصیر الدین بن نظام الدین جون پور میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ قاضی

[1] تاریخ فرشتہ۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۱۴، ۱۱۵

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہاب الدین احمد دولت آبادی کے نواسے تھے اور بڑے عالم وفاضل تھے۔ تمام علوم مروجہ اپنے نانا قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے حاصل کیے اور طویل عرصہ ان کی خدمت میں رہے' تا آنکہ فقہ' اصول فقہ' علم کلام اور علوم عربیہ میں مرتبہ کمال کو پہنچے ❶۔

۷۳۔ قاضی فخر الدین مالاباری

قاضی فخر الدین ابوبکر بن قاضی رمضان شالیانی مالاباری' شافعی المسلک تھے' اور ان کا شمار اپنے دور کے اونچے درجے کے فقہائے عظام اور علمائے محققین میں ہوتا تھا۔ شہر کالی کٹ کے قاضی تھے' جو علاقہ مالابار کی ایک بڑی بندرگاہ تھی۔ منصب قضا کے علاوہ خدمت تدریس بھی انجام دیتے اور تشنگان علوم کی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ اپنے دور کے مفتی بھی تھے اور لوگ پیش آئند مسائل کے لیے ان ہی کی طرف رجوع کرتے اور ان ہی سے فتوے لیتے تھے۔

ان کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا' جن میں صاحب ہدایۃ الاذکیا شیخ زین الدین بن علی مالاباری کا اسم گرامی خاص طور سے لائق تذکرہ ہے۔ انھوں نے ان سے فقہ اور اصول فقہ وغیرہ علوم کی تحصیل کی۔ اپنی کتاب مسلک الابصار میں ان کی اور ان کے بیٹے کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے:

الامام الجلیل البارع فی البلاغة امام الدیار الملیباریا❷۔

افسوس ہے برصغیر کے نویں صدی ہجری کے اس عظیم المرتبت شافعی فقیہ کے مفصل حالات کا علم نہیں ہو سکا۔ نہ ان کی کسی تصنیف تک ہماری رسائی ہو سکی ہے اور نہ ان کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات کا پتا چل سکا ہے۔ صرف اتنی بات معلوم ہے کہ یہ نویں صدی ہجری کے شافعی المسلک عالم وفقیہ تھے۔

ــــ ق ــــ

۷۴۔ شیخ قطب الدین ظفر آبادی

شیخ قطب الدین بن نور الدین حسینی واسطی ظفر آبادی ۸۰۲ھ (۱۴۰۰ء) میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اپنے والد مکرم سے حفظ کیا اور مختصرات بھی ان ہی سے پڑھیں۔ پھر قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے اور تمام کتب درسیہ ان سے پڑھیں۔ چار سال ان کی خدمت میں رہے حتیٰ کہ علمائے صالحین اور فقہائے عصر میں گردانے گئے۔

❶ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۱۵۔

❷ نزہۃ الخواطر' ص ۱۱۵' ۱۱۶

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد ازاں اپنے والد بزرگ وار شیخ نور الدین سے طریقت وتصوف کا درس لیا' حرمین شریفین کا قصد کیا اور حج وزیارت سے سعادت اندوز ہوئے۔

نہایت عبادت گزار' عظیم الورع' حسن اخلاق کے مالک' بہت متواضع' انتہائی منکسر المزاج' لوگوں کے خادم اور خلق خدا کو فائدہ پہنچانے والے تھے۔ بے شمار لوگوں نے ان سے اخذ علم اور کسب فیض کیا۔

اس گوناگوں اوصاف کے حامل فقیہ اور درویش منش عالم دین نے ۲۰ جمادی الاخریٰ ۸۶۹ ہجری (۱۷ فروری ۱۴۶۵ء) کو ظفر آباد میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے ❶۔

ان کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا۔

۷۵۔ شیخ قطب الدین بن خضر بلخی

شیخ قطب الدین بن خضر بن حسن بن مبارک ادہمی بلخی' فاضل دوراں اور شیخ وقت تھے۔ حدیث کے جید عالم تھے اور اس کے تمام گوشوں پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔ فقہ سے بھی تعلق تھا' لیکن درجہ اختصاص حدیث ہی میں حاصل تھا۔ ان کے والد گرامی قدر شیخ خضر بھی مشہور عالم تھے اور اس بیٹے نے ان ہی سے اخذ علم کیا تھا۔ والد کی وفات کے بعد مسند تدریس پر فائز ہوئے اور عرصہ دراز تک درس وافادۂ عام میں مصروف رہے۔ شیخ قطب الدین سے ان کے لڑکے شیخ عبدالقادر نے تعلیم حاصل کی ❷۔

نہ ان کی تاریخ ولادت ووفات کا علم ہو سکا ہے اور نہ کسی تصنیف کا پتا چل سکا ہے۔

۷۶۔ مولانا قیام الدین ظفر آبادی

مولانا قیام الدین قریشی ظفر آبادی عالم وفقیہ اور شیخ تھے۔

فقہ اور اصول فقہ کے متبحر علما میں سے تھے۔ اصلاً دہلی کے باشندے تھے۔ مگر یہ اور شیخ اسد الدین حسینی واسطی دہلی سے ظفر آباد منتقل ہو گئے تھے اور پھر وہیں رہائش اختیار کر لی تھی۔ مولانا قیام الدین مدت مدید تک ظفر آباد میں درس وافادہ میں مصروف رہے اور طلبا کی علمی خدمت انجام دیتے رہے۔ بعد ازاں علمی بحث واشتغال سے کلیتہً کنارہ کش ہو گئے تھے اور اپنے لیے ترک وتجرید کی زندگی پسند کر لی تھی۔ تمام معاملات سے انزوا اور انقطاع اختیار کر لیا تھا اور گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ سے لو لگا لی تھی ❸۔

اس عظیم فقیہ اور صوفی نے ۱۳ ذی القعدہ ۸۱۷ھ (۲۴ جنوری ۱۴۱۵ء) کو انتقال کیا۔

---

❶ نزہۃ الخواطر' ج ۳ ص ۱۱۹' ۱۲۰۔ بحوالہ تجلی نور

❷ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۲۰۔

❸ نزہۃ الخواطر' ص ۱۲۰' ۱۲۱ بحوالہ تجلی نور۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ــــ ک ــــ

۷۷۔شیخ کبیرالدین ناگوری

شیخ کبیرالدین کا سلسلہ نسب یہ ہے: کبیرالدین بن فریدالدین بن عبدالعزیز بن حمیدالدین سعیدی سوالی ناگوری۔ عالم دین اور زاہد و عابد تھے۔ صالحیت کی وجہ سے ان کا شمار اس دور کے علمائے ربانی میں ہوتا تھا۔ مصنف بھی تھے اور مدرس و معلم بھی۔ علم نحو میں خصوصاً عبور حاصل تھا۔ نحو کی کتاب مصباح کی نہایت عمدہ شرح سپرد قلم کی، جس کا نام ''الدہن'' رکھا۔ پہلے ناگور میں فروکش تھے لیکن اس فتنے کی وجہ سے جو کفار کے ہاتھوں ناگور میں پیدا ہوا، آخر عمر میں گجرات چلے گئے تھے۔ پھر وہیں مستقل طور سے رہائش اختیار کر لی تھی اور درس و افادہ میں مصروف ہو گئے تھے۔ وہاں طویل عرصے تک لوگوں کو درس دیتے رہے۔ اس اثنا میں بے شمار تشنگان علوم نے ان سے استفادہ کیا جن میں شیخ حسین بن خالد ناگوری ایسے فاضل اجل شامل ہیں۔

۷ ذی القعدہ ۸۳۵ھ (۱۶ جولائی ۱۴۳۲ء) کو اور ایک روایت کے مطابق ۸۵۸ھ (۱۴۵۳ء) کو احمد آباد میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے[1]۔

۷۸۔شیخ کبیرالدین ملتانی

شیخ کبیرالدین بن اسماعیل بن محمود بن حسین حسینی بخاری اوچی ملتانی، ارض ہند کے صالح عالم دین، نامور فقیہ اور مشہور شیخ تھے۔ اوچ میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔

اپنے جد امجد کے عم محترم شیخ صدرالدین محمد بن احمد حسینی بخاری سے اخذ علم اور کسب فیض کیا اور کافی عرصہ ان سے منسلک رہے، تاآنکہ علم و معرفت میں کامل دسترس حاصل کر لی۔ شیخ صدرالدین محمد کی وفات کے بعد مسند مشیخت کو زینت بخشی۔ خود ان سے ان کے دو بیٹوں عبدالشکور اور عبدالغفور نے استفاضہ کیا۔ ان کے علاوہ شیخ سماءالدین ملتانی اور خلق کثیر نے ان سے علم طریقت کی دولت حاصل کی۔

شیخ کبیرالدین ملتانی نے ۸۲۵ھ (۱۴۲۲ء) کو وفات پائی[2]۔

۷۹۔قاضی کمال الدین ناگوری

شیخ کمال الدین بن قوام الدین ناگوری پٹنی، عظیم المرتبت عالم و فقیہ تھے۔ طریقت سے بھی لگاؤ تھا اور

---

[1] نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۲۱ بحوالہ مجمع الابرار۔ تذکرہ علمائے ہند (فارسی)، ص ۱۷۳۔ تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ)، ص ۵۸۷۔

[2] نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۲۱، ۱۲۲۔ بحوالہ سیر العارفین۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ شیخ یعقوب پٹنی سے فیض یافتہ تھے۔ خاصی مدت ان کی صحبت میں رہے۔ علاقہ گجرات (کاٹھیاواڑ) کے خواص وعوام میں انھیں بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ اس فقیہ سے شیخ برہان الدین عبداللہ بن محمود حسینی بخاری اور علما و مشائخ کی بہت بڑی تعداد نے اخذ فیض کیا❶۔

—— م ——

۸۰۔ شیخ مبارک بنارسی

شیخ مبارک بن حمید بنارسی، شیخ صالح اور فقیہ نامدار تھے۔ کبار مشائخ چشتیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہوگئے اور کئی سال بنارس میں یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ ساتھ ہی مجاہدۂ نفس اور سلوک وریاضت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ پھر جون پور تشریف لے گئے اور شیخ محمد بن عیسیٰ جون پوری سے اخذ طریقت کیا اور خاصا عرصہ ان کی صحبت میں گزارا۔ جون پور سے پھر عازم بنارس ہوئے اور وہاں کمال قناعت وعفاف اور توکل واستغنا کے ساتھ زہد وعبادت میں مصروف ہوگئے اور دنیا سے منقطع ہوکر یاد الٰہی کو وظیفہ حیات قرار دے لیا۔ اس کے ساتھ تدریس علوم اور افادۂ عام کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیا۔ توکل وقناعت کا یہ عالم تھا کہ کسی سے کوئی ہدیہ یا تحفہ قبول نہ کرتے، البتہ کھانے کی کوئی چیز پیش کی جاتی تو لے لیتے۔ مگر وہ بھی اسی قدر اپنے پاس رکھتے جس قدر عبادت اور تدریس کے لیے کافی ہو، باقی تلامذہ میں تقسیم کردیتے۔ تمام عمر گھر نہیں بنایا۔ ان جھونپڑیوں اور خیموں میں زندگی بسر کرتے جو شاگردوں کے لیے بنائی تھیں۔ سال ولادت ووفات کا علم نہیں ہوسکا۔ صرف اتنا چلا ہے کہ دسویں شوال کو وفات پائی❷۔

۸۱۔ شیخ محمد بن ابوبکر دمامینی

شیخ محمد بن ابوبکر دمامینی کا شجرہ نسب یہ ہے: محمد بن ابوبکر بن عمر بن ابوبکر بن محمد بن سلیمان بن جعفر بن یحییٰ بن حسین بن محمد بن احمد بن ابوبکر بن یوسف بن علی بن صالح بن ابراہیم البدر القرشی المخزومی الاسکندری ثم ہندی گجراتی۔ ان کا لقب بدرالدین تھا اور ابن الدمامینی المالکی النحوی الادیب کے نام سے معروف تھے۔ امام عصر، شیخ وقت اور علامہ زمان تھے۔ مسلکاً مالکی تھے اور فقہ امام مالک رحمہ اللہ پر عبور رکھتے تھے۔

۷۶۳ھ (۱۳۶۲ء) میں اسکندریہ میں پیدا ہوئے۔ ایک قریبی رشتے دار عالم سے، جو شیخ بہاء ابن دمامینی کے نام سے موسوم تھے، سماعت علم کی اور اپنے دورِ طالب علمی کے آخری شیوخ وعلما میں سے شیخ عبدالوہاب

❶ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۲۳۔

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۲۵۔ بحوالہ گنج ارشدی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قروی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ حصول علم کے لیے مختلف بلاد وامصار میں گھومے پھرے۔ قاہرہ میں سراج ابن الملقن وغیرہ اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ مکہ مکرمہ میں قاضی ابوالفضل شوبری سے تحصیل کی اور خود اپنے شہر اسکندریہ میں متعدد فضلائے دہر کے حضور دوز انو ہو کر بیٹھے۔ جہاں گئے وہاں کے علما کی صحبتوں سے استفادہ کرتے اور علم وادراک کی نعمت سے دامن طلب بھرتے رہے۔ فقہ وادب کی دولتِ بے پایاں حاصل کرنے میں بڑی محنت کی اور علم نحو، نظم ونثر، خوش خطی اور اس کے متعلقات ولوازم کی معرفت میں درجہ کمال کو پہنچے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اسکندریہ کے مختلف مدارس میں کتب فقہ اور دیگر علوم میں باقاعدہ درس وتدریس کے فرائض انجام دیے اور قاضی ابن التینسی کے نائب قاضی کی حیثیت سے منصب قضا پر فائز رہے۔ اسکندریہ سے قاہرہ کے لیے رخت سفر باندھا۔ وہاں کے اساتذہ سے سماعت علم بھی کی، نائب قاضی بھی رہے اور مسند تدریس کو بھی زینت بخشی۔ وہاں کے دوران قیام میں علم وتحقیق کی راہوں پر خوب گام فرسائی کی۔ ترقی وتقدم کی بہت سی منزلیں طے کیں اور ایک ماہر فن استاذ کی حیثیت سے طلبا کو زیور تعلیم سے آراستہ کرتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل علم کی محفلوں اور ارباب تحقیق کی مجلسوں میں ان کی شہرت پھیل گئی۔ جامعہ ازہر میں شعبہ علم نحو کے صدر مدرس مقرر ہوئے اور طلبا انتہائی شوق اور کثرت کے ساتھ ان کے حلقہ درس میں شریک ہونے لگے۔

بلاشبہ وہ رفیع المرتبت محقق، لائق استاذ، بہترین مدرس اور متنوع علوم کے ماہر تھے۔ لیکن ان کے حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مزاج میں استقلال نہ تھا، طبیعت سکون اور ٹھہراؤ سے محروم تھی اور پاؤں سفر اور گردش کے خواہاں رہتے تھے۔ کہیں جم کر اور دل لگا کر کام کرنے کے عادی نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جامعہ ازہر کے اس منصب جلیلہ کو چھوڑ کر پھر اسکندریہ کا رخ کیا اور وہاں بیک وقت تین کام شروع کیے۔

اول: طلبا کو پڑھانے کا۔

دوم: عدل وانصاف کا۔

سوم: تجارت اور کاروبار کا۔

ظاہر ہے یہ تینوں کام اپنی اپنی جگہ نہایت اہمیت کے حامل ہیں اور وہ کام ہیں، جن کا ایک ساتھ چلنا مشکل ہے۔ ان میں سے ہر کام الگ ذہن، مستقل ذمہ داری، کامل مصروفیت، ہمہ وقتی توجہ اور پورے غور وفکر کا طالب ہے۔ اگر تدریس اور عدالتی امور سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی جائے گی تو تجارت کے لیے وقت نہیں ملے گا اور اگر تجارت میں انہماک ہوگا تو تدریس اور عدالتی معاملات کی انجام دہی میں حرج واقع ہوگا۔ یہ اجتماع اضداد ہے۔

اس سے کچھ عرصہ بعد انھوں نے پھر قاہرہ کا قصد کیا۔ چوں کہ اصحاب علم اور ارکان حکومت کے حلقوں میں اچھی طرح متعارف ہو چکے تھے، ان کی شخصیت کے علمی گوشے نکھر کر سامنے آ گئے تھے اور خوبیاں نمایاں طور سے لوگوں کے علم ومطالعہ میں آ گئی تھیں لہٰذا اب کی بار قاہرہ گئے تو حکومت کی طرف سے منصب قضا پیش کیا گیا، لیکن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھیں یہ منصب راس نہ آیا اور ان کے ذہن نے جو خاص قسم کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا' اس منصب سے زیادہ عرصہ وابستہ رہنے سے انکار کر دیا اور چند ہی روز میں اس سے دست بردار ہو گئے

وہاں سے دل اچاٹ ہوا تو علاقہ شام میں چلے گئے اور ۸۰۰ھ (۱۳۹۸ء) میں اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ دمشق جا پہنچے۔ دمشق سے حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے اور پھر اپنے آبائی شہر اسکندریہ کو لوٹے۔ اسکندریہ میں انھیں دو منصب پیش کیے گئے۔ ایک جامع مسجد کی خطابت کا منصب۔ دوسرا نائب قاضی کا۔ انھوں نے نائب قاضی کا منصب تو قبول نہ کیا' البتہ خطابت پر رضامند ہو گئے اور یہ سلسلہ شروع کر دیا۔

کچھ عرصے بعد ذہن نے ایک اور پلٹا کھایا۔ امور دنیا اور کاروبار کی طرف عنان توجہ مبذول کی اور کپڑے بننے کا فن سیکھا اور اس کا ایک اچھا خاصا کارخانہ بھی قائم کر لیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے اللہ کو یہ بھی منظور نہ تھا۔ گھر کو آگ لگی اور مال واسباب کا بہت بڑا حصہ نذر آتش ہو گیا۔ اب وہاں سے بھاگے اور جنگل کی راہ لی۔ قرض خواہ پیچھے دوڑے اور سخت اہانت آمیز انداز سے پکڑ کر انھیں قاہرہ لے آئے۔ مگر شیخ تقی الدین بن حجت اور ناصر الدین البازری کے پرائیوٹ سیکریٹری ان کی امداد کے لیے قرض خواہوں کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے ان کی اعانت کی اور معاملہ سلجھ گیا۔

اس واقعہ کے بعد وہ ملک المؤید کے دربار میں حاضر ہوئے۔ اس نے ان کو مالکیہ کے منصب قضا پر متعین کر دیا۔ مگر یہ منصب بھی انھیں راس نہ آیا۔ پھر وہ ۸۱۹ھ (۱۴۱۷ء) میں عازم حجاز ہوئے اور حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔ مناسک حج ادا کرنے کے بعد ۸۲۰ھ (۱۴۱۷ء) میں بلاد یمن میں داخل ہوئے۔ وہاں تقریباً ایک سال مقیم رہے اور اس اثنا میں جامع زبید میں تشنگان علوم کے لیے سیرابیٔ علم وادراک کے سامان فراہم کرتے رہے۔ مگر یہ فضا بھی ان کے ذہن وفکر سے ہم آہنگ نہ ہو سکی اور اپنی زندگی کا جو نہج انھوں نے بنا لیا تھا' وہ علاقہ یمن سے موافقت پیدا کرنے اور اس سے تعلقات استوار کرنے میں کامیاب نہ ثابت ہوا۔

ورود ہند:

سالہا سال کی گردش اور لیل ونہار کی بے شمار کروٹوں کے بعد اب انھوں نے اپنے مستقبل کو ایک اور تجربے کے حوالے کرنے کی ٹھانی اور سرزمین ہند میں آنے کا قصد کیا۔ چنانچہ اواخر شعبان ۸۲۰ھ (اکتوبر ۱۴۱۷ء) میں داخل ہند ہوئے۔ ارض گجرات میں قیام کیا اور پھر اسی کو مستقل وطن قرار دے لیا۔ اس زمانے میں گجرات (کاٹھیاواڑ) اور احمد آباد وغیرہ کے علاقے پر سلطان احمد بن محمد بن مظفر گجراتی کا پرچم اقتدار لہرا رہا تھا اور اس نواح کے اکثر بلاد وامصار اور قصبات ودیہات کو علما ومشائخ کے مساکن کی حیثیت حاصل تھی اور اہل علم اور اصحاب طریقت وتصوف کو انتہائی وقار وتکریم کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ارباب حکومت کے نزدیک بھی ان لوگوں کو بڑی قدر ومنزلت حاصل تھی اور رعایا کے تمام طبقات میں بھی وہ معزز ومحترم تھے۔ شیخ ابن الدمامینی مالکی کو بھی یہاں بڑی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پذیرائی حاصل ہوئی' بدرجہ غایت گرم جوشی سے ان کا خیر مقدم کیا گیا اور علم وتحقیق کی محفلوں میں ان کو بڑا عروج نصیب ہوا۔ لوگ ان کی طرف دوڑے اور ہر شخص نے ان کی تعظیم میں دوسرے سے سبقت لے جانے کی سعی کی۔ جواب میں انھوں نے بھی دریادلی کا مظاہرہ کیا اور پوری وسعت قلب سے لوگوں کے لیے اپنے علم وفضل کے دروازے کھول دیے' جس میں سے ہر ایک نے بقدر ظرف اپنا حصہ وصول کرنے کی کوشش کی۔ جب انھوں نے علم کے خزانے لوٹائے اور دین کی اشاعت کا اہتمام کیا تو دنیا بھی ان کے قدموں میں آ گری۔ اس نے اپنا شامیانہ ان پر پھیلا دیا اور ان کا شمار زمرۂ اہل علم کے ساتھ ساتھ ارباب دولت اور اصحاب شوکت میں بھی ہونے لگا۔

تصنیفات:

یہ جلیل القدر مالکی المسلک فقیہ متعدد علمی اور تحقیقی کتابوں کے مصنف اور شارح ہیں' جن کی تفصیل یہ ہے:

شرح التسہیل:

یہ ابن مالک الطائی کی تصنیف التسہیل کی شرح ہے جو گونا گوں اور متنوع مسائل کا حسین امتزاج ہے۔ اس کا آغاز اللھم ایاك نعبد علیٰ نعم ما توجهت الامال ... کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ یہ شرح وہ اسکندریہ کے دوران قیام میں ضبط تحریر میں لائے تھے اور اپنے ساتھ ہی اسے ہندوستان لے آئے تھے۔ اس کے آغاز میں وارد ہند ہونے کے بعد مقدمے کی صورت میں بعض چیزوں کا اضافہ کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں آخر شعبان ۸۲۰ھ (اکتوبر ۱۴۱۷ء) میں ملک ہند کے شہر گجرات آیا تو میں نے دیکھا کہ یہاں میری اس کتاب سے کوئی شخص آگاہ نہ تھا۔ میں نے یہ کتاب بعض طلبا کو دکھائی تو وہ اس کے مضامین سے بہت متاثر ہوئے اور انھوں نے اس کی شرح بھی کی۔ مقدمۂ کتاب میں انھوں نے اس زمانے کے فرماں روائے گجرات سلطان ابوالفضل احمد شاہ کا ذکر بھی کیا ہے اور اس حصۂ کتاب کو تاریخ الفرائد کے نام سے موسوم کیا ہے۔

مصابیح الجامع:

(صحیح بخاری کی شرح ہے) اس کا آغاز: الحمد لله الذی فی خدمة السنة النبوية اعظم سیادة..... سے ہوتا ہے۔ صحیح بخاری کی یہ شرح انھوں نے گجرات آ کر لکھی۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کتاب وہ سلطان احمد شاہ کے لیے معرض تحریر میں لائے ہیں۔ بخاری شریف کے کئی ابواب کی تعلیق کی ہے۔ بعض مقامات بڑے عمدہ ہیں' جن میں اعراب نحوی کے نقطہ نظر سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر امور ومسائل کو بھی منقح کیا گیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عین الحیوۃ:

یہ دمیری کی کتاب حیوۃ الحیوان الکبریٰ کا اختصار ہے۔ یہ کتاب الحمد للہ الذی اوجد بفضلہٖ حیٰوۃ الحیوان ..... کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں حیوۃ الحیوان الکبریٰ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مصنف علام کی یہ کتاب احکام شرعیہ' اخبار نبویہ' مواعظ نافعہ' فوائد بارعہ' عمدہ امثال' بہترین اشعار' بعض نادر امور اور عجیب وغریب اسرار ورموز کو محتوی ہے' لیکن بڑی طویل المقال اور وسیع الذیل ہے اور اس میں بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جن سے کتاب کی افادی حیثیت مجروح ہوتی ہے اور محاسن واوصاف سے خالی دکھائی دیتی ہے' اس لیے اسے مختصر کر دیا گیا ہے اور عین الحیوۃ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس کی ترتیب واختصار سے وہ ۸۲۳ھ (۱۴۲۰ء) میں فارغ ہوئے اور اسے سلطان احمد شاہ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔

تحفۃ الغریب فی شرح مغنی اللبیب:

یہ کتاب ابن ہشام نحوی کی مشہور تصنیف مغنی اللبیب کی شرح ہے۔ مغنی پر تحشیہ وتعلیق تو انھوں نے مصر ہی میں لکھ دیا تھا اور یہ بڑا نفیس حاشیہ تھا' مگر اس کو باقاعدہ تصنیف اور شرح کے قالب میں ارض ہند میں ڈھالا۔ اس کا جو حصہ انھوں نے مصر میں مکمل کیا' اس کو حاشیہ یمنیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو ہند میں لکھا' اسے حاشیہ ہندیہ کا نام دیا جاتا ہے۔

شرح الخزرجیہ:

جواہر البحور: یہ کتاب علم عروض سے متعلق ہے۔

الفواکہ البدریہ: یہ ان کے حصہ نظم پر مشتمل ہے اور مجموعہ اشعار کی حیثیت رکھتی ہے۔

مقاطع الشرب:

الغیث الذی انسجم فی شرح لامیۃ العجم: یہ صلاح الدین صفدی کے لامیۃ العجم کی شرح ہے۔

ادبی ذوق اور شعروشاعری:

شیخ محمد بن ابوبکر دمامینی علوم ادب اور فن شعری کا عمدہ ذوق رکھتے اور اس کے ناقد تھے۔ اصحاب فن کا کہنا ہے کہ وہ نثر کے ساتھ نظم اور قصائد ومقاطع میں بھی بہت آگے نکلے ہوئے تھے اور پاکیزہ شعر کہتے تھے۔ ابن ناہض نے حاکم مصر مویدکی سیرت لکھی تو انھوں نے اس پر تنقید کی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک شخص نوروز حافظی نے شام میں موید کی نافرمانی کی اور اس کے خلاف بغاوت کا مرتکب ہوا تو محمد بن ابوبکر دمامینی نے موید کو مخاطب کر کے یہ اشعار کہے:

یــامــلك الــعــصــرو مــن جــوده　　فــرض عــلــى الــصــامــت والــلافــظ
اشــكــو الــيــك الــحــافــظ الــمــعــتــدى　　بــكــل لــفــظ فــى الــدجــىٰ غــائــظ
ومــاعــســى اشــكــو وانــت الــذى　　صــح لــك الــبــغــى مــن الــحــافــظ

اے شاہ زمانہ اور اے وہ جس کی سخاوت ہر خاموش رہنے والے اور بات کرنے والے پر فرض ہو چکی ہے۔
میں تم سے اس ظالم حافظ کے خلاف تمام غصہ دلانے والے الفاظ سے تاریکی میں شکوہ کرتا ہوں۔
میں تم سے اس لیے شکوہ کرتا ہوں کہ تم ہی وہ شخصیت ہو، جس کا حافظ کی زیادتی کے بارے میں کوئی اقدام کرنا صحیح ہوگا۔

یہ اشعار بھی ان ہی کے ہیں:

رمــانــى زمــانــى بــمــا ســاء نــى　　فــجــاء ت نــحــرس وغــابــت ســعــود
واصــبــحــت بــيــن الــورىٰ بــالــمــشــيــب　　عــلــيــلا فــلــيــت الــشــبــاب يــعــود

زمانے نے مجھ پر ایسے چرکے لگائے، جنھوں نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی، اس کے نتیجے میں نحوستیں ہجوم کر آئیں اور سعادتیں رخصت ہو گئیں۔
اور میں لوگوں کے درمیان بڑھاپے کی وجہ سے بیمار ہو گیا۔ پس اے کاش کہ جوانی لوٹ آتی۔

یہ دو شعر بھی ان ہی کے ہیں:

قــلــت لــه والــدجــى مــول　　ونــحــن بــالانــس فــى الــتــلاقــى
قــد عــطــس الــصــبــح يــاحــبــيــبــى　　فــلا تــشــمــتــه بــالــفــراق

جب تاریکی رخصت ہو رہی تھی اور ہم ملاقات سے لطف اندوز ہو رہے تھے تو میں نے اس سے کہا۔
اے میرے محبوب! پوہ پھٹ گئی ہے مگر تو اس کا جواب فراق کی صورت میں نہ دینا۔

ان کے اشعار میں سے یہ دو شعر ملاحظہ ہوں:

يــاعــذولــى فــى مــغــن مــطــرب　　حــرك الاوتــاد لــمــا ســفــرا
كــم يــهــز الــعــطــف مــنــه طــربــا　　عــنــد مــاتــســمــع مــنــه وتــرا

جو گانے والا مطرب روز روشن میں تاروں کو چھیڑتا ہے، اس کے بارے میں مجھے ملامت کرنے والو! جب تم اس کا ایک تار بھی (بجتے) سنو تو وہ تمھیں جوش میں لا کر کام کے لیے ابھارتا ہے۔

برہان محلی تاجر کے لیے ان کے یہ دو شعر لائق ملاحظہ ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یاسریا معروفه لیس یحصی ورئیسا زکا بفرع واصل
مذعلافی الوریٰ محلك عزا قلت هذا هوالعزیز المحلی

اے وہ نہر جس کے فیضان کا کوئی شمار نہیں اور اے وہ رئیس جس کی فرع اور اصل دونوں عمدہ ہیں۔
جب سے تیرے محل (مقام) کا اعزاز لوگوں میں بلند ہوا ہے۔ (تب سے) میرا کہنا ہے کہ عزیز محلی تو یہ ہے۔

شہاب فاروقی کی سخاوت وجودت کے بارے میں یہ دو شعر بھی پڑھتے جایئے،

قل للذی اضحی یعظم حاتما
ویقول لیس بجوده من لاحق
ان قسسته بسماح اهل زماننا
اخطأ قیاسك مع وجود الفارق

جو شخص حاتم کی عظمت بیان کرتا ہوا یہ کہتا ہے کہ اس کے بعد اس جیسی سخاوت کہیں نہیں اس سے کہہ دو کہ اگر تم ہمارے دور کے فیاض لوگوں پر اسے قیاس کرو گے تو قیاس مع الفارق کی غلطی کرو گے۔
مصر کی تعریف میں ان کے یہ دو شعر سنیے:

دعی اللّٰه مصرا اننا فی ظلالها
نروح ونغدو سالمین من الکد
ونشرب ماء النیل منها براحة
واهل زبید یشربون مین الکد

اللہ اس مصر کی نگرانی فرمائے جس کے زیر سایہ ہم لوگ تھکاوٹ اور تکلیف سے محفوظ رہ کر رات اور دن گزارتے ہیں
اور دریائے نیل کا پانی راحت کے ساتھ پیتے ہیں اور زبید کے باشندے کد (کاوش) کے ساتھ پیتے ہیں۔
یہ دو شعر بھی سنیے:

قالت وقد فتحت عیونا نعسا
ترمی الوری بالجور فی الاحکام
احللت هلالك فی زبید فاننی
لذوی الفوم فتحت باب سهامی

اس نے اپنی نیند سے بھری ہوئی آنکھیں کھول کر کہا کہ لوگوں پر ظالمانہ احکام کے تیر برسائے جاتے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگر تم زبید میں ان کی بوچھاڑ سے چوکس رہو' اس لیے کہ میں نے اہل عشق کے لیے اپنے نیزوں کا دروازہ کھول دیا ہے۔

ہندی علما سے مخاطب ہو کر چند اشعار میں علم نحو کا ایک سوال پوچھتے ہیں:

ایاعلماء الهندانی سائل
فحنوا بتحقیق به یظهر السر
فما فاعل قدجر بالخفض لفظه
صریحا ولاحرف یکون به جر
ولیس بذی جر ولا بمجاور
لذی الخفض والانسان للجر یضطر
فمنوا بتحقیق به استفیده
فمن بحر کم مازال یستخرج الدر

اے علمائے ہند! میں ایک سوال پوچھتا ہوں' مہربانی کر کے اس کا ایسا تحقیقی جواب دیجیے کہ جس سے وہ عقدہ کھل جائے۔

کوئی فاعل ایسا نہیں جو لفظاً صریح طور مجرور ہو' درآں حالیکہ کوئی ایسا حرف بھی موجود نہیں جو اسے جر دے۔

کوئی دوسرا عامل جار بھی نہیں اور مجرور کے لیے اعراب جار بھی نہیں کہ انسان جر کے لیے بے تاب ہو۔

تو ازراہ عنایت ایسی تحقیق سے بتایئے کہ اس سے مستفید ہو سکوں کیوں کہ آپ کے دریا سے تو ہمیشہ موتی ہی نکالے جاتے ہیں۔

یہ شعر بھی ملاحظہ ہو:

بجفان تعتری نادینا وسدیف حین هاج الصنبر ❶

---

❶ یہاں سید عبدالحی حسنی لکھنوی نزہۃ الخواطر میں مولانا محمد سورتی کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ ابن جنی (نحوی' سر الصناعہ واسرار البلاغہ) میں کہتے ہیں کہ لفظ ''صنبر میں ''ر'' حالت رفعی میں ہے' اس لیے ''ب'' کو مضموم ہونا چاہیے۔ لیکن یہاں فعل بمعنی مصدر کی طرف اضافت مقدر ہے۔ گویا وہ ''حین هیج الصنبر'' کہنا چاہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ظرف دراصل مصدر کی طرف مضاف ہوتا ہے اور یہاں ''حین'' (ظرف) فعل (هاج) کی طرف مضاف ہے۔ پس لفظ ''صنبر'' مجرور اس لیے ہے کہ یہ فعل بمعنی مصدر کی طرف مضاف ہے اس لیے یہ اسم اگرچہ فاعل ہونے کی وجہ سے حالت رفعی میں ہے لیکن یہاں (مضاف) الیہ ہونے کی وجہ سے' مجرور ہے۔ (نزہۃ الخواطر ج ۳' ص ۱۳۰ حاشیہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوائے سرما میں جب ہیجان پیدا کرنے والی روانی پیدا ہوتی ہے تو ہماری قوم بڑے بڑے پیالوں اور کوہان کی چربی کے گرد جمع ہو جاتی ہے۔

انتقال:

علامہ محمد بن ابوبکر دمامینی نے ماہ شعبان ۸۲۷ھ (جولائی ۱۴۲۴ء) کو گلبرگہ (سابق ریاست حیدر آباد، ہندوستان) میں وفات پائی۔

ایک روایت کے مطابق انھیں انگور میں زہر دے دیا گیا تھا۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد ان کا انتقال ہو گیا[1]۔

۸۲۔ شیخ محمد بن ابوالبقاء حسینی نقوی کرمانی

شیخ محمد ابوالبقا کا سلسلہ نسب یہ ہے: محمد بن ابوالبقا بن موسیٰ بن ضیاء الدین بن شجاع الدین بن مظفر بن منصور بن غیاث بن محمود بن علی بن احمد بن عبداللہ بن علی نقی حسینی کرمانی' فاضل اور علامہ تھے۔ اصلاً کرمان کے باشندے تھے۔ ان کے جد امجد ضیاء الدین بن شجاع الدین کرمان سے ہندوستان آئے اور دہلی میں قیام پذیر ہوئے۔ دہلی سے لکھنؤ گئے اور پھر وہیں سکونت اختیار کر لی۔ محمد بن ابوالبقا کی ولادت لکھنؤ میں ہوئی' وہیں پرورش پائی اور حصول علم میں مشغول ہو گئے۔ وہاں سے جون پور گئے جو اس زمانے میں علم و علما کے مرکز کی حیثیت سے ہند اور بیرون ہند میں مشہور تھا۔ جون پور میں شیخ ابوالفتح بن عبدالحی بن قاضی عبدالمقتدر شریکی کندی دہلوی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور ان سے کتب درسیہ کی تکمیل کی۔ ظاہری علوم سے فراغت کے بعد ان ہی سے اخذ طریقت کیا۔ جب دونوں قسم کے علوم کی تحصیل کر چکے تو مراجعت فرمائے لکھنؤ ہوئے اور طویل عرصے تک درس و تدریس اور افادۂ عام میں مصروف رہے۔ اس اثنا میں شیخ محمد بن قطب الدین لکھنوی' قاضی سعد الدین خیر آبادی اور خلق کثیر نے ان سے کسب علم کیا۔

خیر الزمان لکھنوی' اپنی کتاب باغ بہار میں رقم طراز ہیں کہ شیخ محمد بن ابوالبقا کرمانی کے ایک بیٹے کا نام احمد تھا اور ایک شاگرد بھی احمد کے نام سے موسوم تھے۔ شیخ نے ان دونوں کے ساتھ حجاز کا سفر کیا' مگر یہ عجیب اتفاق ہے کہ تینوں حضرات درہم و دینار سے تہی کیسہ تھے اور زاد راہ کے لیے انھوں نے توکل علی اللہ اور توفیق ذات الٰہی کو کافی سمجھا۔ حج بیت اللہ کی نعمت سے سرفراز ہوئے اور چھ سال دیار حبیب میں مقیم رہے۔ حرمین شریفین میں متعدد کبار شافعی المسلک علما و فقہا اقامت گزیں تھے۔ وہاں ان سے ان اہم فقہی مسائل پر مباحثے ہوئے جو شوافع اور احناف کے درمیان مختلف فیہ ہیں۔ شیخ محمد بن ابوالبقا کی علمی گفتگو اور اسلوب بحث سے متاثر ہو کر شافعی علما نے ان کو ''اعظم ثانی'' یعنی امام ابوحنیفہ ثانی کا لقب دیا۔

---

[1] الضوء اللامع۔ نزہۃ الخواطر' ج ۳ ص ۱۲۵ تا ۱۳۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ وجیہ الدین جندواروی اپنی تصنیف مصباح العاشقین میں شیخ محمد بن ابوالبقا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ اپنے عصر کے کبار علما میں سے تھے۔ ان کے علاقے کے لوگ تحقیق مسائل اور فتوے کے لیے ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ سلطان ابراہیم شرقی' ان کے فضیلتِ علمی کی وجہ سے ان کا معتقد تھا اور مسائل شرعیہ میں ان سے فتوے لیتا تھا۔

صاحب مصباح العاشقین اس کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سلطان نے اہل کفر کے اس گروہ سے قتال کے لیے ایک لشکر روانہ کیا' جنھوں نے سلطانی احکام سے تمرد اور سرکشی اختیار کر لی تھی۔ مگر اس لڑائی میں بعض وہ کافر بھی قتل کیے گئے اور ان کا مال و دولت بھی غصب و نہب کی زد میں آ گیا جو سرکشی اور نافرمانی کے مرتکب نہ تھے۔ یہ بات سلطان کے علم میں آئی تو اس نے شیخ محمد کی طرف رجوع کیا اور ان سے استفتا کیا کہ یہ صورت حال پیش آ گئی ہے' اس ضمن میں شرعی احکام کیا ہیں؟ شیخ نے جواب دیا کہ ان سے قتال مباح ہے۔ کفار ہند سب دشمن اسلام ہیں۔ وہ مسلمانوں سے لڑائی کے لیے موقعے کی تلاش میں رہتے ہیں۔ لہٰذا ان کا قتل کرنا اور ان کے اموال کو غنیمت قرار دینا جائز ہے۔

شیخ محمد بن ابوالبقا کرمانی نے ۲۱ شوال ۸۷۰ھ (۶ جون ۱۴۶۶ء) کو لکھنؤ میں وفات پائی اور شہر کی جانب مغرب میں دریائے گومتی کے کنارے دفن کیے گئے۔ بعد ازاں لوگوں نے وہاں اونچی اونچی عمارتیں تعمیر کر لیں۔ پھر حاکم لکھنؤ آصف الدولہ نے اس کے قریب ''حسینیہ'' کے نام سے ایک آبادی قائم کی تو اس نے شیخ محمد کے مقبرے کو منہدم کر دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ لوگوں نے ان کی قبر کھودی' اس سے ہڈیاں نکالیں اور انھیں لکھنؤ کی ایک اور آبادی میں جس کا نام مفتی گنج ہے' دفن کر دیا[1]۔

۸۳۔ شیخ محمد بن احمد حسینی بخاری اوچی

شیخ محمد بن احمد بن حسین بن علی حسینی بخاری' مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین حسین بخاری اوچی کے چھوٹے بھائی تھے۔ ظاہری و باطنی علوم میں یکتا اور جلالت قدر کے مالک تھے۔ صدر الدین لقب تھا اور لوگوں میں شیخ صدر الدین اوچی ملتانی راجو قتال کے نام سے معروف تھے۔ پنجاب کے شہر اوچ میں پیدا ہوئے وہیں نشو و نما پائی اور اپنے والد بزرگ وار شیخ احمد بن حسین بخاری اور برادر کبیر شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری اوچی سے اخذ علم اور کسب فیض کیا۔ ان ہی سے خرقہ تصوف پہنا اور ان کے بعد مسند مشیخت پر متمکن ہوئے۔

شیخ صدر الدین محمد جلیل القدر عالم دین' عظیم المرتبت فقیہ اور زاہد شب زندہ دار تھے۔ اولیائے سالکین اور اصحاب مجاہدہ و ریاضت میں سے تھے۔

ان کے تلامذہ اور فیض یافتہ حضرات کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ ایک روایت کے مطابق ان سے اتنی کثیر

[1] نزہۃ الخواطر' ۳' ص ۱۳۱ تا ۱۳۳ بحوالہ باغ بہار۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعداد میں لوگوں نے استفاضہ کیا کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔

ان کے چار بیٹے تھے۔ ابوالخیر' ابواسحاق' شیخ جلال الدین اور روح اللہ۔ ان کے بعض اعقاب واخلاف سرہند میں جا بسے تھے۔

ان کی محبت اسلام' فقہی حیثیت اور عظمت وجلالت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرشتہ لکھتا ہے کہ جب مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو ایک کافر جس کا نام نواہون تھا اور سلطان فیروز شاہ باربک کی طرف سے اوچ کا حاکم تھا' مخدوم جہانیاں کی عیادت کو آیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات گرامی کو ختم الاولیا بنایا ہے' جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ ختم الانبیا تھے۔ خدا تعالیٰ آپ کو صحت عاجلہ وکاملہ عطا فرمائے۔ نواہون کی زبان سے یہ الفاظ سن کر سید جلال الدین حسین اپنے بھائی شیخ صدرالدین محمد کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا' اس شخص نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا ہے' لہٰذا شریعت کی رو سے اب یہ مسلمان ہو گیا ہے۔ تم اور حضار مجلس اس کے گواہ ہو۔ اسے اب باقاعدہ زمرۂ مسلمین میں شامل کرو۔ نواہون نے یہ بات سنی تو وہ قبول اسلام کے خوف سے بھاگ گیا اور سلطان فیروز شاہ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ فیروز شاہ باربک کے نزدیک نواہون بڑی عزت کا مالک تھا اور وہ اس کو دوست سمجھتا تھا۔ مگر اس کے باوجود اس نے نواہون سے کہا کہ اگر تم نے فی الواقع یہ الفاظ کہے ہیں تو بلاشبہ تو مسلمان ہوا۔ سید جلال الدین حسین بخاری تو وفات پا گئے اور یہ معاملہ سید صدرالدین محمد بخاری کے سپرد ہوا۔ انھوں نے اپنے بڑے بھائی کی تجہیز وتدفین وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد نواہون کے معاملے کے گواہوں کو ساتھ لیا اور فیصلے کے لیے عازم دہلی ہو گئے۔ شہر کے قریب پہنچے تو سلطان نے ان کے استقبال کا اہتمام کیا اور علمائے دہلی کو جمع کر کے ان سے نواہون کے بارے میں استفسار کیا۔ اس زمانے میں دہلی کے اہل علم میں سے قاضی عبدالمقتدر کے بیٹے شیخ محمد' علم وفہم اور جودتِ طبع میں مشہور تھے۔ انھوں نے سلطان کو مشورہ دیا کہ سید صدرالدین محمد کے استقبال کے لیے جانا چاہیے اور پھر وہیں مجلس میں ان سے یہ سوال کیا جائے کہ کیا آپ اس کافر کے سلسلے میں تشریف لائے ہیں؟ اگر وہ یہ کہیں کہ ہاں اس کافر ہی کے لیے آیا ہوں تو یہ خود ان ہی کی زبان سے اس کے کفر کا اقرار ہوگا اور ہم ان سے اس مسئلے سے متعلق باقاعدہ بحث کریں گے۔ چنانچہ سلطان نے ان کی فہمائش اور تجویز کے مطابق پہلی ہی مجلس میں سید صدرالدین محمد سے پوچھا کہ آپ اس کافر کے سلسلے میں تشریف لائے ہیں؟ فرمایا اس مسلم کے سلسلے میں آیا ہوں۔ اب شیخ محمد بن عبدالمقتدر سامنے آئے اور کہا: ''اے سید! اس لفظ کی وجہ سے جو اس نے زبان سے نکالا' اس پر اسلام لازم نہیں آتا۔'' سید نے فرمایا۔ اے مخدوم زادہ! آپ کی اس بات سے بوئے دیانت نہیں آتی۔ اپنے کفن کی فکر کرو۔'' یہ کہہ کر ان کی طرف تیز نظر سے دیکھا اور فوراً ان کے پیٹ میں شدید درد پیدا ہوا' گھر گئے اور جا کر لیٹ گئے۔ ان کے والد قاضی عبدالمقتدر اس مجلس میں موجود تھے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور عزت وتعظیم بجالا کر سید کی خدمت میں عرض پرداز ہوئے کہ میرا یہی ایک بیٹا ہے۔ میرے عجز وانکسار پر رحم کر کے اس کو معاف کر دیجیے۔ فرمایا وہ تو مر چکا ہوگا' لیکن آپ کا وہ بچہ جو شکم مادر میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے' اہل تقویٰ میں سے ہوگا۔ چنانچہ شیخ محمد تو اس درد کی شدت سے وفات پا گئے اور قاضی عبدالمقتدر کو اللہ نے ایک اور لڑکا عطا فرمایا جس کا نام انھوں نے ابوالفتح رکھا[1]۔ اور وہ فی الواقع متقی' پرہیزگار اور عالم وفقیہ ہوئے۔ انھوں نے جون پور میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔

اس گفتگو کے بعد فیروز شاہ بارک نے نواہون کو سید صدرالدین محمد کے سپرد کیا اور کہا کہ اس کے بارے میں شریعت کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے۔ سید موصوف نے نواہون سے فرمایا کہ تو مسلمان ہو گیا ہے' اپنے آپ پر شعار اسلام ظاہر کر' لیکن اس نے انکار کیا تو اس کو قتل کر دیا اور پھر اپنے وطن اوچ تشریف لے گئے اور مدت مدید تک اپنے برادر کبیر مخدوم جہانیاں سید جلال الدین حسین بن احمد بخاری کے خلیفہ کی حیثیت سے دعوت وارشاد میں مشغول رہے۔

شیخ صدرالدین محمد بن احمد حسینی بخاری اوچی نے ہفتے کی رات ۱۶ر جمادی الاخریٰ ۸۲۷ھ (۱۶ر اپریل ۱۴۲۴ء) کو اوچ میں وفات پائی اور اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے[2]۔

۸۴۔ شیخ محمد بن حسین پٹنی

شیخ محمد بن حسین علوی حسینی سندھی ثم گجراتی علم حدیث اور فقہ کے عالم تھے اور مشہور مشائخ میں سے تھے۔ دراصل یہ ارض سندھ سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق ملتان کے باشندے تھے اور سید خدا بخش بن سید حسین کے نام سے معروف تھے۔ وہیں پیدا ہوئے' وہیں نشو ونما پائی اور اپنے والد بزرگوار شیخ حسین علوی اور شیخ صدرالدین محمد بن احمد حسینی بخاری سے علم حاصل کیا۔

شیخ محمد بن حسین پٹنی حدیث' فقہ' اور تصوف میں یگانۂ روزگار تھے۔ صحیح العقیدہ اور مبنی بر صحت فکر وخیال کے حامل صوفی تھے۔ شیخ عبداللہ بن محمود حسینی بخاری کی والدہ مکرمہ کے ساتھ گجرات کے لیے رخصت سفر باندھا اور پھر وہیں اقامت پذیر ہو گئے۔

۵۔ جمادی الاخریٰ ۸۴۷ھ (۳۰ ستمبر ۱۴۴۳ء) کو شہر پٹن میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے[3]۔

---

[1] یہاں مورخ فرشتہ کو سہو ہو گیا ہے۔ شیخ ابوالفتح جو شیخ ابوالفتح جون پوری کے نام سے معروف ہیں' قاضی عبدالمقتدر کے بیٹے نہ تھے بلکہ ان کے پوتے تھے اور قاضی عبدالمقتدر کے فرزند عبدالحی کے بیٹے تھے۔ ملاحظہ ہو اخبار الاخیار' ص ۱۷۵۔ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۳۳' حدائق الحنفیہ' ص ۳۲۲۔ تاریخ شیراز ہند جون پور' ص ۶۰۵۔ یاد رہے یہ وہی قاضی عبدالمقتدر تھانیسری شریکی کندی ہیں جو مشہور عالم وفقیہ تھے۔

[2] تاریخ فرشتہ' ج ۲' ص ۶۸۸ تا ۶۹۰۔ مطبوعہ نول کشور لکھنو ۱۹۳۳ء۔ اخبار الاخیار' ص ۱۵۴۔ نیز ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۳۳' ۱۳۴۔

[3] تذکرہ علمائے ہند' ص ۲۱۵۔ نزہۃ الخواطر' ج ۳ ص ۱۳۵۔ بحوالہ مراۃ احمدی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۸۵۔ شیخ محمد حسین ٹھٹھوی

شیخ محمد حسین بن احمد بن محمد حسینی ٹھٹھوی سندھی' صالح عالم دین اور فقیہ تھے۔ معروف مشائخ اور اصحاب فضل وصلاح میں سے تھے۔ ۸۳۱ھ (۱۴۲۸ء) میں فتح خاں بن اسکندر سندھی کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے اور وہیں کے علما سے فیض علم ومعرفت حاصل کیا اور مسند رشد وہدایت پر فائز ہوئے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے استفاضہ کیا۔ محمد حسین صفائی نے ان کے حالات میں ایک کتاب تصنیف کی' جس کا نام تذکرۃ المرادر کھا۔

اس نامور عالم وفقیہ اور عظیم شیخ نے باسٹھ سال عمر پا کر ۸۹۳ھ (۱۴۸۸ء) میں وفات پائی[1]۔

۸۶۔ شیخ محمد بن رفیع الدین بخاری

شیخ محمد بن رفیع الدین کا نسب نامہ یہ ہے: محمد بن رفیع الدین بن محمد بن عبدالوہاب بن محمد بن حسین حسینی بخاری اوچی۔ شیخ صالح اور فقیہ تھے۔ معروف رجال فضل وصلاح میں سے تھے۔ سرزمین سندھ میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ اپنے والد گرامی قدر سے علم فقہ حاصل کیا۔

شیخ محمد بن رفیع الدین کی وفات ۸۸۱ھ (۱۴۷۶ء) میں ہوئی[2]۔

۸۷۔ شیخ محمد بن عبداللہ حسینی بخاری گجراتی

شیخ محمد بن عبداللہ بن محمود بن حسین حسینی بخاری گجراتی' شیخ محمد زاہد کے نام سے معروف تھے۔ علم وفقاہت' اتقا وصالحیت اور زہد وعبادت کے اوصاف سے متصف تھے۔ ان کی تاریخ ولادت ۹ رجب ۸۴۸ھ (۲۲/اکتوبر ۱۴۴۳ء) ہے۔ جلیل القدر علمائے عصر سے اخذ علم کیا اور اونچے مرتبے کو پہنچے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد خود مسند تدریس آراستہ کی اور اپنے فیوض علم سے خلق کثیر کو مستفیض فرمایا۔

اس عظیم فقیہ اور بلند مرتبت صوفی نے ۶ شعبان ۸۹۲ھ (۲۸ جولائی ۱۴۸۷ء) کو وفات پائی۔ ان کی قبر قریہ بٹوہ میں ہے[3]۔

۸۸۔ شیخ محمد بن علاء الدین منیری

شیخ محمد بن علاء الدین بن قاضی عالم بن قاضی جمال الدین ہاشمی ترہتی ثم منیری' شیخ قاضن کے نام سے

---

[1] تحفۃ الکرام۔ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۳۵۔۱۳۶

[2] نزہۃ الخواطر' ج ۳ ص ۱۳۶' بحوالہ تذکرۃ السادۃ البخاریہ از علی اصغر گجراتی

[3] نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۳۹' ۱۴۰' بحوالہ مرأت احمدی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معروف تھے۔ علوم متداولہ ومتعارفہ بالخصوص علم فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ تمام طرق تصوف کے ماہر تھے۔ طریقہ فردوسیہ اپنے والد شیخ علاء الدین سے اخذ کیا تھا۔ اس ضمن میں ان کا سلسلۂ سند شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری تک پہنچتا ہے۔ طریقہ سہروردیہ کے لیے شیخ رکن الدین جون پوری سے کسب فیض کیا۔ ان کے اس سلسلۂ سند میں پانچویں بزرگ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی ہیں۔ طریقہ چشتیہ کے لیے شیخ زاہد بن بدر الدین چشتی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ یہ سند شیخ نظام الدین اولیا بدایونی سے ملتی ہے۔ سلسلۂ قادریہ میں ان کے مرشد شیخ عبدالوہاب بن عبدالرحمٰن بن جمال الدین صدیقی ہیں۔ طریقہ مداریہ میں شیخ حسام الدین اصفہانی جون پوری سے بیعت ہیں جو براہ راست امام طریقہ مداریہ شیخ معمر بدیع الدین المدار سے بیعت تھے۔ طریقہ شطاریہ میں بغیر کسی واسطے کے امام طریقہ شطاریہ شیخ عبداللہ بن حسام الدین شطاری نوری صدیقی بخاری سے مستفیض ہوئے۔

ان کا حلقہ بہت وسیع تھا' جن میں ان کے بیٹے شیخ ابوالفتح ہدیۃ اللہ منیری' شیخ حمید الدین گوالیاری اور بہت سے لوگ شامل ہیں۔

انھوں نے ۳ صفر ۸۹۲ھ (۲۹ جنوری ۱۴۸۷ء) کو وفات پائی اور جون پور میں دفن کیے گئے ❶۔

۸۹۔ شیخ محمد بن عیسیٰ جون پوری

شیخ محمد بن عیسیٰ بن تاج الدین بن بہاء الدین جون پوری' عالم کبیر اور شیخ زماں تھے۔ سلسلہ نسب حضرت محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ ماہ صفر ۷۸۰ھ (جون ۱۳۷۸ء) میں دارالسلطنت دہلی میں پیدا ہوئے اور حملۂ تیمور کے زمانے میں اپنے والد بزرگ وار شیخ عیسیٰ کے ساتھ دہلی سے نکلے اور جون پور پہنچے۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے تحصیل علم کی۔ قاضی موصوف ان سے بدرجہ غایت محبت رکھتے تھے۔ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب وہ ان سے علم حاصل کرتے اور اصول بزدوی کا درس لیتے تھے تو انھوں نے اپنے اس عزیز شاگرد کے لیے مبحث امر تک اصول بزدوی کی شرح لکھی۔ شیخ محمد نے ان ہی سے تمام علوم حاصل کیے اور بعد ازاں خود بھی طویل عرصے تک فرائض تدریس انجام دیتے رہے۔ اس اثنا میں ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ پھر ایک دور ایسا آیا کہ علمی بحث واشغال کا سلسلہ ترک کر دیا اور شیخ فتح اللہ اودھی کے حلقۂ بیعت میں داخل ہو گئے اور تمام وقت اللہ کی یاد میں بسر ہونے لگا اور ذکر الٰہی کو زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ ہر وقت اپنے حجرے میں بیٹھے رہتے۔ پانچ وقت کی نمازوں کے سوا باہر نہ نکلتے۔ نہ کسی کے پاس جاتے اور نہ کسی کے لیے اپنا دروازہ کھولتے۔ کامل چالیس برس ترک وتجرید کی زندگی اختیار کیے رکھی۔ سلاطین وامرا میں سے کسی کا ہدیہ اور نذرانہ قبول نہ کرتے۔:

منقول ہے کہ سلطان ابراہیم شرقی اور اس کا بیٹا سلطان محمود شرقی ان کے بے حد عقیدت مند تھے اور ان

❶ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۴۱۔۱۴۲۔ بحوالہ الانتصاح۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے فضل وکمال کے معترف تھے۔ وہ ہمیشہ اس بات کے متمنی رہے کہ شیخ کبھی ان سے بطور ہدیہ وتحفہ کوئی شے قبول فرمائیں لیکن وہ اس سے گریزاں رہے اور کبھی کوئی چیز قبول نہ کی۔

شیخ محمد بن عیسیٰ سے شیخ بہاء الدین جون پوری، شیخ مبارک بنارسی اور بہت سے لوگوں نے اخذ فیض کیا۔ اس معروف عالم دین نے ۱۴ ربیع الاول ۸۷۰ھ (۴ نومبر ۱۴۶۵ء) کو انتقال کیا۔ بعض حضرات نے ''سلطان طریقت'' سے تاریخ وفات نکالی ہے ❶۔

۹۰۔ مولانا محمد بن عین الدین بیجاپوری

مولانا محمد بن عین الدین بیجاپوری کبار علمائے عصر میں سے تھے۔ اپنے والد مکرم شیخ عین الدین سے کسب علم کیا اور کئی سال ان کی صحبت میں رہے۔ رفعت علمی اور مرتبہ فقاہت کی وجہ سے سلطان محمد شاہ بن علاء الدین حسن بہمنی کے دور حکومت میں گلبرگہ کے مفتی اکبر مقرر ہوئے اور اس مسند پر خاصی مدت فائز رہے۔ ۸۰۰ھ (۱۳۹۸ء) میں سلطان فیروز شاہ بہمنی کے زمانے میں کسی اور بڑے منصب پر فائز ہوئے ❷۔

۹۱۔ شیخ محمد بن قاسم اودھی

شیخ محمد بن قاسم بن برہان الدین اودھی، عالم وفقیہ، مرد صالح اور شیخ کامل تھے۔ تصوف وطریقت میں بھی بہرۂ وافر حاصل تھا۔ طریقہ چشتیہ، طریقہ مداریہ اور طریقہ سہروردیہ کے اکابر مشائخ میں سے تھے۔ ان کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے یہ تو لکھا ہے کہ وہ علم فقہ کے عالم تھے لیکن اس موضوع سے متعلق ان کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ طریقت وسلوک کے بارے میں ان کی ایک کتاب کا ذکر کیا گیا ہے جو آداب السالکین کے نام سے موسوم ہے۔

ان کی وفات سلطان سکندر بن بہلول لودھی کے عہد میں جمعرات کے روز ۱۷ محرم ۸۹۶ھ (۳۰ نومبر ۱۴۹۰ء) کو ہوئی ❸۔

۹۲۔ شیخ محمد بن قطب الدین لکھنوی

شیخ محمد بن قطب الدین بن عثمان صدیقی لکھنوی، شیخ مینا کے نام سے معروف تھے۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور وہیں شیخ قوام الدین عباسی کے ہاں تربیت پائی۔ فقہ حنفی کی مشہور کتابیں ہدایہ اور شرح وقایہ قاضی فرید الدین

❶ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۴۳، ۱۴۴ بحوالہ گنج ارشدی۔

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۴۵

❸ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۴۵، ۱۴۶۔ بحوالہ مسالک السالکین۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے پڑھیں۔ ابھی جوانی کی منزل میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ شیخ قوام الدین وفات پا گئے۔ ان کی وفات کے بعد صوفیا کی اصطلاح میں خرقہ تصوف شیخ سارنگ سے حاصل کیا' جو شیخ قوام الدین کے تلامذہ میں سے تھے۔ عوارف المعارف شیخ محمد بن ابوالبقا لکھنوی سے پڑھی۔ اللہ نے ان کو زہد و عبادت اور قناعت و استغنا کی دولت بے پایاں سے نوازا اور امور دنیا سے منقطع ہو کر یاد الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ تقویٰ و صالحیت میں ان کے عصر اور شہر کا کوئی شخص ان کا حریف نہ تھا۔ جو ریاضات شاقہ انھوں نے کیں اور ذکر الٰہی کے جن مرحلوں سے گزرے وہاں ہر انسان نہیں پہنچ سکتا۔ یوں سمجھیے کہ انھوں نے اپنے آپ کو ذکر الٰہی میں فنا کر دیا تھا۔ دن کو روزہ رکھتے' رات کو قیام کرتے۔

کوئی درپے آزار ہوتا اور اذیت پہنچاتا تو خفگی کا اظہار نہ کرتے۔ نہ اسے طعن و تشنیع کرتے بلکہ ایسے مواقع پر یہ اشعار پڑھتے۔

ہر کہ مارا یار نبود ایزد اورا یار باد
ہر کہ مارا رنج دادہ راحتش بسیار باد
ہر کہ اندر راہِ ماخاری نہد از دشمنی
ہر گلی کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

یعنی جو ہمیں دوست نہیں بناتا' اللہ اسے دوست بنا لے۔ جو ہمیں تکلیف پہنچائے اسے زیادہ راحت حاصل ہو۔ جو کسی دشمنی کی وجہ سے ہماری راہ میں کانٹے بچھاتا ہے' اس کی عمر کے باغ کا ہر پھول جو کھلتا ہے' وہ کانٹے کے بغیر ہو۔

شیخ سعد الدین خیر آبادی اپنے بعض رسائل میں لکھتے ہیں کہ میں بیس سال ان کی رفاقت میں رہا۔ میں نے ان کو ہمیشہ اس انداز سے قبلہ رو بیٹھے ہوئے پایا کہ گویا نماز میں ہیں۔ اس طویل مدت میں نہ تو ان کو پاؤں بچھاتے ہوئے دیکھا اور نہ پاؤں کھڑا کیے ہوئے۔ نہ کھانے کے کوئی چیز طلب کرتے سنا اور نہ عمدہ لباس پہنے ہوئے دیکھا۔ ہمیشہ قبلہ رخ بیٹھتے اور عبادت میں مستغرق رہتے۔

اس جلیل القدر عالم دین اور صاحب تصوف بزرگ نے ۲۳ ذی القعدہ باختلاف روایات ۸۷۴ھ یا ۸۸۴ھ یا ۸۸۸ھ کو وفات پائی اور لکھنؤ میں دفن کیے گئے [1]۔

۹۳۔ شیخ محمد بن یوسف حسینی دہلوی

شیخ محمد بن یوسف کا شجرۂ نسب یہ ہے: محمد بن یوسف بن علی بن محمد بن یوسف بن حسین بن محمد بن علی بن حمزہ بن داؤد بن زید بن ابوالحسن الجنیدی بن حسین بن ابوعبداللہ بن محمد بن عمر بن یحییٰ بن حسین ابوزید الشہید بن علی اصغر زین العابدین بن حضرت حسین بن حضرت علی بن ابوطالب..... ان کی کنیت ابوالفتح اور لقب صدر الدین تھا۔

[1] اخبار الاخیار' ص ۱۵۶۔ نیز دیکھیے' ص ۱۹۳ (در ذکر شیخ سعد الدین خیر آبادی) نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۴۶ تا ۱۴۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حلقہ اہل علم میں شیخ ابوالفتح صدرالدین محمد دہلوی کے نام سے معروف تھے مگر عام طور پر انھیں خواجہ بندہ نواز اور خواجہ گیسودراز کہا جاتا ہے۔

خاندان اور ولادت:

شیخ محمد بن یوسف کے آباو اجداد اصلاً ہرات کے رہنے والے تھے۔ ان کے بزرگوں میں سے کوئی صاحب دہلی آئے اور پھر وہیں اقامت گزین ہو گئے۔ دہلی اس زمانے میں مسلمان حکمرانوں کا دارالسلطنت تھا۔ شیخ محمد اسی شہر میں ۴ رجب ۷۲۱ھ (۳ جولائی ۱۳۲۱ء) کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد مکرم سید یوسف بن علی کو دہلی کے عوام وخواص میں سید راجا کہا جاتا تھا اور وہ شیخ نظام الدین اولیا کے مرید تھے۔ جوامع الکلم میں خود شیخ محمد کہتے ہیں:

پدر من زیاران شیخ نظام الدین بود [1]۔

میرے والد شیخ نظام الدین کے ارادت مندوں میں سے تھے۔

دہلی سے دولت آباد:

سلطان محمد تغلق نے ایک مرتبہ دہلی کے بجائے دولت آباد کو اپنا دارالسلطنت بنالیا تھا' جس کو دیوگیر بھی کہا جاتا تھا۔ اس زمانے میں اس کے حکم سے بہت سے علما و مشائخ اور امرا و زعما نے دہلی کی سکونت ترک کر کے دولت آباد میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ اس وقت شیخ محمد بن یوسف کی عمر صرف چار سال تھی۔ ان کے والدین بھی دولت آباد چلے گئے تھے۔ وہاں کے صوبے دار شیخ محمد کے ماموں ملک الامرا سید ابراہیم مستوفی تھے۔

شیخ محمد بن یوسف کے نانا بھی شیخ نظام الدین اولیا سے تعلق ارادت رکھتے تھے [2]۔

تعلیم:

والد مکرم اور جدامجد نے بچپن ہی میں ان کو حصول علم کی راہوں پر لگا دیا تھا۔ پہلے پہل خود ہی تعلیم دینا شروع کی تھی۔ ان بزرگوں کی تربیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ آٹھ سال کی عمر میں ان کی طبیعت دینیات کی طرف مائل ہو گئی اور وہ وضو اور نماز وغیرہ امور دینیہ میں مشغول رہنے اور دلچسپی لینے لگے۔ دس سال کے ہوئے تو ۷۳۱ھ (۱۳۳۱ء) میں والد مکرم دولت آباد میں انتقال کر گئے۔

والد کے انتقال کے بعد تعلیم و تربیت کی ذمہ داری نانا پر آ پڑی اور درسیات کی ابتدائی کتابیں ان ہی سے پڑھیں' لیکن مصباح اور قدوری کا درس ایک اور استاذ سے لیا۔

---

[1] جوامع الکلم' ص ۳۸

[2] ۔ محمدی' ص ۹

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر دہلی میں:

والد کے انتقال کے کچھ عرصے بعد ان کی والدہ کو اپنے بھائی ملک الامرا سید ابراہیم مستوفی سے کسی معاملے میں اختلاف پیدا ہو گیا اور وہ ان سے خفا ہو کر ۷۳۶ھ (۱۳۳۶ء) میں دولت آباد سے دہلی چلی گئیں۔ اس وقت سید محمد کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ دہلی میں وہ سلطان قطب الدین کی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے گئے تو وہاں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کو دیکھا۔ ان سے بہت متاثر ہوئے اور ۱۶ رجب ۷۳۶ھ (۲۸ فروری ۱۳۳۶ء) کو اپنے بھائی سید چندن کے ساتھ ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حصول علم کی تلقین:

چراغ دہلی سے بیعت کے بعد ذکر و فکر اور مراقبہ و مکاشفہ میں مشغول رہنے کرنے لگے تو ظاہری علوم کی تحصیل میں دل کشی باقی نہ رہی۔ اس زمانے میں وہ قاضی عبدالمقتدر کے حلقہ تلمذ میں شامل تھے۔ مرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر ترک تعلیم کا ارادہ ظاہر کیا اور علوم باطنی میں مشغول رہنے کے لیے عرض گزار ہوئے' مگر مرشد کو یہ بات ناگوار گزری اور علوم ظاہری کی تکمیل کی تلقین فرمائی اور حکم دیا کہ ہدایہ' اصول بزدوی' رسالہ شمسیہ' کشاف اور مصباح خوب غور سے پڑھو۔ چنانچہ مرشد کے حکم کے مطابق تعلیم کا سلسلہ بدستور جاری رکھا اور انیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ درسیات کی کچھ کتابیں مولانا سید شرف الدین کیتھلی سے' کچھ مولانا تاج الدین مقدم سے اور کچھ قاضی عبدالمقتدر بن رکن الدین شریحی کندی دہلوی سے پڑھیں۔ بلکہ زیادہ کتابیں قاضی عبدالمقتدر سے پڑھیں۔ یہاں تک کہ علم و فضل کے اونچے درجے پر پہنچے اور فتویٰ و تدریس کی اہلیت سے بہرہ ور ہوئے۔

گیسو دراز کے لقب کی وجہ:

سید محمد بن یوسف کا لقب گیسو دراز کیوں پڑا؟ اس سلسلے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں اور مفتی غلام سرور لاہوری خزینۃ الاصفیا میں رقم طراز ہیں کہ ایک مرتبہ دیگر مریدوں کے ساتھ اپنے مرشد شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی پالکی کو اٹھائے جا رہے تھے۔ ان کے بال بڑے بڑے تھے جو پالکی کے پایہ میں الجھ گئے۔ پالکی کو کندھے پر لے کر دور تک نکل گئے۔ پایہ میں بال الجھ جانے سے تکلیف ہوتی رہی لیکن مرشد سے بے پناہ محبت اور بدرجہ غایت تعظیم کی وجہ سے زبان سے کوئی لفظ نہ نکالا اور پالکی اٹھائے ہوئے اسی حالت میں دور تک چلے گئے۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کو اس کا علم ہوا تو مرید کی اس عقیدت اور جذبۂ محبت سے بہت خوش ہوئے اور یہ شعر پڑھا:

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد — واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

اس واقعہ کے بعد گیسو دراز مشہور ہو گئے [1]۔

[1] اخبار الاخیار' ص ۱۳۲۔ خزینۃ الاصفیا' ج ۱' ص ۳۸۱۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقاہت:

سید عبدالحی حسنی لکھنوی ان کی علمیت وفقاہت کے بارے میں نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں:

الشیخ الامام الکبیر العلامة الفقیه الزاهد.....❶

کہ (شیخ محمد بن یوسف) شیخ وقت' امام کبیر' علامہ' فقیہ اور زاہد وعابد تھے۔

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

وبرز فی الفضائل وتأهل للفتوی والتدریس وجمع بین العلم والعمل والزهد والتواضع واحسن السلوك' ووضع الله سبحانه له المحبة فی قلوب عباده لما اجتمع فیه من خصال الخیر.....❷

یعنی ان میں بہت سے فضائل واوصاف آشکار ہو گئے۔ افتاوتدریس کی خوبیاں پیدا ہو گئیں' علم وعمل کی نعمت سے نوازے گئے۔ زہد وتقویٰ' تواضع اور حسن سلوک ان کی ذات میں جمع ہو گئے اور خصال محمودہ کے حامل ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دی۔

سید عبدالحی مرحوم ان کے علم وفضل سے متعلق مزید رقم طراز ہیں:

وکان عالماً کبیرا عارفاً' قوی النفس' عظیم الهیبة' جلیل الوقار' جامعاً بین الشریعة والطریقة' ورعاً' تقیاً' زاهداً' غواصاً فی بحار الحقائق والمعارف' له مشارکة جیدة فی الفقه والتصوف والتفسیر وفنون اخریٰ.....❸

یعنی وہ بہت بڑے عالم' عارف باللہ' قوی النفس' بہت بارعب' بے حد باوقار' جامع شریعت و طریقت' زیور ورع وتقویٰ سے مزین' زاہد وعابد' حقائق ومعارف کے غواص اور تفسیر' فقہ' تصوف اور دیگر علوم وفنون میں اونچے مرتبہ پر فائز تھے.....

افضلیت صحابہ رضوان اللہ علیہم:

شیخ محمد بن یوسف صحابہ کرام اور خلفائے اربعہ رضوان اللہ علیہم کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے؟ اس سلسلے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی خود ان ہی کے الفاظ نقل فرماتے ہیں:

---

❶ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۵۲۔

❷ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۵۳۔

❸ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۵۴۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرمود چوں در مسائل کلامیہ سخن در فضل صحابہ افتد من ہیچ مباحثہ شروع نکنم۔ اما بر مخلصان اصحاب وقتے اگر بحثے کردہ ام بعد از تاکید و سوگند عقیدۂ من بہ دل راست است کہ افضل صحابہ ابوبکرؓ ثم عمرؓ ثم عثمانؓ ثم علی۔ امام بحث لفظی ہر آنچہ آمد گفتہ می شود و با خلق بیگانہ ایں قدر بہم نہ کردہ ام ❶۔

یعنی (سید محمد بن یوسف) فرماتے ہیں کہ جب کبھی افضلیت صحابہ کا ذکر چھڑا تو میں نے کسی بحث میں حصہ نہیں لیا۔ البتہ مخلص لوگوں سے دوران بحث بخدا یہ ضرور کہا ہے اور اب بھی صدق دل سے کہتا ہوں کہ صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ ان کے بعد حضرت عمرؓ ان کے بعد حضرت عثمان اور ان کے بعد حضرت علی ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

البتہ لفظی بحث بہ وقت ضرورت بہر حال کی جاتی ہے اور میں ان کبار صحابہ کی گونا گوں برکتوں اور ان کے نوع بنوع کارناموں سے لوگوں کو بے گانہ و ناشناس نہیں رکھ سکتا۔

تصنیفات:

شیخ محمد بن یوسف متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ایک روایت کے مطابق مختلف عنوانات و مسائل سے متعلق عربی اور فارسی میں انھوں نے ایک سو پچیس کتابیں تصنیف کیں ❷۔ ان میں سے چند اہم تصنیفات یہ ہیں۔

۱۔ تفسیر قرآن مجید: یہ تفسیر انھوں نے تفسیر کشاف کے انداز پر لکھنا شروع کی تھی لیکن مکمل نہ ہو سکی۔ صرف پانچ پاروں تک ہی لکھ پائے تھے کہ یہ سلسلہ بند ہو گیا۔

۲۔ ملتقط: یہ صوفیانہ رنگ میں قرآن مجید کی تفسیر ہے۔

۳۔ حواشی کشاف: یہ تفسیر کشاف پر حواشی ہیں۔

۴۔ شرح مشارق: یہ حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار کی شرح ہے۔

۵۔ ترجمہ مشارق: یہ مشارق الانوار کا فارسی ترجمہ ہے۔

۶۔ رسالہ سیر النبی ﷺ۔

۷۔ شرح فقہ اکبر: عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں ہے۔

۸۔ شرح تعرف: یہ شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم بخاری کی تصنیف تعرف کی شرح ہے۔

۹۔ معارف: یہ تصوف کے موضوع پر شیخ شہاب الدین سہروردی کی معروف تصنیف عوارف المعارف کی شرح ہے۔

۱۰۔ ترجمہ عوارف: یہ عوارف المعارف کی فارسی زبان میں شرح ہے۔ مگر ترجمہ عوارف کے نام سے معروف ہے۔

---

❶ اخبار الاخیار، ص ۱۳۳

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۵۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۱۔ شرح آداب المریدین: یہ شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی کی مشہور تصنیف آداب المریدین کی عربی زبان میں شرح ہے۔

۱۲۔ شرح آداب المریدین: یہ بھی اسی کتاب کی شرح ہے اور فارسی زبان میں ہے۔

۱۳۔ شرح فصوص الحکم: شیخ محی الدین ابن عربی کی مشہور تصنیف فصوص الحکم کی شرح ہے۔

۱۴۔ شرح تمہیدات عین القضاۃ ہمدانی: یہ شیخ ابوالمعانی عبداللہ المعروف بہ عین القضاۃ کی تصوف سے متعلق معروف کتاب تمہیدات کی شرح ہے۔

۱۵۔ ترجمہ رسالہ قشیریہ: یہ شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری کے رسالے کا فارسی ترجمہ ہے۔

۱۶۔ حواشی قوت القلوب: یہ شیخ ابوطالب محمد بن ابوالحسن بن علی کی مشہور تصنیف قوت القلوب پر حواشی ہیں۔

۱۷۔ رسالہ استقامت الشریعت بطریقہ الحقیقت: اس میں شریعت' طریقت اور حقیقت کے متعلق بحث کی گئی ہے۔ اس کا ذکر انڈیا آفس لائبریری کے فارسی مخطوطات میں بھی موجود ہے۔

یہ ان کی چند تصنیفات ہیں۔ ان کے علاوہ بھی وہ بہت سی کتابوں کے مصنف' شارح اور مترجم تھے۔ ان کتابوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کتنے بڑے عالم تھے اور عربی اور فارسی کے مختلف علوم وفنون پر ان کی نظر کتنی گہری تھی۔

اولاد:

سید محمد رحمہ اللہ کی شادی چالیس سال کی عمر میں سید احمد بن مولانا جمال الدین مغربی کی صاحب زادی بی بی رضا خاتون سے ہوئی۔ ان سے دولڑکے سید حسین عرف سید محمد اکبر حسینی اور سید یوسف عرب سید محمد اصغر حسینی تولد ہوئے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ دونوں لڑکے جلیل القدر عالم دین تھے اور معقولات ومنقولات کی تعلیم دہلی کے نامور اساتذہ قاضی عبدالمقتدر شریکی کندی دہلوی' مولانا خواجگی نحوی' مولانا محمد اور مولانا نصیر الدین قاسم سے حاصل کی تھی۔

سید محمد بن یوسف اپنے بڑے لڑکے سید حسین عرف سید محمد اکبر کے ظاہری اور روحانی کمالات سے بہت متاثر تھے۔ فرمایا کرتے' اگر محمد اکبر میرا لڑکا نہ ہوتا تو میں اس کے لیے لوٹے میں پانی بھر بھر کر لاتا۔

سید محمد اکبر متعدد عربی اور فارسی کتابوں کے مصنف تھے جن میں سے چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ شرح ملتقط: یہ ان کے والد بزرگ وار کی قرآن مجید کی تفسیر ملتقط کی شرح ہے۔

۲۔ معارف: یہ علم نحو پر عربی زبان میں ایک رسالہ ہے۔

۳۔ رسالہ علم صرف: یہ علم صرف سے متعلق ایک رسالہ ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ رسالہ مسئلہ زبان فارسی:

۵۔ اپنے والد مکرم شیخ محمد بن یوسف کے ملفوظات کے دو مجموعے مرتب کیے جن میں سے ایک کا نام جوامع الکلم ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے۔

سید محمد اکبر ۸۱۱ھ (۱۴۰۸ء) میں اپنے والد کے خلیفہ مقرر ہوئے لیکن سات مہینے بعد گلبرکہ میں وفات پا گئے۔ والد نے اپنے ہاتھ سے ان کو غسل دیا اور خود ہی تجہیز و تکفین کی۔

دوسرے صاحب زادے سید یوسف عرف سید محمد اصغر حسینی اپنے والد کے خلیفہ و جانشین ہوئے۔ انھوں نے ان کے انتقال کے بعد گلبرکہ میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔

گلبرگہ میں قیام:

سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ تقریباً چوالیس (۴۴) سال دہلی میں اقامت گزیں رہے اور ۸۰۱ھ (۱۳۹۹ء) میں حملۂ تیمور کے زمانے میں دہلی سے گلبرکہ تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۸۰ برس کی تھی۔ انھوں نے برصغیر پاک و ہند کے متعدد ملوک و سلاطین کا دور دیکھا، جن میں سلطان محمد تغلق، سلطان فیروز شاہ تغلق، فرماں روائے دکن فیروز شاہ بہمنی اور احمد شاہ بہمنی شامل ہیں۔ یہ حکمران ان کے زہد و اتقا اور علم و فضل سے بے حد متاثر تھے۔

وفات:

سید محمد بن یوسف ۸۰۱ھ (۱۳۹۹ء) میں دہلی سے چلے اور مختلف بلاد و قصبات سے ہوتے ہوئے گلبرگہ پہنچے۔ اس زمانے میں دکن کے تخت حکومت پر فیروز شاہ بہمنی متمکن تھا۔ اس نے ان کی بدرجہ غایت پذیرائی کی اور بہت ہی عزت و احترام سے پیش آیا۔ سید موصوف قیام گلبرکہ کے دوران میں عرصے تک درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے اور لوگوں کی علمی و روحانی تربیت کا اہتمام کرتے رہے۔

اس عظیم عالم و فقیہ اور برصغیر پاک و ہند کے نامور صوفی نے ایک سو چار برس عمر پا کر ۱۶ ذی القعدہ ۸۲۵ھ (یکم نومبر ۱۴۲۲ء) کو سلطان احمد شاہ بہمنی کے دور حکومت میں گلبرگہ میں وفات پائی۔ وفات کے موقعے پر ان کے خلیفہ شیخ ابوالفتح نے کہا:

ایں مصیبت دین است

ان کی تاریخ وفات "مخدوم دین و دنیا" سے نکلتی ہے[1]۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اخبار الاخیار، ص ۱۳۱ تا ۱۳۶۔ تاریخ فرشتہ، ج اور تذکرہ سلطان احمد شاہ بہمنی۔ خزینۃ الاصفیا، ج ۱، ص ۳۸۱۔ بزم صوفیہ، ص ۴۸۳ تا ۵۲۰۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۵۲ تا ۱۵۶۔ سیر محمدی۔ جامع الکلم۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۴۔ قاضی محمد ساوی

قاضی محمد بن ابو محمد صوفی ساوی۔ فقہ، اصول فقہ اور علوم عربیہ میں ماہر کامل تھے۔ بحر تصوف وطریقت کے شناور تھے۔ ظاہری علوم سے تعلق اور قلبی لگاؤ کا یہ عالم تھا کہ زندگی بھر درس وتدریس میں مشغول رہے۔ بہت سے لوگوں نے ان کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیا۔

سلوک وتصوف میں سلسلہ چشتیہ سے منسلک تھے اور اس سلسلے کے کبار مشائخ میں سے گردانے جاتے تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے مستفیض تھے۔ طویل عرصے تک ان کی صحبت کا شرف حاصل کیا اور علم و معرفت کی بلندیوں تک پہنچے۔ خود ان سے شیخ اختیار الدین عمر ایرجی اور خلق کثیر نے استفاضہ کیا۔

ان کی وفات ۸۰۱ھ (۱۳۹۹ء) میں ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق ۱۴ محرم ۸۰۹ھ (یکم جولائی ۱۴۰۶ء) کو سفر آخرت پر روانہ ہوئے اور شہر ایرج میں دفن کیے گئے ❶۔

۹۵۔ شیخ محمد بن ابو محمد دریابادی

شیخ محمد بن ابو محمد قدوائی دریابادی اپنے زمانے کے نامور عالم وفقیہ اور معروف شیخ تھے۔ قاضی عبدالکریم قدوائی اودھی کی نسل سے تھے۔

شیخ ابوالفتح بن عبدالحی بن عبدالمقتدر کندی جون پوری کے شاگرد تھے۔ ان کی تدریسی مساعی کا سلسلہ بہت وسیع تھا، جس سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا اور علم وتحقیق کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ اس عالم دین نے ۸۰۴ھ (۱۴۰۲ء) میں وفات پائی ❷۔

۹۶۔ قاضی محمد اکرم گجراتی

قاضی محمد اکرم گجراتی عالم وفقیہ اور شیخ وقت تھے۔ گجرات (کاٹھیاواڑ) کے علاقے میں فقہ اور اصول فقہ میں مرجع انام تھے۔ نہروالا میں قاضی القضاۃ کے منصب بلند پر فائز تھے۔ مفتی رکن الدین ناگوری (مصنف فتاویٰ حمادیہ) نے فتاویٰ حمادیہ کے مقدمے میں ان کے مرتبہ علمی کی بہت تعریف کی ہے۔ اور ''الامام العالم ونعمان الثانی وناقد المعقول والمنقول'' وغیرہ بلند القاب کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے ❸۔

---

www.KitaboSunnat.com

❶ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۵۶، ۱۵۷ بحوالہ مہر جہاں تاب۔

❷ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۵۷ بحوالہ مہر جہاں تاب۔

❸ مقدمہ فتاویٰ حمادیہ و نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۵۷ نیز ملاحظہ ہو برصغیر پاک وہند میں علم فقہ، ص ۱۳۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۷۔ شیخ محمود بن عبداللہ بخاری

شیخ محمود بن عبداللہ بن محمود بن حسین حسینی بخاری۔ ان کا لقب ناصر الدین تھا اور کنیت ابوالحسن تھی۔ شیخ ناصر الدین ابوالحسن گجراتی کے نام سے معروف تھے۔ ۲۳ رمضان المبارک ۸۰۹ھ (۳ مارچ ۱۴۰۷ء) کو علاقہ گجرات کے مردم خیز شہر پٹن میں پیدا ہوئے۔ والدہ ماجدہ کا نام سلطان خاتون تھا جو خداوند خاں گجراتی کی بیٹی تھیں۔

شیخ محمود کے والد شیخ عبداللہ بھی جید عالم تھے۔ انھوں نے اپنے والد سے کسب علم کیا اور فقہ کے جلیل القدر عالم ہوئے۔ علم کے علاوہ تقویٰ وصالحیت میں بھی اپنا ایک مقام رکھتے تھے اور تصوف سے گہرا تعلق تھا۔ ارض گجرات کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ ان کے والد گرامی قدر بھی راہ رو سلوک وطریقت تھے۔ والد کی وفات کے بعد ان کی جگہ مسند مشیخت پر متمکن ہوئے۔ خلق کثیر نے ان سے کسب فیض اور اخذ علم کیا۔ ماہ ذی القعدہ ۸۸۰ھ (مارچ ۱۴۷۶ء) میں ایک گاؤں بٹوہ میں وفات پائی [1]۔

۹۸۔ شیخ محمود بن علاء الدین نصیر آبادی

شیخ محمود بن علاء الدین بن قطب الدین حسنی حسینی نصیر آبادی، شیخ الاسلام قطب الدین محمد بن احمد حسنی مدنی کی اولاد سے تھے۔ عالم وفقیہ اور شیخ زمان تھے۔ مہد علم میں پیدا ہوئے اور مشیخت وسلوک کی گود میں تربیت پائی۔ ان کے والد بزرگ وار شیخ علاء الدین بھی نامور عالم دین تھے اور نصیر آباد کے قاضی تھے۔ ان کی وفات کے بعد ۷۸۷ ہجری (۱۳۸۵ء) میں نصیر آباد کے منصب قضا پر فائز ہوئے۔ علم فقہ میں مہارت رکھتے تھے۔ فقہ کے علاوہ دیگر علوم وفنون میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ ۸۶۸ھ (۱۴۶۴ء) میں نصیر آباد میں فوت ہوئے [2]۔

۹۹۔ شیخ محمود بن محمد دہلوی

شیخ محمود بن محمد دہلوی کا لقب سعد الدین تھا اور کنیت ابوالفضائل تھی۔ شیخ ابوالفضائل سعد الدین کے نام سے معروف تھے۔ عالم کبیر اور علامہ دہر تھے۔ فقہ اور اصول فقہ میں مہارت کا یہ عالم تھا کہ اصول فقہ سے متعلق حافظ الدین نسفی یعنی شیخ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد المعروف بہ حافظ الدین نسفی (متوفی ۸۱۰ھ) کی تصنیف المنار کی شرح سپرد قلم کی اور اس کا نام افاضۃ الانوار فی اضاءۃ اصول المنار رکھا۔ یہ کتاب الحمد لله الذی الهمنا معالم الاسلام..... الخ کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ اس عالم وفقیہ نے ۸۹۱ھ (۱۴۸۶ء) میں انتقال کیا [3]۔

---

[1] نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۵۹، ۱۶۰۔ بحوالہ مرآت احمدی۔

[2] نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۶۰ بحوالہ مآثر السادات۔

[3] کشف الظنون، ج ۲، ص ۱۸۲۳، ۱۸۲۴۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۶۷۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۰۰۔ شیخ مودود بن محمد گجراتی

شیخ مودود بن محمد بن یوسف بن سلیمان عمری اجودھنی نے شیخ رکن الدین ابوالمظفر نہروالی گجراتی کے نام سے شہرت پائی۔ ۷۰۵ھ (۱۳۰۶ء) میں پیدا ہوئے۔ عابد و زاہد اور فقیہ عصر تھے۔ شیخ فرید الدین مسعود اجودھنی کی اولاد سے تھے اور کبار مشائخ چشتیہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ ریاضت و مجاہدہ، قناعت و توکل، خشیت الٰہی اور زہد و ورع میں اپنی مثال آپ تھے۔ گلزار ابرار میں مرقوم ہے کہ ۲ شوال ۸۱۱ھ (۱۸ فروری ۱۴۰۹ء) کو علاقہ گجرات کے شہر پٹن میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے، لیکن مرأت احمدی کی روایت کے مطابق تاریخ وفات ۲۲ شوال ۸۴۲ھ (۷ اپریل ۱۴۳۹ء) ہے [1]۔ ان کی کسی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا۔ غالباً یہ مسائل فقہ میں مہارت تو رکھتے تھے، لیکن مصنف نہ تھے۔

ن

۱۰۱۔ مولانا نجم الدین گلبرگوی

مولانا نجم الدین گلبرگوی عالم و فاضل، فقہ، اصول فقہ اور علوم عربیہ میں ماہر تھے۔ سلطان احمد شاہ بہمنی کے عہد میں فوجی ٹھکانوں کے مفتی اور اس کے مقرب و ندیم تھے۔ جرأت مند، دلیر، عاقل اور صاف گفتار تھے۔ سچ بات کہنے میں کسی قسم کی ملامت اور خوف کو دامن گیر نہ ہونے دیتے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ جب احمد شاہ نے ہوشنگ شاہ سے لڑائی کے لیے مندوہ کا قصد کیا تو انھوں نے اس کو اس اقدام سے روکا اور لڑائی سے باز رہنے کی تاکید کی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو آپس میں نہیں لڑنا چاہیے۔ مگر ہوشنگ شاہ آگے بڑھا اور قریب تھا کہ لڑائی شروع ہو جائے لیکن احمد شاہ بہمنی نے قدم روک لیے اور لڑائی کا ارادہ ترک کر کے اپنے علاقے میں واپس آ گیا [2]۔

۱۰۲۔ قاضی نصیر الدین گنبدی

قاضی نصیر الدین دہلوی جون پوری (یا گنبدی) دار السلطنت دہلی میں پیدا ہوئے اور قاضی عبد المقتدر بن رکن الدین شریکی کندی سے علم حاصل کیا۔ قاضی ممدوح ان پر انتہائی شفقت فرماتے اور بڑی محنت سے پڑھاتے تھے۔ وہ اپنے اس شاگرد کی ذہانت و قابلیت سے بہت متاثر تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد دہلی میں

[1] نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۷۰، ۱۷۱

[2] تاریخ فرشتہ، ج ۱، ص ۵۰۰، ۵۰۱۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۷۵۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسند تدریس بچھائی اور طویل عرصے تک اس پر متمکن رہے۔ پھر حملہ تیمور کے زمانے میں جون پور چلے گئے اور وہاں کے منصب قضا پر فائز ہوئے۔ کئی سال یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ علامہ زمان' فاضل عصر اور شیخ وقت تھے۔ فقہ' اصول فقہ' علم نحو اور دیگر علوم عربیہ میں مہارت رکھتے تھے۔ دہلی میں بھی اپنے علم و فضل کی وجہ سے مرجع علما و طلبا تھے اور جون پور میں بھی بلند علمی مقام اور منصب قضا پر متعین ہونے کی بنا پر مرکز خلائق کی حیثیت حاصل تھی۔ مگر جون پور میں ایک ایسا وقت آیا کہ مسند قضا ترک کر دی' لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لی' حکومت کی خدمت سے دست بردار ہو گئے اور سب اطراف سے منقطع اور الگ ہو کر اپنے حجرے میں بیٹھ گئے اور زہد و عبادت کو زندگی کا اصل مقصد قرار دے لیا۔

ان کے علم و فضل کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے جون پور میں علم نحو کی کتاب' الارشاد تصنیف کی تو ان کی خدمت میں لائے اور اس کو داخل نصاب کرنے اور طلبا کو باقاعدہ پڑھانے کی درخواست کی۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ کتاب علمی حلقوں میں پھیل جائے گی اور لوگوں میں اس کی پذیرائی ہو گی۔ قاضی نصیر الدین نے کتاب دیکھی تو اس کی تحسین کی اور فرمایا یہ کتاب کسی تعارف و مقبولیت کے لیے داخل نصاب ہونے کی محتاج نہیں ہے۔ ان الفاظ سے مقصد یا تو فی الواقع کتاب کی تحسین و توصیف تھا یا وہ اس کے کچھ مباحث سے اختلاف رکھتے تھے اور اس کا اظہار ضروری نہ سمجھتے تھے' لہٰذا اس مسئلے میں بحث و نزاع میں جانا مناسب نہ سمجھا اور اتنی سی بات کہہ کہ مزید گفتگو کا دروازہ بند کر دیا۔

ان سے کسب فیض اور اخذ علم کرنے والوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔

اس عظیم المرتبت عالم دین نے ۳ صفر ۸۱۷ھ (۲۵ مارچ ۱۴۱۴ء) کو جون پور میں وفات پائی اور وہیں دفن کیے گئے [1]۔

غالباً یہ کسی کتاب کے مصنف نہ تھے' البتہ فقہ و اصول اور دیگر علوم میں یکتا تھے۔

۱۰۳۔ قاضی نظام الدین غزنوی

قاضی نظام الدین غزنوی کا سلسلہ نسب یہ ہے: نظام الدین بن صدر الدین حسین بن احمد بن محمد بن احمد بن علی بن محمد بن حسین بن حسن زیبی مدنی غزنوی۔ ان کا سلسلہ نسب علی بن عبداللہ بن جعفر ہاشمی زیبی تک پہنچتا ہے۔ ان کے اجداد میں سے حسین بن حسن مدنی' سلطان ابراہیم بن مسعود کے عہد حکومت میں غزنی آئے تھے۔ شیخ نظام الدین غزنی میں پیدا ہوئے' وہیں نشو و نما پائی اور اپنے والد مکرم شیخ صدر الدین حسین اور دیگر علمائے عصر سے علم حاصل کیا۔ ان کے والد غزنی کے قاضی القضاۃ تھے جو تمام عمر اس منصب پر فائز رہے۔ غالباً ۸۱۷ھ (۱۴۱۴ء)

[1] اخبار الاخیار' ص ۱۸۱۔ تذکرۂ علمائے ہند' ص ۲۳۸۔ نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۷۲' ۱۷۳۔ تاریخ شیراز ہند جون پور' ص ۶۲۷' ۶۲۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ان کا انتقال ہوا۔ والد کے انتقال کے بعد شیخ نظام الدین غزنی سے وارد ہند ہوئے اور جون پور میں آئے۔ وہاں قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے ملاقات ہوئی تو وہ ان کی بوقلموں علمی صلاحیتوں سے متاثر ہوئے اور انھیں سلطان ابراہیم مشرقی کے پاس لے گئے۔ اس نے ان کو مچھلی شہر کا قاضی مقرر کر دیا۔ بہت بڑے عالم اور شیخ تھے اور فقہ، اصول فقہ اور علوم عربیہ کے ماہر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان ابراہیم شرقی اور اس نواح کے علما و زعما ان کی بے حد قدر کرتے تھے۔ مستقل سکونت مچھلی شہر میں اختیار کر لی تھی۔ ہندوستان کے مختلف گوشوں میں ان کی اولاد و احفاد پھیلی اور علمی اعتبار سے بڑے اثر و رسوخ کی حامل ہوئی ❶۔

اس جلیل القدر عالم دین اور معروف فقیہ کی نہ تو تاریخ وفات کا علم ہو سکا ہے اور نہ ان کی کسی تصنیف کا پتا چلا ہے۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ یہ نویں صدی ہجری کے برصغیر کے عظیم اور مقتدر عالم دین تھے۔

۱۰۴۔ مولانا نورالدین ظفر آبادی

مولانا نورالدین بن اسدالدین ❷ بن تاج الدین حسینی واسطی ظفر آبادی کی کنیت ابو محمد تھی۔ ۱۶ ذی الحجہ ۷۳۴ھ (۱۷ اگست ۱۳۳۴ء) کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ فقہ، اصول فقہ اور صرف و نحو کے علوم مولانا قیام الدین ظفر آبادی سے حاصل کیے۔ ان سے ایک ہزار چالیس احادیث بھی حفظ کیں۔ علم تفسیر بھی ان سے پڑھا۔ علم حدیث کی تحصیل کے لیے مولانا نظام الدین علامی کی خدمت میں حاضری دی۔ اپنے وقت کے نامور فاضل اور شیخ تھے۔ صالحیت و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ اس زمانے کے علما و فقہا کو تصوف و طریقت سے بھی لگاؤ تھا۔ چنانچہ یہ بھی راہ سلوک کے مسافر ہوئے اور اپنے والد ماجد شیخ اسدالدین سے جو علم طریقت کے ماہر تھے، اخذ طریقت کیا۔ علاوہ ازیں تصوف کے موضوع پر ان سے فصوص الحکم اور عوارف المعارف کا درس لیا۔ بعد ازاں سلسلہ تدریس شروع کیا اور افادۂ طلبا میں مشغول ہو گئے۔ اپنے شیوخ و اساتذہ کی طرح بہت کم سوتے، کم کھاتے اور کم گفتگو کرتے۔ یعنی تقلیل منام، تقلیل طعام اور تقلیل کلام کے عادی تھے۔ ۲۴ صفر ۸۲۶ھ (۶ فروری ۱۴۲۳ء) کو ظفر آباد میں سلطان حسین شرقی کے عہد میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے ❸۔

---

❶ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۷۶، ۱۷۷۔

❷ شیخ اسدالدین ۲۹ رجب ۷۶۱ھ (۸ جون ۱۳۶۳ء) کو واسط میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں والدین کے ساتھ وارد ہند ہوئے۔ کچھ دن دہلی میں مقیم رہے۔ پھر کڑھ مانک پور تحصیل منجھن پور ضلع الٰہ آباد (یو۔پی۔ ہند) میں قیام پذیر ہوئے۔ بیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے تھے۔ حافظ قرآن اور قاری ہفت قرأت تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ کے جید عالم تھے۔ طریقت و تصوف سے بھی لگاؤ تھا۔ ۱۶ جمادی الاولیٰ ۷۹۳ھ (۱۲ اپریل ۱۳۹۱ء) کو وفات پائی۔ (تاریخ شیراز ہند جون پور، ص ۹۳۸ تا ۹۴۴)

❸ تاریخ شیراز ہند جون پور، ص ۹۵۱۔ نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۷۷، ۱۷۸۔ بحوالہ تجلی نور۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ی

۱۰۵۔ یوسف شاہ بنگالی

یوسف بن باربک شاہ بن ناصر الدین بھنگرہ' شاہ بنگالہ سلطان شمس الدین بھنگرہ متوفی ۷۵۱ھ (۱۳۵۰ء) کی نسل سے تھے۔ اپنے والد سلطان باربک شاہ کی وفات کے بعد ۸۷۹ھ (۱۴۷۴ء) میں بنگال کے تخت حکومت پر متمکن ہوئے۔ نہایت عادل' نیکوکار' کریم النفس' فاضل اور عالم بادشاہ تھے۔ علم اور عمل دونوں خوبیوں کے جامع تھے۔ ان کی نیک شہرت سے اثر پذیر ہو کر ہر ناحیہ ملک کے علما ان کے پاس آ گئے تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کا اصول حکومت تھا۔ یہ بادشاہ کم اور عالم دین زیادہ تھے۔ ان کے دائرۂ مملکت میں کوئی شخص حدود شرع سے باہر قدم رکھنے کا مجاز نہ تھا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ملک کے قضات و صدور کو جمع کر کے انھیں عدل و احسان کی تلقین کرتے۔ علم فقہ کے ماہر تھے۔ کسی فقہی مسئلے سے متعلق فیصلہ دینے میں قضات عاجز یا متحیر ہو جاتے تو سلطان یوسف فوراً اس فقہی مسئلے کو حل کر دیتے۔ سات سال چھ ماہ حکومت کر کے ۸۸۷ھ (۱۴۸۲ء) میں فوت ہوئے [1]۔

ان کا ذکر فقہا و علما کے ضمن میں اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ بادشاہ ہونے کے ساتھ نامور فقیہ اور عالم دین بھی تھے اور نویں صدی ہجری کے برصغیر میں فقہی اعتبار سے انھیں اونچا مقام حاصل تھا۔

[1] تاریخ فرشتہ' ج ۲' ص ۴۷۶ (طبع نول کشور لکھنؤ ۱۹۳۳) نزہۃ الخواطر' ج ۳' ص ۱۸۰' ۱۸۱

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مراجع ومصادر

اس کتاب کی تصنیف میں مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا:

1- ابجد العلوم۔ نواب صدیق حسن خاں۔ مطبع صدیقیہ بھوپال۔ ۱۲۹۵ھ۔
2- ابن خلدون اینڈ تیمور لنگ (انگریزی) والٹیر جے۔ فشل۔ کیلیفورنیا یونیورسٹی۔ ۱۹۵۲ء۔
3- اتحاف النبلاء۔ نواب صدیق حسن خان۔ مطبع نظامی۔ کان پور۔
4- اخبار الاخیار (فارسی) شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۳۲ھ۔
5- اخبار الاخیار (اردو ترجمہ از مولانا اقبال الدین احمد) دارالاشاعت کراچی۔ ۱۹۶۳ء۔
6- ادبی دنیا۔ کشمیر نمبر لاہور۔ شمارہ مارچ، اپریل ۱۹۶۶ء۔
7- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۴ کراسہ ۱۵۔ زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب۔ لاہور۔ مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی پریس لاہور ۱۹۶۱ء۔
8- ایضاح الممکنون فی الذیل علی کشف الظنون۔ اسماعیل پاشا۔ مطبع بہیہ استنبول، ۱۹۴۵ء/۱۳۶۴ھ۔
9- برصغیر پاک وہند میں علم فقہ۔ محمد اسحاق بھٹی۔ ناشر بیت الحکمت لاہور۔
10- بزم تیموریہ، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، دارالمصنفین اعظم گڑھ۔
11- بزم صوفیہ۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، دارالمصنفین اعظم گڑھ۔
12- تاریخ تحفۃ الکرام جلد اول، دوم، سوم، مطبع حسینی، اثنا عشری، محلہ فراش خانہ وزیر گنج لاہور، ۱۳۰۴ء و مطبع ناصری واقع دلھاتی۔
13- تاریخ فرشتہ (فارسی) محمد قاسم فرشتہ، مطبع نول کشور لکھنؤ۔
14- تاریخ فرشتہ (فارسی) محمد قاسم فرشتہ، مطبوعہ بمبئی
15- تاریخ فرشتہ (اردو ترجمہ) مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۹۳۳ء
16- تاریخ فیروز شاہی، ضیاء الدین برنی مطبوعہ۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۶۲ء
17- تاریخ فیروز شاہی، شمس سراج عفیف، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ۱۹۳۸ء
18- تاریخ مبارک شاہی یحییٰ بن احمد سرہندی، تصحیح، محمد ہدایت حسین۔ ناشر: ایشیاٹک سوسائٹی بنگال۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۹۳۱ء
19- تاریخی معصومی۔ میر محمد معصوم بھکری، ناشر: سندھی ادبی بورڈ، کراچی۔ ۱۳۸۴ھ۔ ۱۹۶۴ء
20- تاریخ طاہری۔ سید طاہر محمد نسیانی ٹھٹھوی۔ ناشر: سندھی ادبی بورڈ، حیدر آباد سندھ ۱۳۸۴ھ۔ ۱۹۶۴ء
21- تاریخ کشمیر اعظمی، خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کشمیری۔ ناشر: غلام محمد نور محمد تاجران کتب، سری نگر۔
22- تاریخ شیراز ہند جون پور، سید اقبال حسین، ناشر: ادارہ شیراز ہند، پبلشنگ ہاؤس، جون پور، ۱۹۶۳ء۔
23- تحفۃ الکرام، میر علی شیر قانع، ناشر: سندھی ادبی بورڈ، کراچی۔
24- تذکرہ صوفیائے بنگال۔ اعجاز الحق قدوسی، ناشر: مرکزی اردو بورڈ لاہور۔
25- تذکرہ عالم، جلد ا، بلاقی داس، میور پریس دہلی، ۱۹۰۸ء
26- تذکرہ علمائے ہند (فارسی) مولوی رحمان علی، مطبع نول کشور لکھنؤ، ۱۹۱۴ء۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

27- تذکرۂ علمائے ہند (اردو ترجمہ از محمد ایوب قادری) ناشر: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی۔
28- تزک بابری، فارسی ترجمہ از خان خاناں، بیرم خاں، مطبوعہ بمبئی، ۱۳۰۸ھ۔
29- تزک تیموری، مطبع فتح الکریم بمبئی۔ ۱۳۰۷ھ۔
30- تزک تیموری، مطبع کریمی، بمبئی، ۱۳۲۶ھ۔
31- تزک تیموری (اردو ترجمہ از سید ابوالہاشم ندوی) سنگ میل پبلیکیشنز لاہور۔
32- تمدن ہند پر اسلامی اثرات، ڈاکٹر تاراچند، ترجمہ: محمد مسعود احمد، ناشر: مجلس ترقی ادب لاہور۔
33- جامع ترمذی، امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ۔
34- جوامع الکلم، ملفوظات سید محمد بندہ نواز گیسودراز مطبوعہ حیدر آباد (دکن)
35- حدائق الحنفیہ۔ مولوی فقیر محمد جہلمی۔ مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء۔
36- خزینۃ الاصفیاء، مفتی غلام سرور لاہوری، مطبع نول کشور، لکھنؤ۔
37- خزینۃ الاصفیا (جلد اول) اردو ترجمہ از مفتی محمود عالم ہاشمی و علامہ اقبال احمد فاروقی، ناشر: مکتبہ المعارف لاہور، ۱۳۹۲ھ۔
38- رود کوثر، شیخ محمد اکرام، ناشر: ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور۔
39- سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، میر غلام علی آزاد بلگرامی۔
40- سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، خلیق احمد نظامی، ناشر: ندوۃ المصنفین دہلی۔
41- سیر المتاخرین، غلام حسین طباطبائی، ترجمہ بنام مرأۃ السلاطین، گوگل پرشاد، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ، ۱۲۹۱ھ۔۱۸۷۴ء۔
42- سیر العارفین (قلمی) پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور۔
43- الضوء اللامع، حافظ سخاوی۔
44- طبقات اکبری، خواجہ نظام الدین احمد، تصحیح و تنقیح، بی ڈی، ایم اے۔ آئی سی ایس، ناشر: ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۳۱ء، ۱۹۳۵ء
45- ظفر نامہ، از شرف الدین علی یزدی، تصحیح و تحشیہ، مولوی محمد الہ داد۔ ناشر: ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۸۷ء۔
46- قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب، ذوالفقار احمد، مطبع فیض منبع عالم آگرہ، ۱۳۱۶ھ۔
47- کشف الظنون، حاجی خلیفہ، مطبع بہیہ استنبول، ۱۹۴۱ء، ۱۳۶۰ھ۔
48- گلزار ابرار، مصنفہ: محمد غوثی بن حسن بن موسیٰ شطاری، مطبع مفید عام آگرہ، ۱۳۲۶ھ۔
49- مآثر الکرام، میر غلام علی آزاد بلگرامی، ناشر: مکتبہ احیاء العلوم الشرقیہ لاہور، ۱۹۷۱ء۔
50- مرأت سکندری، سکندر بن محمد عرف منجھو ابن اکبر، تصحیح و تنقیح، ڈاکٹر شیش چندر مصر و محمد لطف الرحمٰن، جامعہ مہاراجہ سیاجی راؤ بڑودہ۔ مہاراجہ سیاجی راؤ یونیورسٹی پریس ۱۸۶۱ء۔
51- ماہنامہ المعارف، کلب روڈ، لاہور، شمارہ فروری، ۱۹۶۷ء۔
52- محبوب الوطن تذکرۂ سلاطین دکن، ابوتراب محمد عبدالجبار ملکاپوری، مطبع نامی فخر نظامی، حیدر آباد (دکن)
53- نزہۃ الخواطر، جلد ثالث، سید عبدالحی حسنی لکھنوی، دائرۃ المعارف حیدر آباد (دکن) ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء۔
54- ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، دارالمصنفین، اعظم گڑھ۔
55- ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے، ناشر: دارالمصنفین اعظم گڑھ۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

شریعت اسلامیہ کی اصل و اساس کتاب وسنت یا قرآن وحدیث ہیں۔ زمانی اور مکانی اعتبار سے مسائل میں وسعت پیدا ہوئی نیز تمدنی ارتقا نے مسائل کی نوعیت میں تنوع پیدا کیا تو مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے بعد مراکزِ علمی میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور جلد ہی عراق، شام، مصر، یمن اور برصغیر کے متعدد شہروں میں فقہی مکاتب پیدا ہوتے چلے گئے۔ خلافت فاروقی میں اسلام کی روشن کرنیں قلات اور مکران کو منور کرنے لگیں۔ برصغیر کے ساحلوں پر اسلامی فکر کے بیڑے تیرنے لگے اور دوسری صدی ہجری میں سندھ اور ہند' فقہائے اسلام اور علمائے دین کی سرگرمیوں کا مرکز بن گئے۔ قرآن وحدیث کے بعد فقہ علوم اسلامیہ کا گلِ سرسبد قرار پایا۔

لغت عرب میں ''فقہ'' کے معنی فہم وادراک اور بصیرت کے ہیں۔ لیکن شرعی اصطلاح میں یہ وہ علم ہے کہ جس میں کتاب وسنت اور اس پر مبنی قیاس' اجماع اور اجتہاد جیسے مصادر سے احکام ومسائل کا استنباط اور استخراج تفصیلی دلائل سے کیا جائے۔ عملی زندگی میں درپیش مسائل کے حل کے لیے کتاب وسنت کی طرف رجوع ہی فقہ کا اصل موضوع ہے اور ایسی سرگرمیوں میں مشغول اصحابِ علم کو فقہا کہتے ہیں۔ ان علمائے کرام اور فقہائے عظام نے اس علم کے اصول بھی مرتب کیے اور یوں اصل فقہ پر الگ سے کتب بھی لکھی جانے لگیں۔ اصول فقہ سے مراد ایسے قواعد وضوابط کا مجموعہ ہے کہ جن سے کام لے کر ایک فقیہہ احکام مرتب کرتا ہے اور ان کے دلائل کو واضح کرتا ہے۔

مصنف محترم نے یہ سارا کام تاریخی تسلسل اور زمانی ترتیب کے ساتھ انجام دیا ہے۔ کتاب کے آخر میں مراجع اور مصادر کی ان عربی' فارسی اور اردو کتب کی فہرست بھی فراہم کردی گئی ہے' جس سے اس تحقیقی لوازمے کی علمی وقعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بھٹی صاحب کے قلم نے تذکرہ وسوانح پر بیسیوں کتابیں رقم کی ہیں مگر اپنے منہجِ تحقیق' حصولِ مصادر' موضوعاتی ترتیب اور اسلوب نگارش کے اعتبار سے پیش نظر تصنیف ان کا شاہکار (Magnum Opus) قرار دی جاسکتی ہے۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر

ISBN 978 969 9730 05-4

نشریات
فضلی بک سپر مارکیٹ
اردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی
فون: 2212991-2629724

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، پاکستان
فون: 042-37239884, 37320318
kitabsaray@hotmail.com